كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد اوّل

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب وسنت

کی

نشرواشاعت

کے لیے

کوشاں

اشاعت ——— 2006

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

پارہ نمبر ۱

تفسیر ابن کثیر

۲
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست
۳
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست
۵
پارہ نمبر

پارہ نمبر ٦ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

پارہ نمبر
۶

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر
۸
تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر ۹

تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست
۱۰
پارہ نمبر

پارہ نمبر ۱۱

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر
۱۲
پارہ نمبر
چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر ۱۳

چند اہم مضامین کی فہرست

۱۴
پارہ نمبر

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۱۵
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

۱۶
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

۱۹
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر
۲۰
پارہ نمبر
چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر ۲۴

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۲۹
پارہ نمبر

پارہ نمبر ۳۰

چند اہم مضامین کی فہرست

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی

مکتبہ قدوسیہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد اوّل

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ

۱
پارہ نمبر

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۵
پارہ نمبر

پارہ نمبر ٦ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

عرض ناشر

علمائے اسلام نے قرآن کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزار کر دیں- انہوں نے دور دراز کے سفروں کی صعوبتوں کو کلام الٰہی کی تفسیر و توضیح کے لیے برداشت کیا- امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نام قرآن کی خدمت کرنے والے ائمہ کرام میں سرفہرست نظر آتا ہے- تفسیر ابن کثیر کو دوسری تفاسیر کے مقابلے میں جو امتیاز حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں- امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس عظیم خدمت قرآن کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی سعادت برصغیر کے معروف عالم ترجمان کتاب والسنہ حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی کے حصہ میں آئی جو کہ سو سے زیادہ کتب کے مولف و مصنف تھے- انہوں نے جس سلاست اور روانی کو اردو میں برقرار رکھا' وہ اپنی مثال آپ ہے- ہم اس بات کو اپنے لیے توشہ آخرت سمجھتے ہیں کہ یہ لاجواب تفسیر اللہ تعالیٰ نے ہمیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے-

۱۹۹۴ء میں مکتبہ قدوسیہ نے بصد احتیاط و محنت تفسیر ابن کثیر کو شائع کی- الحمدللہ اُس نسخے کی مقبولیت سے جو حوصلہ ملا اس کے سبب اور احباب کے تقاضوں کے پیش نظر تفسیر ابن کثیر کا جدید ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے- اس کی کمپوزنگ سے لے کر طباعت تک جن احباب نے شوق کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر کام کیا ان کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی کے مترادف ہوگا-

عنوان بندی مولانا مسعود عبدہ مشہدی رحمہ اللہ نے کی۔ کمپوزنگ کا کام عزیزی شہزاد سلیم اور رشید سبحانی نے بہ حسن و خوبی انجام دیا- کتاب کی خواندگی میں جن احباب کا تعاون حاصل رہا' ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے قرآن کی خدمت کے جذبے سے تصحیح کی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں۔

آخر میں بارگاہ رب العالمین میں یہ التجا ہے کہ اس لاجواب تفسیر کی اشاعت ہمارے لیے اور ہمارے والدین کے لیے ذریعہ نجات ہو۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ قرآن وسنت کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔

ابوبکر قدوسی
اپریل ۲۰۰۳ء

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام ونسب: ☆☆ اسمٰعیل نام' ابوالفدا کنیت' عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

اسمٰعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع القیسی البصروی ثم الدمشقی۔

آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابوحفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ولادت وتعلیم وتربیت: ☆☆ آپ کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک قریہ ہے۔ اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے۔ ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشوونما ہوئی۔ ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی' بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فزاری معروف بابن فرکاح شارح تنبیہہ التوفی ۷۲۹ھ اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا۔ چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں "التنبیه فی فروع الشافعیه" مصنفہ شیخ ابواسحاق شیرازی التوفی ۴۷۶ھ' کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی التوفی ۶۴۶ھ کی "مختصر" کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب التوفی ۷۴۹ھ سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطیؒ "ذیل تذکرۃ الحفاظ" میں لکھتے ہیں: سمع الحجار و الطبقة یعنی حجارؒ اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔

حجارؒ کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر التوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی التوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سویدی التوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی التوفی ۷۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن مزی شافعی مصنف "تهذیب الکمال" التوفی ۷۴۲ھ ہیں' حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بنا پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے

نکاح کر دیا تھا۔ اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا' مدت مدید تک حاضر خدمت رہے اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں "تھذیب الکمال" بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں: وتخرج بالمزی ولازمه و برع۔ اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم سے حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی' وانی اور ختنی وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی: ☆☆ امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ' تفسیر' تاریخ اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلی' حبیب سے ناقل ہیں۔ "انتھت الیه ریاسة العلم فی التاریخ والحدیث والتفسیر"

''ان پر تاریخ' حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہوگئی''۔

اور مشہور مورخ علامہ ابوالمحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی "المنھل الصافی' المستوفی بعد الوافی" میں لکھتے ہیں۔ "وکان له اطلاع عظیم فی الحدیث والتفسیر والفقه والعربیة۔"

''حدیث' تفسیر' فقہ اور عربیت میں ان کو بڑی معلومات تھیں''۔

اور حافظ ابوالمحاسن حسینی فرماتے ہیں: "وبرع فی الفقه والتفسیر والنحو وامعن النظر فی الرجال والعلل۔"

''فقہ' تفسیر اور نحو میں ماہر تھے اور رجال وعلل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی''۔

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابوالمحاسن حسینی اور علامہ سیوطی نے "تذکرة الحفاظ" پر جو ذیل لکھے ہیں اس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور خود امام ذہبی نے "تذکرة الحفاظ" کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور رفقائے درس کا تعارف کرایا ہے وہاں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

شعر و سخن کا بھی ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

تمر بنا الایام تتری وانما
نساق الی الاجال والعین تنظر
فلا عائد ذاك الشباب الذی مضی
ولا زائل هذا المشیب المکدر

(دن پیاپے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے چلے جا رہے ہیں۔ سو اب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آ سکتی ہے اور نہ یہ کدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے۔)

تیسرے مصرعہ میں اگر "ذاك الشباب" کی بجائے "صفو الشباب" ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین: ☆☆ حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مغلطای' ابن کثیر' ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطای ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں تکنے والے

اور موتلف ومختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں۔
اور حافظ ذہبی نے "المعجم المختص" میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے: الامام المفتی المحدث البارع فقیہ متفنن ومحدث متقن مفسر اور ''تذکرۃ الحفاظ'' کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں: الفقیہ المفتی المحدث ذی الفضائل اور اس کے بعد لکھتے ہیں: وله عنايته بالرجال والمتون والفقه خرج و ناظر و صنف و فسر و تقدم۔ ''ان کو رجال' متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتنا ہے' انہوں نے احادیث کی تخریج کی' مناظرہ کیا' تصنیف کی' تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے۔
اور حافظ حسینی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: "الشيخ الامام الحافظ المفيد البارع۔" اور حافظ سیوطی فرماتے ہیں: "الامام المحدث ذو الفضائل" اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں الحافظ الکبیر اور حافظ ابن حجی التوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں' یہ رائے ظاہر کرتے ہیں

"احفظ من ادركناه لمتون الاحاديث و اعرفهم بجرحها ورجالها وصحيحها و سقيمها و كان اقرانه و شيوخه يعترفون له بذلك وما اعرف انى اجتمعت به على كثرة ترددى اليه الا واستفدت منه۔"
''ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں۔''

اور حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی ''الرد الوافر'' میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں: "الشيخ الامام العلامة الحافظ عماد الدين ثقة المحدثين عمدة المورخين علم المفسرين"
اور حافظ ابن حجر عسقلانی (جن کے متعلق صاحب ''کشف الظنون'' نے لکھا ہے کہ ''ان کا علم لوگوں کے اظہار معائب میں برا تھا اور زبان اچھی تھی' کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی) ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ: "واشتغل بالحديث مطالعة فى متونه ورجاله" حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ ریمارک کر گئے ہیں:

"ولم يكن على طريق المحدثين فى تحصيل العوالى وتميز العالى من النازل و نحن ذلك من فنونهم و انما هو من محدثى الفقهاء۔"
''یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی ونازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں' محدثین کی طرح نہ تھے' بلکہ یہ تو فقہاء کے محدث تھے۔''

لیکن حافظ سیوطی نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

"قلت العمدة فى علم الحديث معرفة صحيح الحديث و سقيمه و علله واختلاف طرقه رجاله جرحا و تعديلا' واما العالى والنازل و نحو ذلك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة۔"
''میں کہتا ہوں اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح وتعدیل سے

واقفیت ہے' رہا عالی و نازل وغیرہ سو یہ زائد میں داخل ہیں نہ کہ اصول مہمہ میں۔''

''اگرچہ حافظ ابن کثیر اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں: پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا۔ لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات رواۃ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور التکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے' اور حافظ ابن حجر کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں جو فضل و کمال میں مشہور ہیں۔''

مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ ابن العماد لکھتے ہیں: ''کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان' جید الفهم۔''

درس و افتاء' ذکر الٰہی' شگفتہ مزاجی: ☆ ☆ حافظ ابن کثیر کی تمام عمر درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی۔ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے' بڑے ذاکر شاغل تھے۔ چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے: "امام ذی التسبیح و التهلیل۔" طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی' لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف میں "حسن الفاکهته" کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پر لطف مزاح کیا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق: ☆ ☆ اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیر کو اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی امام ابن تیمیہؒ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے متفرد ہیں۔ چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے ''طبقات'' میں لکھتے ہیں:

"کانت له خصوصیة بابن تیمیة و مناضلة عنه و اتباع له فی کثیر من ارائه و کان یفتی برأیه فی مسئلة الطلاق وامتحن بسبب ذلك و اوذی۔"

''ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں بھی انہی کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔''

ایک وقت میں تین طلاقیں دینے کے بارے میں شیخ الاسلام کا مسلک یہ تھا کہ وہ ان تینوں طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کرتے تھے۔

وفات: ☆ ☆ اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی' جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے' جس کے دو شعر یہ ہیں

لفقدك طلاب العلوم تاسفوا　　وجادوا بدمع لا یبید غزیر

ولو مزجوا ماء المدامع بالدما　　لکان قلیلا فیك یا ابن کثیر

''شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں' اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ

آنسوؤں کے ساتھ لہو بھی ملا دیتے تب بھی اے ابن کثیرؒ تمہارے لئے یہ تھوڑے تھے۔''

پسماندگان میں دو صاحبزادے بڑے نامور چھوڑے تھے' ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی اور دوسرے بدرالدین ابوالبقاء محمد۔ یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ہے۔ ان دونوں کا ذکر حافظ بن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات: ☆☆ آپ نے تفسیر' حدیث' سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حسن نیت کی برکت تھی کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو قبول عام اور شہرت دوام کی مسند عطا ہوئی۔ مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور ان کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں: "وله تصانيف منيدة" ابن حجر کہتے ہیں:

"سادت تصانيفه فى البلاد فى حياته وانتفع الناس بها بعد وفاته۔"

''ان کی زندگی میں ان کی تصانیف شہر شہر جا پہنچیں اور ان کی وفات کے بعد لوگ ان سے نفع اندوز ہوتے رہے۔''

اور شوکانی لکھتے ہیں: "وقد انتفع الناس بتصانيفه لا سيما التفسير۔"

''لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا۔''

آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن العظیم: ☆☆ جس کے متعلق حافظ سیوطی تصریح کرتے ہیں کہ "لم يؤلف على نمطه مثله" (اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔) اور محدث کوثری فرماتے ہیں: "هو من افيد كتب التفسير بالروايته"

''یہ تفسیر بالروایۃ میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔''

اور قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"وقد جمع فيه فاوعى' ونقل المذاهب والاخبار والاثار و تكلم باحسن كلام وانفسه۔"

''اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا' مذاہب نقل کئے' حدیثیں لکھیں' آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا۔''

مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید و رجال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد آثار صحابہؓ و تابعینؒ کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بالغ نظر محدث ہی کی ضرورت تھی۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی خدمت ہوتی تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی۔ الحمدللہ یہ کتاب متداول اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ: ☆☆ یہ فن تاریخ میں ان کی بیش بہا تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ابتدائے کائنات سے لے کر احوال آخرت تک درج ہیں' پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امم ماضیہ کا ذکر ہے پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس

کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ پھر اشراط الساعة اور احوال آخرت کا بیان ہے۔ اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

"اعتمد فی نقله علی النص من الکتاب والسنة فی وقائع الالوف السالفة و میزبین الصحیح والسقیم والخبر الاسرائیلی وغیره۔"

''گذشتہ ہزار ہا سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے اور صحیح' ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔''

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں: "هو فی غایته الجودة۔" (یہ نہایت ہی خوب ہے)۔ امام علامہ حافظ بدرالدین محمود عینی حنفی شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ محمود بن محمد بن دلشاد نے "البدایه والنهایه" کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں۔ سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے' مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ درج کتاب ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس میں مصنف کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آ گئے ہیں۔

۳۔ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل: ☆☆ صاحب ''کشف الظنون'' نے اس کتاب کا نام "التکمله فی اسماء الثقات والضعفاء" لکھا ہے' لیکن خود مصنف نے ''البدایہ والنہایہ'' اور ''اختصار علوم الحدیث'' میں یہی نام لکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے۔ اس میں مصنف حافظ مزی کی ''تہذیب الکمال'' اور حافظ ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' کو جمع کر دیا ہے اور جابجا اپنی طرف سے اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ خود مصنف کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے:-

"وهو انفع شئی للفقیه البارع و کذلك المحدث۔"

''یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث کے ساتھ بہت زیادہ نفع بخش ہے۔''

۴۔ الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن: ☆☆ یہی کتاب ہے جو ''جامع المسانید'' کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبل' مسند بزار' مسند ابی یعلیٰ' مسند ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔ محدث کوثری لکھتے ہیں: "هو من انفع کتبه۔" (یہ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے)۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ ''دارالکتب المصریہ'' میں موجود ہے۔

۵۔ طبقات الشافعیہ: ☆☆ اس میں فقہائے شافعیہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ مکرمہ میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

۶۔ مناقب الشافعی: ☆☆ یہ رسالہ امام شافعیؒ کے حالات میں ہے' مصنف نے اس کا ذکر ''البدایہ والنہایہ'' میں امام شافعیؒ کے تذکرہ میں کیا ہے' اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔ صاحب ''کشف الظنون'' نے اس رسالہ کا نام ''الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس'' لکھا ہے۔

۷۔تخریج احادیث ادلۃ التنبیہ :-۸۔تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب: ☆☆ ''التنبیہ'' اور ''مختصر'' یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جن کو مصنف نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے۔

۹۔شرح صحیح بخاری: ☆☆ اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی مگر نا تمام رہ گئی۔ ''کشف الظنون'' میں ہے کہ صرف ابتدائی ٹکڑے کی شرح ہے۔مصنف نے اس کا ذکر ''اختصار علوم الحدیث'' میں کیا ہے۔

۱۰۔الاحکام الکبیر: ☆☆ یہ کتاب بہت بڑے پیمانے پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی' مگر کتاب الحج تک لکھ سکے تمام نہ کر سکے۔مصنف نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔اختصار علوم الحدیث: ☆☆ نواب صدیق حسن خان نے ''منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول'' میں اس کا نام ''الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث'' لکھا ہے۔یہ علامہ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ کی مشہور کتاب ''علوم الحدیث'' معروف بہ ''مقدمہ ابن صلاح'' کا جو اصول حدیث میں ہے' اختصار ہے۔مصنفؒ نے اس میں جا بجا مفید اضافے کئے ہیں۔حافظ ابن حجر عسقلانی اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: "ولہ فیہ فوائد۔" (اس کتاب میں حافظ ابن کثیر کے بہت سے افادات ہیں۔)

۱۲۔مسند الشیخین: ☆☆ اس میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے۔مصنف نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں اپنی ایک تصنیف ''مسند عمر رضی اللہ عنہ'' کا ذکر کیا ہے۔یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔السیرۃ النبویہؐ: ☆☆ یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے۔

۱۴۔الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول: ☆☆ یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔مصنف نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے۔اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔

۱۵۔کتاب المقدمات: ☆☆ اس کا ذکر مصنف نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں کیا ہے۔

۱۶۔مختصر کتاب المدخل للبیہقی: ☆☆ اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' کے مقدمہ کیا ہے۔

۱۷۔الاجتہاد فی طلب الجہاد: ☆☆ جب فرنگیوں نے قلعہ ''ایاس'' کا محاصرہ کیا اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا۔یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔رسالۃ فی فضائل القرآن: ☆☆ یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۔مسند امام احمد بن حنبل کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی ''معجم'' اور ابو یعلی کی ''مسند'' سے زوائد بھی درج کئے تھے۔

امام ابن کثیرؒ کی تمام تصانیف میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں' عبارت سہل اور پیرایۂ بیان دلکش ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جونا گڑھی رحمہ اللہ علیہ کے مختصر حالات

تفسیر محمدی کے مؤلف حضرت مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر یعنی پاک و ہند کے ان مایہ ناز علمائے حدیث میں ہوتا ہے جو اپنے علمی کمالات' دینی وجاہت' علمی کردار' حسن صورت و سیرت اور مجاہدانہ کارناموں سے اپنے ہم عصر علماء پر اس طرح چھائے ہوئے تھے جس طرح تمام ستاروں پر بدر (چودھویں رات کا چاند) کی روشنی چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔

ابتدائی حالات: ☆☆ مولانا کا نام ''محمد'' والد ماجد کا نام ابراہیم' سال ولادت ۱۸۹۰ء ہے۔ آپ کا وطن مالوف کاٹھیاواڑ کا مشہور شہر جونا گڑھ ہے' جو متحدہ ہندوستان میں اسلامی ریاستوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ اس علاقہ کی مشہور مسلم قوم میمن سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے والد ماجد تاجر غلہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت مولانا مرحوم سن شعور کو پہنچتے ہی دینی علوم کی طرف راغب ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے حاصل کی۔ اس وقت دہلی ہندوستان کی مادر علم تھی' اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک۔ کے تشنگان علم یہاں آ کر علمی پیاس بجھاتے تھے۔ خاندان ولی اللہی کے علمی اثرات ابھی کچھ کچھ باقی تھے' حضرت الامام سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو وصال فرمائے تقریباً دس بارہ سال کا ہی عرصہ گزرا تھا' دہلی کا علمی شہرہ سنا تو دل میں ایک زبردست اشتیاق پیدا ہوا' والد بزرگوار آپ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے' مگر ہونہار فرزند کا علمی اشتیاق' دن بدن ترقی پذیر تھا۔

دہلی میں تشریف آوری: ☆☆ چنانچہ آپ نے ۱۹۱۲ء میں دہلی کا رخ کیا ''مدرسہ امینیہ'' دہلی میں مشہور اور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے اپنا علمی سامان سفر سب سے پہلے یہیں کھولا۔ ''مدرسہ امینیہ'' کے ارباب حل وعقد چونکہ تقلیدی قیود و حدود میں گھرے ہوئے تھے اور ادھر عمل و بالحدیث کا جذبہ رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ اس لئے ''مدرسہ امینیہ'' کے فضا راس نہ آ سکی اور جلد ہی اس کو چھوڑ کر عاملین بالحدیث کے مشہور دینی و علمی مرکز' صدر بازار میں مولانا عبدالوہاب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ ''دارالکتاب والسنہ'' میں داخل ہو گئے جہاں حاتم دوران جناب شیخ حافظ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علماء نوازی اور غرباء پروری اپنی مثال آپ تھی۔ آپ نے یہاں مستقل طور پر درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت دہلی میں مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ عاملین بالحدیث کا مرکز تھا' آپ نے اس علمی مرکز سے بھرپور استفادہ کیا۔ حدیث کی بعض کتابیں مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مقیم پھاٹک حبش خاں دہلی) اور مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ امرتسری سے پڑھیں۔

منطق وغیرہ علوم عقلیہ دہلی کے مشہور استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کی عمر کا یہ آخری زمانہ تھا۔ مولانا محمد اسحاق کی رحلت کے بعد آپ نے مولوی محمد ایوب صاحب پراچہ رحمۃ اللہ علیہ سے منطق کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دہلی میں مسجد اہل حدیث' اجمیری گیٹ کو اپنی مستقل سکونت کے لئے منتخب کیا اور وہاں ''مدرسہ محمدیہ'' کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ ''مدرسہ محمدیہ'' کو شائقین علوم نبویہ کا مرکز قرار دیا' مدرسہ میں آپ نہایت مستعدی سے درس و تدریس کو آخری عمر تک سرانجام

دیتے رہے۔

عدیم المثال خطیب: ☆☆ خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خطابت کا ایسا ملکہ اور قدرت عطا فرمائی تھی کہ وہ ہر موضوع پر نہایت جامع اور مدلل ومؤثر خطا فرماتے تھے۔ آپ کی آواز میں ایسی کشش اور تاثیر تھی کہ خطبہ مسنونہ شروع کرتے ہی سامعین پر رقت طاری ہو جاتی اور بعض بے اختیار ہو کر زار وقطار آنسو بہانے لگتے تھے اور خطبہ سے متاثر ہو کر کتنے علانیہ تائب ہوتے تھے۔ آپ کے مواعظ اور توحیدی خطاب نے ہندوستان میں تقلید جامد اور شرک وبدعات کی بساط الٹ ڈالی اور بلا مبالغہ لاکھوں آدمی شرک وبدعات سے تائب ہو کر سچے موحد اور متبع سنت بن گئے۔

آپ کا چہرہ نورانی اور شکل وصورت ایسی موہنی اور پسندیدہ تھی کہ جس کی نظر پڑتی بلا امتیاز مسلک آپ کا معتقد اور گرویدہ ہو جاتا' اس پر آپ کا عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا جذبہ سونے پر سہاگے کا کام دیتا۔

وفات: ☆☆ آپ اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر کے یکم صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء اپنے آبائی وطن جوناگڑھ میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ آپ کی وفات پر مولانا ابوالعارف شاد اعظمی مؤی نے حسب ذیل تاریخ لکھی:

آہ حضرت العلامہ مولانا محمد جوناگڑھی

لقد مات فی الوطن المبارك وفقه	سمی رسول الله شیخ محمد
فقال بقلب الحزن شاد مورخا	تخلی الی الله الجمیل محمد

علامہ مرحوم کی وفات پر نصف صدی سے زیادہ طویل عرصہ گذر رہا ہے لیکن ان کے علمی برکات اور صدائے حق کی گونج پورے ہندوپاک میں سنائی دے رہی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ۔ آمین۔

بے مثال تصنیفی خدمات: ☆☆ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوناگڑھی کو درس وتدریس اور خطاب کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا نہایت عمدہ ذوق عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے قلم سے شرک وبدعت کی بیخ کنی کے لئے تلوار کا کام کیا اور برصغیر کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے شرکیہ مراسم اور تقلیدی جمود کو پاش پاش کر ڈالا' حق کے اس جواب مرد سپاہی نے توحید وسنت کے ہر محاذ سے دین حق کی حمایت کی۔ آپ کے قلم اشہب سے جو شاہکار علمی اور تحقیقی رسائل اور اعلیٰ کتابیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں وہ اردو زبان میں دینی علوم کا بڑا قابل فخر سرمایہ ہیں جس کے بار احسان سے اردو دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ کی اکثر کتابوں کے نام لفظ ''محمدی'' پر تھے۔ مثلاً صلوٰۃ محمدی' زکوٰۃ محمدی' صیام محمدی' حج محمدی' توحید محمدی' برأت محمدی' طریق محمدی' فضائل محمدی وغیرہ! آپ کے چھوٹے بڑے رسائل اور کتابوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے' لیکن آپ کی ان علمی یادگاروں میں تین شہ پارے ایسے ہیں جن پر پوری ملت اسلامیہ پاک وہند کو بجا طور پر ہمیشہ ناز رہے گا اور یہ کتابیں تاریخ کے ہر دور میں اپنے عظیم مؤلف کے نام کو زندہ اور روشن رکھیں گی۔

اول:- امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور اور نامور کتاب ''اعلام الموقعین'' جو دین محمدی کے سمجھنے اور دین حق کی معرفت کے لئے ایک جامع دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے ''دین محمدی'' کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) پر ایسا احسان عظیم کیا ہے جسے بلاشبہ رہتی دنیا تک' ہمیشہ علمی ومذہبی حلقوں میں یاد کیا جاتا رہے گا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا نامہ مبارک بنام مولانا محمد جونا گڑھی

اعلام الموقعین کے ترجمہ کے بارہ میں امام الہند' مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے بنام مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں والا نامہ رقمطراز فرمایا:

''حبی فی اللہ'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے حافظ قیمؒ کی ''اعلام الموقعین'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ مجھے اس خبر سے نہایت خوشی ہوئی۔ عرصہ ہوا میں نے بعض عزیزوں کو جو ترجمہ کے لئے دلچسپی رکھتے ہیں اس کام پر لگایا تھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام ابن قیمؒ کی مصنفات اردو میں منتقل کریں۔ چنانچہ منتخب کتابوں میں اعلام بھی تھی لیکن ضخیم ہے اس لئے اس کی نوبت نہ آئی۔ مختصرات شائع ہو گئیں اب آپ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں کہوں گا آپ نے ایک نہایت موزوں کتاب ترجمے کے لئے منتخب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق کار عطا فرمائے۔ مباحث فقہ وحدیث میں متاخرین کا کافی ذخیرہ موجود ہے لیکن اس سے بہتر اور اصح کوئی کتاب نہیں' اس کا اردو میں ترجمہ کر دینا اس گوشے کی تمام ضرورت بیک دفعہ پوری کر دیتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ہے۔ اس طبقہ میں بہت سے لوگ مذہبی ذوق سے آشنا ہو چکے ہیں لیکن صحیح مسلک کی خبر نہیں رکھتے اور عربی سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے براہ راست مطالعہ نہیں کر سکتے' اگر ''اعلام الموقعین'' اردو میں شائع ہو گئی تو ان کی فہم وبصیرت کے لئے کافی مواد مہیا ہو جائے گا۔ میں نہایت خوش ہوں گا اگر اس کے ترجمہ کی اشاعت میں آپ کو کچھ مدد دے سکوں۔
(ابوالکلام کان اللہ لہ' از کلکتہ)

''اعلام کا ترجمہ شائع ہوا اور اکابر ملت وعلمائے امت کے ہاتھوں میں پہنچا۔ مطالعہ کے بعد حضرت امام الہند نے جو والا نامہ ارقام فرمایا اس کا مطالعہ کیجئے' اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ حضرت مولانا محمد مرحوم کے اس کار عظیم کی اہمیت کیا ہے۔

امام الہند مولانا آزاد کا دوسرا نامہ مبارک بنام مولانا محمد مرحوم

''حبی فی اللہ'' السلام علیکم۔ ''اعلام الموقعین'' کا ترجمہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ مباحث فقہ وحدیث اور حکمت تشریع اسلامی میں متاخرین کی کوئی کتاب اس درجہ محققانہ اور نافع نہیں ہے جس درجہ یہ کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ اس مفید دینی خدمت پر متوجہ ہوئے۔ میں ان تمام لوگوں کو جو مذہبی معلومات کا شوق رکھتے ہیں اور اصل عربی کا مطالعہ نہیں کر سکتے مشورہ دوں گا کہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں چونکہ اسلام کے اندرونی مذاہب ومشارب کی پیچیدگیوں سے عموماً مسلمان باخبر نہیں ہیں اس لئے بسا اوقات ان کا مذہبی شغف غلط راہوں میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ان پر واضح کر دے گا کہ حکمت ودانش کی حقیقی راہ کن لوگوں کی راہ ہے' متبعین کتاب وسنت کی یا اصحاب جدل وخلاف کی؟ خود صاحب ''اعلام الموقعین'' اپنے قصیدے ''نونیہ'' میں کیا خوب فرمائے ہیں:

العلم قال اللہ قال رسولہ ۔۔۔ قال الصحابۃ ھم اولو العرفان
ما العلم نصبک للخلاف جھالۃ ۔۔۔ بین النبی وبین رای فلان

(یعنی علم دین وہی ہے جو قرآن وحدیث میں ہے' جو معرفت خداوندی میں ڈوبے ہوئے فیضان صحبت رسولؐ کے فیض یافتہ

صحابہؓ کرام کی زبانوں سے ظاہر ہوا ہے' کسی کی رائے کو سنت وحدیث سے ٹکرانا' رائے کے غلبے کے لئے دلائل قائم کرنا اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے رائے کے جھنڈے کے خلاف حدیث بلند کرنے کا نام علم دین نہیں۔)

ضرورت تھی کہ اس کتاب کا ترجمہ کتاب کی شکل میں شائع کیا جاتا۔ موجودہ صورت حال کا یہ نہایت افسوسناک منظر ہے کہ اس طرح کی قیمتی اور ضروری خدمات پر اہل خیر واستطاعت کو توجہ نہیں۔ مجھے امید ہے بہت جلد ایسے حالات فراہم ہو جائیں گے کہ آپ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرسکیں گے۔ یہ بھی آپ نے خوب کیا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی تفسیر کا ترجمہ شائع کر دیا۔ متاخرین کے ذخیرہ تفسیر میں یہ سب سے بہتر تفسیر ہے۔ امید ہے کہ اصحاب خیر واستطاعت اس کام میں بھی آپ کے مساعد ومددگار ہوں گے۔ (ابوالکلام کان اللہ لہ کلکتہ ۳۶-۳-۱۶)

دوم:- آپ کی محبوب کتاب ''خطبات محمدی'' ہے۔ آپ نے اس کتاب کو ایسے خلوص اور محنت سے لکھا کہ اس سے ہزاروں مساجد کے منبر گونج اٹھے اور لاکھوں گھرانے ترانہ محمدی سے سرشار ہوئے۔ خطبات محمدی کا درس' مساجد اور دینی مجالس میں آج تک مسلسل اور باقاعدہ دیا جارہا ہے۔

سوم' اخبار محمدی:- گوناں گوں تصنیفی خدمات کے علاوہ آپ نے اپنے ''اخبار محمدی'' کے ذریعے ملک میں توحید وسنت کی آواز بلند کی۔ ''اخبار محمدی'' مدت مدید تک برصغیر کے مطلع صحافت پر توحید وسنت کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکتا رہا' جس کی ضیاء پاش کرنوں سے پورا ملک روشن ہوگیا۔

چہارم' تفسیر محمدی:- سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

رضینا قسمته الجبار فینا　　　لنا علم وللجهال مال

لان المال یفنی عن قریب　　　وان العلم لیس له زوال

(ہر شخص وہی چیز پاتا ہے جو اس کی قسمت میں ہوتی ہے' علم والوں کو علم ملتا ہے اور مال والوں کو مال ملتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہمیں تو عطیہ الٰہی' علم ہی پسند ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنے والا انمول خزانہ ہے اور مال و دولت تمام ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں۔)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے تحت آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دینی علوم کا جو خزانہ حضرت مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ مبارک میں ودیعت فرمایا تھا' جس کے بیشتر حصہ کو اپنے قلم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما گئے' وہ ایک ایسا لافانی چشمہ ہے جس سے تشنگان علم وہدایت ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں گے۔ قبل ازیں مندرجہ بالا سطور میں آپ کی علمی یادگاریں' مثلاً دین محمد ترجمہ اعلام الموقعین' خطبات محمدی اور اخباری محمدی کا کچھ تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ اب مولانا مرحوم ومغفور کی اہم ترین دینی اسلامی خدمت کا تعارف طالبین دین حق کی خدمت میں پیش کرتے ہیں' جو تفسیر محمدی کے نام سے آنے والی مسلمان نسلوں کے سامنے رکھ گئے ہیں۔ تفسیر محمد کیا ہے؟ اس کے متعلق امام الہند' مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد صاحب مترجم تفسیر ابن کثیر کے نام یوں خط لکھا:

''حبی فی اللہ۔'' السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھے سن کر از حد خوشی ہوئی کہ جناب نے حافظ عماد الدین' ابن کثیر کی عربی تفسیر کا

اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ متاخرین کے ذخیرہ تفسیر میں یہ سب سے بہتر تفسیر ہے۔ امید ہے کہ اصحاب خیر و استطاعت اس کام میں بھی آپ کے مساعد و مددگار رہوں گے۔ (ابوالکلام' کان اللہ لہ از کلکتہ' ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء)

مولانا محمد صاحب مرحوم کی یہ اہم ترین یادگار' قرآن کریم کی اردو زبان میں ایک بے مثال' نادر روزگار تفسیر سے اردو زبان میں قرآن پاک پر ایک بہترین کتاب کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ مبارک تفسیر وجود میں نہ آتی تو اردو داں حضرات ایک قیمتی ذخیرہ علم کے مطالعہ سے محروم رہتے۔ اس تفسیر پر مولانا کو جس قدر بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ اس تفسیر کے آنے سے ہر مسلمان کے لئے سلف صالحین کی روشنی کے مطابق قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے دہلی کی نہایت پیاری' رسیلی اردو زبان اختیار فرمائی ہے ترجمہ میں ایسا عام فہم انداز اختیار کیا ہے کہ ترجمہ اور اصل کتاب میں فرق کرنا مشکل ہے۔ تفاسیر میں تفسیر ابن کثیر کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کے مقابلہ میں چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ کتب احادیث میں جو مقام "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" صحیح بخاری کو حاصل ہے' ایسا ہی مقام کتب تفاسیر میں تفسیر ابن کثیر کو حاصل ہے۔

چند اہم مضامین کی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم
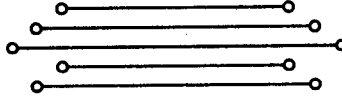
حمد وثناء کے حقوق کا واحد مالک: ☆☆ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنی کتاب کو اپنی حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اور فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ'' الخ یعنی سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں' جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی- جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو ڈرائے اور جو لوگ ایمان لا کر اچھے عمل کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور ہمیشگی والے بدلے کی خوش خبریاں سنائے اور جو لوگ اپنے بے علم باپ دادوں کی سنی سنائی باتوں پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی ڈرائے- یہ بہت بڑی دلیری اور محض جھوٹ بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے- اے نبیؐ! تم ان کے لئے اپنی جان کو روگ نہ لگاؤ- جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو اپنی حمد سے شروع کیا' اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کو بھی اپنی حمد سے ہی شروع کیا- ارشاد ہوتا ہے- ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ'' یعنی سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمان وزمین کو اور اندھیرے اجالے کو پیدا کیا لیکن کفار اس کے باوجود بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں- اسی طرح مخلوق کا خاتمہ بھی اپنی حمد وثناء پر ہی کیا-

اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے ''وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یعنی تو دیکھے گا کہ فرشتے عرش خداوندی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد وثنا' تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہوں گے- فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہو گا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہی ہیں- اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ'' یعنی وہی اللہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سب تعریفیں اول وآخر اسی کے لئے ہیں- اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹا کر لائے جاؤ گے اور ارشاد ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ فله الحمد فی الاولی والاخرة'' یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی آسمان وزمین کی کل چیزیں ہیں- آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے- وہی حکمتوں والا سب خبریں رکھنے والا ہے- لہٰذا اول وآخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا' وہی ان سب کی تعریفوں کا مستحق ہے جیسا کہ نمازی ''سمع الله'' الخ-

اس کے بعد کہتا ہے اللھم ربنا لك الحمد ملاء السموت وملاء الارض و ملاء ماشئت من شی بعد ''اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں آسمان وزمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے'' اسی لئے جنتی لوگ بھی حمد وثناء کا الہام کئے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی تسبیح ادا ہوتی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اس کی قدرت کاملہ اس کی زبردست سلطنت' اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے دائمی احسان ان کے پیش نظر ہوں گے- اسی کو قرآن پاک نے بیان فرمایا ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ

مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ دَعۡوٰهُمۡ فِیۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعۡوٰهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں ان کی آواز ''سبحانك اللهم'' گونجتی ہوگی اور آپس میں سلام کا تحفہ ہوگا۔ اور گویا سب کی پکار یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔

حجت تمام رسول اللہ ﷺ: ☆☆ ''الحمد لله الذی ارسل رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ'' یعنی اللہ ہی کے لئے تعریف ہے جس نے اپنے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے آ جانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے۔ ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی مدنی ﷺ پر ختم کیا جو سب سے زیادہ واضح راہ کی راہنمائی کرنے والے ہیں۔ آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات اور انسان ہیں ان سب کی طرف آپ کی رسالت حکم محکم ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ''قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا'' الخ اے نبی! تم کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جو آسمان و زمین دونوں کا مالک ہے۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے اس رسول پر جو نبی ہیں امی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگو! انہی کی پیروی میں تمہاری ہدایت مضمر ہے۔ ارشاد ربانی ہے ''لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ'' تا کہ میں تمہیں ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں یہ اللہ کا کلام پہنچے۔ یعنی عربی، عجمی، کالے گورے، جس انسان کو بھی یہ قرآن پہنچے۔ آنحضرت ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ'' یعنی ''اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے۔'' پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے۔ ''فَذَرۡنِیۡ وَمَنۡ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝'' یعنی ان جھٹلانے والوں کو میرے حوالے کر دو۔ میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری پیغمبری عام ہے۔ ہر سرخ و سیاہ کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا گیا ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی کل جن و انس کی طرف۔ پس آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔ سب کو اللہ الکریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ پہنچانے والے ہیں۔ جس پاک کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا۔ جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاک کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے۔ فرمایا کہ ''تم قرآن پاک میں تدبر اور غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے'' اور دوسری جگہ فرمایا ''اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تا کہ لوگ اس میں غور و خوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں'' ایک اور جگہ فرمایا ''یہ لوگ قرآن سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟''

بیوپاری علماء کا حشر: ☆☆ پس علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کر دیں اور اس کی صحیح تفسیر کریں اور اسے باقاعدہ اپنا محور علم بنائیں اور سیکھیں اور سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات) چھپائیں نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے۔'' اور جگہ فرمایا ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے تھوڑے مول کے بدلے بیچتے پھریں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ان سے اللہ

تعالیٰ بات چیت نہیں کرے گا' نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا' پروردگار نے ان کی مذمت کی- مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا کام نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے- بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں بہ دل و جان لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے' سکھانے' سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان کی طرف حق اترا ہے' اس سے کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی- لیکن کچھ زمانہ گذرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے- اکثر لوگ نافرمان ہو گئے' جان لو کہ مردہ زمین کو جلانا اللہ ہی کا کام ہے- ہم نے تو تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں'' ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں غور کرو- کس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں' نرم پڑ جایا کرتے ہیں- اللہ بزرگ و برتر اور جواد و سخی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے- آمین

تفسیر کا بہترین طریقہ: ☆☆ سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو- اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے' اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کر سکو- خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بننا-'' ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے- ''ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کر دیا کرو- یہ کتاب ایمان داروں کے لئے ہدایت و رحمت ہے''- ایک اور مقام پر فرماتا ہے- ''ہم نے اس ذکر کو تمہاری طرف اس لئے نازل کیا کہ تم اسے لوگوں کو حرف بحرف پہنچا دو تاکہ وہ فکر کر سکیں''-

اہمیت حدیث: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے'' اس سے مراد سنت ہے- یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی اترا' اسی طرح حدیث رسول بھی وحی الٰہی ہے مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو- حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں- مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اولاً خود قرآن مجید سے' پھر حدیث سے کرنی چاہئے- رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم (فیصلہ) کس طرح کرو گے؟ جواب دیا- ''کتاب اللہ سے''- فرمایا ''اگر اس میں نہ پاؤ تو؟'' کہا ''سنت رسول اللہ سے-'' کہا ''اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟'' کہا ''اب اجتہاد کروں گا-'' حضورؐ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبیؐ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے''- یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور اس کی سند بھی بہت عمدہ ہے- یعنی اپنی جگہ اس کا ثبوت بھی موجود ہے-

قرآن فہمی کا بہترین انداز اقوال صحابہؓ کی روشنی میں: ☆☆ اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرنا چاہئے وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے' ان کا علم انہی

کو ہو سکتا ہے- وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے- علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ' صحیح علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا- بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے- بلاشبہ چاروں خلفاء جو راشد اور ہدایت یافتہ تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان ذی النورین' حضرت علی رضی اللہ عنہم علی ھذا القیاس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ- حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں ''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا''- آپؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہ پڑھتا''- حضرت عبدالرحمٰن سلمی تابعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جن سے قرآن سیکھا' وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا' جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل حضورؐ سے نہ سیکھ لیتے' آگے نہ بڑھتے- غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی سیکھا- انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں- حضورؐ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا ''اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل'' اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے' قرآن کے بہترین ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں-

حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجئے کہ ان کا انتقال سن ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس اس کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی- حضرت ابووائلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے- آپ نے اپنے خطبہ میں سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر ترک و دیلم کے کفار بھی سن لیتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے- بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورہ نور کی تفسیر بیان فرمائی تھی- یہی وجہ ہے کہ اسمعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں سے اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لیا کرتے ہیں' اسے بھی بیان کر دیتے ہیں- بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے- صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو''- بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں' مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے- حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود و نصاریٰ کی کتابیں پائی تھیں ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں' خود ان سے مسائل ثابت نہیں کئے جا سکتے-

اسرائیلی روایات اور بے جا تجسس: ☆☆ روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں- ایک تو وہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے' اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں' دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو- اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں- تیسرے وہ کہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب' اس لئے کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی ایسی روایت ہے جس کی تصدیق سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ یا غلط کہہ سکیں- لہذا یہ تیسری قسم کی روایتیں وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں' نہ انہیں غلط

کہیں نہ صحیح سمجھیں- البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے اور یہ روایتیں ہیں بھی ایسی جن سے ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں-

علاوہ ازیں ایسی باتوں کی وجہ سے خود اہل کتاب میں بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں اور انہیں کی وجہ سے ان روایتوں کو لینے والے مفسرین میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں- مثلاً اصحاب کہف کے نام' ان کے کتے کا رنگ' ان کی گنتی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر اللہ کے حکم سے وہ جی اٹھے' وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا تھا- وہ ٹکڑا کونسا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ وہ کونسا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں اللہ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا' کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تہہ میں ہمیں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی- البتہ اس اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے جیسے کہ خود قرآن پاک نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل فرمایا ہے ''سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ'' الخ یعنی'' یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا- یہ سب ڈھکوسلے ہیں' وہ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا- اے نبیؐ! تم کہہ دو کہ ان کی گنتی میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے- تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو-'' اس آیت نے بتلا دیا کہ ہمیں ایسے مقام میں کیا کرنا چاہئے- اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے ہیں- دو کو تو ضعیف قرار دیا اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا- پھر ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم جب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا' پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں لگو؟ کیوں نہ کہہ دو کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے- بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے- جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر ان کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟ اسی طرح ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیئے جائیں- صحیح' غیر صحیح پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کارآمد شغل سے محروم نہ ہو جائے- جو شخص اختلاف نقل کرتے ہوئے تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ بھی اس کا قصور ہے- ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا- اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کئے بغیر چھوڑ دے' وہ بھی تقصیر کرے گا- اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے تو پھر وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کیا تب بھی خطا کار ہے- اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو' بہت سارے اختلافی اقوال نقل کر دے یا ایسے اختلافات کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں گے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یونہی معمولی سا رہ جاتا ہو' وہ بھی اپنے عزیز وقت کو بیکار کرے گا اور بے مقصد کام کرے گا- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو چھوٹے کپڑے پہن لے- بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے-

آخری طریق تفسیر: ☆☆ فصل: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ تینوں میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے کہ'' ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے'' جیسے مجاہد بن جبیر (جو تفسیر میں اللہ کی ایک نشانی تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن پاک سیکھا اور سمجھا- ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر' سمجھ سمجھ کر پڑھا- ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں'' خود میں نے حضرت مجاہد کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لے کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت

کر کے اس میں تحریر فرماتے - قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل فرمائی'' - حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان تھا کہ مجاہد جب کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اس کی مزید تحقیق کرنا بے سود ہے - بس ان کی تفسیر کافی ہے - حضرت مجاہدؒ کی طرح حضرت سعید بن جبیر' حضرت عکرمہ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ تھے اور حضرت عطاء بن ابورباح' حضرت حسن بصری' حضرت مسروق بن اجدع' حضرت سعید بن مسیّب' حضرت ابو العالیہ' حضرت ربیع بن انس' حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک بن مزاحم وغیرہ تابعین اور ان کے بعد والوں کی تفسیریں معتبر مانی جائیں گی - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کئے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی' کسی نے اس کی نظیر سے' کسی نے اس چیز کو ہی بیان کر دیا - پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں - عقل مند کو چاہئے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے - واللہ الھادی

شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت مان لئے جائیں؟ شعبہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان سے اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں البتہ ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں - ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر - ایسی صورت میں لغت قرآن' حدیث' عام لغت عرب اور اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کیا جائے گا -

اپنی رائے اور تفسیر قرآن: ☆☆ ہاں اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود کچھ کہہ دے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے'' - ابن جریر' ترمذی' ابوداؤد میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اسے حسن کہا ہے - یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں - حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ خطا کرے گا'' (ابن جریر) ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے - امام ترمذیؒ نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے بھی کلام کیا ہے - اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ ''جو اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات کہہ دے جب بھی وہ خطا کار ہوگا'' اس لئے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور وہ چال چلا جس چال کے چلنے کا اسے حکم نہ تھا - پس اگرچہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل جائے پھر بھی وہ خطا کار ہو گا - اس لئے کہ کام کو کام کے طریقے پر اس نے نہیں کیا - اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو لیکن فیصلے کرنے بیٹھ جائے' اسے جہنمی کہا گیا ہے - یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطا کار - واللہ اعلم - دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا ہے - گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے' وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا مگر اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا - واللہ اعلم

تفسیر قرآن اور اکثر اسلاف کا رویہ: ☆☆ یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے ''مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا'' - آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَفَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا' یہ روایت منقطع ہے - ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر اسی

آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں فَاکِهَةً کو تو ہم جانتے ہیں لیکن وہ کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑو؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے- آپ کے قمیض کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت وَفَاکِهَةً وَّأَبًّا کی تلاوت کی اور کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب یہ ہے کہ اُس کے معنی تو معلوم ہیں یعنی چارہ زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا واضح علم نہیں- خود اسی آیت میں موجود فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّعِنَبًا یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگائے-

ابن جریر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتا- دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے' وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا' یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے' ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے- خیال فرمایئے کہ اتنے بڑے مفسر قرآن نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا' اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا- تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہؓ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیب نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو- حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے' آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا' اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے- ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا' مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو- قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ سے قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں یعنی حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ-

یزید بن ابو یزید کہتے ہیں' ہم حضرت سعید بن مسیب سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے- آپ ان سب سے زیادہ عالم نظر آتے- لیکن قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ضرور جھجھکتے تھے جیسے حضرت سالم بن عبداللہ' قاسم بن محمد' سعید بن مسیب' نافع رحمہم اللہ وغیرہ- حضرت ہشام فرماتے ہیں' میں نے اپنے والد عروہ کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا- عبیداللہ سلمانی سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ''جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں' وہ اس دنیا کو خالی کر گئے- اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو'' - حضرت مسلم بن یسار فرماتے ہیں ''جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے'' - حضرت ابراہیم فرماتے ہیں' ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس میں سخت احتیاط کرتے تھے- شعبی فرماتے ہیں' گو میں نے قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا علم حاصل کر لیا ہے تاہم میں یہ کہتے ہوئے جھجھکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے- حضرت مسروق کا قول ہے کہ تفسیر میں بے حد احتیاط کرو- تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے- ان تمام اور ان جیسے دیگر آثار صحیحہ کا جو آئمہ سلف سے منقول ہیں' یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی و مطلب بتانے میں لب کشائی نہیں کرتے تھے- ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں- اسی لئے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں- کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہا کرتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے

تھے اور کہتے وہاں' جہاں کا علم ہوتا اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں- بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کی صورت میں بیان کرنا- قرآن فرماتا ہے لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں- حدیث شریف میں ہے' جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی- ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی ان ہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جاتے لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی لڑکے ہیں- ان کی بابت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی- حافظ ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں' یہ منکر الحدیث ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں- ایسی آیتوں کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرا دیئے جاتے تھے- امام ابو جعفر نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں' ان کا ماحاصل بھی یہی ہے اور یہی معنی درست بیٹھ سکتے ہیں- اس لئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جو عرب کے لوگ اپنی لغت سے سمجھ سکتے ہیں- اور ایسی بھی ہیں کہ جن کے معنی مطلب اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا- چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

اقسام تفسیر: ☆☆ تفسیر کی چار قسمیں ہیں ایک تو کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے' دوسری جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں- تیسری وہ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں- چوتھی وہ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا- ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے- اس کا متن یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے- حلال حرام آیتیں جن سے اگر کوئی ناواقف رہے تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا اور وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں اور وہ تفسیر جو ذی علم جان سکے- اور وہ متشابہ آیتیں جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں- جو لوگ اس کے جاننے کا دعویٰ کریں' وہ جھوٹے ہیں- اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں' وہ متروک الحدیث ہیں' ہو سکتا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو- واللہ اعلم

قرآن حکیم سے متعلق کچھ معلومات: ☆☆ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نسا' سورۂ مائدہ' سورۂ براۃ' سورۂ رعد' سورۂ نحل' سورۂ حج' سورۂ نور' سورۂ احزاب' سورۂ محمد' سورۂ فتح' سورۂ حجرات' سورۂ رحمٰن' سورۂ حدید' سورۂ مجادلہ' سورۂ حشر' سورۂ ممتحنہ' سورۂ صف' سورۂ جمعہ' سورۂ منافقون' سورۂ تغابن' سورۂ طلاق' سورۂ تحریم' سورۂ زلزال اور سورۂ نصر یہ سب سورتیں تو مدینہ شریف میں نازل ہوئیں اور باقی تمام سورتیں مکہ شریف میں نازل ہوئیں- قرآن کریم کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں- اس سے زائد پر اختلاف ہے- بعض اس سے زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں- بعض دو سو چودہ آیتیں- بعض دو سو انیس' بعض دو سو پچیس' بعض دو سو چھبیس' ابو عمر دانی نے کتاب البیان میں یہی تفصیل لکھی ہے- قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں- حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں- فضل بن عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ کل حروف تئیس ہزار پندرہ ہیں-

حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کی گنتی کر کے مجھے بتاؤ تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں- پھر حجاج نے کہا' اچھا حروف کے اعتبار سے

آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورہ کہف میں وَلْيَتَلَطَّفْ کی ''ف'' پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے اور سورہ برآءت کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور دوسری تہائی سورہ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی سات حصے قرآن کریم کے کئے جائیں تو پہلی منزل ''صد'' کی دپر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے فَمِنْهُم مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُم مَّنْ صَدَّ عَنْهُ اور دوسری منزل حَبِطَتْ کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے جو سورہ اعراف کی آیت اولئك حبطت میں ہے اور تیسری منزل اُكُلُهَا کے آخری ''ا'' پر جو سورہ رعد میں ہے اور چوتھی منزل جَعَلْنَا کے ''ا'' پر جو سورہ حج کی آیت جَعَلْنَا مَنْسَكًا میں ہے اور پانچویں منزل مُؤْمِنَةٍ کی ''ۃ'' پر جو میں آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ میں ہے اور چھٹی منزل السَّوْءِ کی ''و'' پر جو سورہ فتح کی آیت (۶) الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ میں ہے اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے- ابو محمد سلام حمانی کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں- حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا- اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورہ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورہ کہف کے لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ پر اور تین چوتھائی سورہ زمر کے خاتمہ پر اور پورا پورے قرآن پر- شیخ ابو عمر دانی نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے-

منازل تلاوت: ☆☆ رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزا تو مشہور تیس پارے ہیں اور ایک حدیث میں صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے- مسند احمد' سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ کی حیات میں صحابہؓ سے پوچھا گیا کہ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں تو فرمایا' پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل' پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل- پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل' پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل' پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور مفصل کی یعنی سورۂ ''ق'' سے لے کر آخر تک کی ایک منزل-

سورت کے لفظی معانی: ☆☆ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی و بلندی کے ہیں چنانچہ نابغہ کے ایک عربی شعر میں سورۃ کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا تعلق قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے اسی لئے شہر پناہ کو عربی میں سور کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ اور سورۃ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورۂ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ایک ٹکڑا ہوتی ہے ہمزہ کی تخفیف کر دی گئی پھر ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا- ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کے معنی تمام کمال کے ہیں- پوری اونٹنی کو عربی زبان میں سورۃ کہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لیے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے- اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے' اس کو بھی سورۃ کہتے ہیں- سورت کی جمع سور آتی ہے اور کبھی سورات اور سوارات بھی آتی ہے-

آیت کے لفظی معنی: ☆☆ آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں- چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول آخر سے جدا ہو جاتا ہے' اس لئے اسے آیت کہتے ہیں- قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے- ارشاد ہے اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت- اسی طرح نابغہ کے شعر میں بھی آیت اسی معنی میں ہے اور آیت کے معنی

جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں- عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے- چونکہ آیت میں بھی حروف کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں اور آیت کے معنی عجیب کے بھی ہیں- چونکہ یہ عجیب چیز ہے' معجزہ ہے' تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے- اس لئے بھی اسے آیت کہتے ہیں- سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ اَیَیَۃٌ تھا جیسے اَکَمَۃٌ اور شَجَرَۃٌ پہلی ''ی'' عربی قاعدہ کے مطابق الف بن گئی- کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل اٰیِیَۃٌ تھی جیسے اٰمِنَۃٌ ے الف ہوگئی اور التباس کی وجہ سے گر گئی- فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں اَیَّۃٌ تھا پھر یا کو تشدید کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا اٰیَۃٌ ہوگیا- آیت کی جمع اٰیٌ اٰیَایٌ اور ایات آتی ہے-

کلمہ کسے کہتے ہیں؟ ☆☆ کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو- کبھی تو اس کے دو ہی حرف ہوتے ہیں جیسے ما اور لا وغیرہ اور کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں- زیادہ سے زیادہ دس حرف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے لیستخلفنھم اور انلزمکموھا اور فاسقیناکموہ اور ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے والفجر اور والضحی اور والعصر اور اسی طرح الم اور طه اور یس اور حم- کوفیوں کے قول ہیں اور حم○عسق ان کے نزدیک دو کلمے ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں- ابو عمرو دانی فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے مدھا متان کے جو سورہ رحمٰن ہے اور کوئی نہیں-

فصل= قرطبی فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے ابراہیمؑ نوحؑ' لوطؑ اور اس اختلاف کے جواب میں کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ ہیں؟ تو باقلانی اور طبری نے صاف انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی عجمی لفظ ہے بھی تو بھی وہ حقیقت میں عربی ہی ہے-

تفسیر سورۃ فاتحہ

اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے- فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے والی کو- چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی گئی ہے' اس لئے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں اور اس لئے بھی کہ نمازوں میں قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے- اس کا نام اُمُّ الْكِتَاب بھی ہے- جمہور یہی کہتے ہیں- حسن اور ابن سیرین اس کے قائل نہیں- وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام ام الکتاب ہے- حسن کا قول ہے کہ محکم آیتوں کو ام الکتاب کہتے ہیں- ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' پوری سورت تک یہی سورت ام القرآن ہے اور ام الکتاب ہے اور سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے- اس سورت کا نام سورت الحمد اور سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا- جب بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی' پوری حدیث تک' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام صلوٰۃ بھی ہے' اس لئے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے' اس سورت کا نام سورت الشفاء بھی ہے- دارمی میں حضرت ابوسعید سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے اور اس کا نام سورت الرقیہ بھی ہے-

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا' وہ اچھا ہو گیا تب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے''؟ ابن عباسؓ اسے اساس القرآن کہتے تھے یعنی قرآن کی جڑ یا بنیاد اور اس سورت کی بنیاد آیت ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' ہے- سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں- اس کا نام واقیہ ہے' یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں اس کا نام کافیہ بھی ہے اس لئے کہ یہ اپنے علاوہ سب کی کفایت کرتی ہے اور دوسری سورت اس سورت کی کفایت نہیں کرتی- بعض مرسل حدیثوں میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ ام القرآن بدل ہے اس کے غیر کا مگر اس کا غیر اس کا بدل نہیں- اسے سورۃ الصلوٰۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے زمخشری کی تفسیر کشاف دیکھئے- ابن عباسؓ' قتادہ' ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابوہریرہ مجاہد' عطا بن یسار اور زہری فرماتے ہیں' یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات آیتیں دہرائی جانے والی دی ہیں- واللہ اعلم- ابواللیث سمرقندی کا ایک قول قرطبی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ شریف میں نازل ہوا اور آخری نصف حصہ مدینہ شریف میں نازل ہوا لیکن یہ قول بالکل غریب ہے- ان آیتوں کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفی نے چھ بھی کہا ہے اور یہ دونوں قول شاذ ہیں-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور مختلف اقوال اور سورۂ فاتحہ: ☆☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے- تمام کوفی قاری اور صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اور پچھلے بہت سے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کے اول کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں' بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں- جیسے کہ مدینے شریف کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں- اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی- اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں- امام بخاری کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں' ام الکتاب اس سورت کا نام اس لئے ہے کہ قرآن شریف کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی قراءت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے-'' ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن شریف کے مضامین اجمالی طور سے اس میں ہیں' اس لئے اس کا نام ام الکتاب ہے- عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزاء اسی

کے تابع ہوں' ام کہتے ہیں- دیکھئے ام الراس' اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں' ام کہتے ہیں- شاعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے- مکہ شریف کو ام القری کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ یہ سب سے پہلے اور سب کا جامع ہے زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے' چونکہ اس سے نماز کی قراءت شروع ہوتی ہے- قرآن شریف کو لکھتے وقت بھی صحابہؓ نے اسی کو پہلے لکھا اس لئے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں- اس کا ایک صحیح نام سبع مثانی بھی ہے اس لئے کہ یہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے- ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو ان شاءاللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے واللہ اعلم- مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ام القرآن کے بارے میں فرمایا' یہ ام القرآن ہے- یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے- ایک اور حدیث میں یہی ام القرآن ہے- یہی فاتحہ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے- تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الحمد لله رب العلمين کی سات آیتیں ہیں-

بسم الله الرحمن الرحيم بھی ان میں سے ایک آیت ہے' اسی کا نام سبع مثانی ہے' یہی قرآن عظیم ہے' یہی ام الکتاب ہے یہی فاتحۃ الکتاب ہے' دارقطنی میں بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دارقطنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں- بیہقی میں ہے کہ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ اس کی ساتویں آیت ہے- بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ- حضرت ابن مسعود سے کہا گیا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں ایسا کرتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا- ابوبکر بن ابوداؤد فرماتے ہیں' اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے' اس لئے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں- دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی' باقلانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث حضرت جابر سے مروی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ'' نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے- اس کی تفصیل آگے آئے گی- ان شاءاللہ-

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: ☆☆ مسند احمد میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا' میں نے کوئی جواب نہ دیا- جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا' اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضورؐ میں نماز میں تھا- آپؐ نے فرمایا' کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ '' اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں' تم جواب دو' اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے بتلا دوں گا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپؐ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا- آپ نے فرمایا سورت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے' یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا ہے- اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری شریف' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے-

واقدی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب کا بیان کیا ہے- موطا مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب کو آواز دی' وہ نماز میں مشغول تھے' فارغ ہو کر آپؐ سے ملے- فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا' اس وقت مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تجھے ایسی سورت بتاؤں کہ تورات' انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں'' - اب میں نے

اپنی چال سست کر دی اور پوچھا' حضورؐ وہ سورت کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پوری سورت تک- آپؐ نے فرمایا یہی وہ سورت ہے' سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے- اس حدیث کے آخری راوی ابوسعید ہیں- اس بنا پر ابن اثیر اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں اور وہ انہیں ابوسعید بن معلّٰی سمجھ بیٹھے ہیں- درحقیقت یہ ابو سعید خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابوسعید انصاری صحابی ہیں- ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہے- اگر ابوسعید تابعی کا حضرت ابی سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سننا ثابت ہو تو یہ حدیث شرط مسلم پر ہے- واللہ اعلم-

اس حدیث کے اور بھی بہت سے انداز بیان ہیں- ''مثلاً مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے' التفات کیا مگر جواب نہ دیا' آپؐ نے پھر پکارا' حضرت ابی نے نماز مختصر کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے السلام علیکم عرض کیا- آپؐ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟ کہا حضور میں نماز میں تھا- آپ نے وہی آیت پڑھ کر فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟ کہا حضور غلطی ہوئی اب ایسا نہ کروں گا- آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہ ہو- میں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیے- آپ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا دوں گا' پھر حضورؐ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپؐ باہر چلے جائیں- آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ کو وہ وعدہ یاد دلایا- آپؐ نے فرمایا' نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ام القرآن پڑھ کر سنائی آپؐ نے فرمایا' اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں' یہ سبع مثانی ہے- ترمذی میں مزید یہ بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے- حضرت انسؓ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے' مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے- نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے- ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں-

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا- آپ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے' میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپؐ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا- آپ گھر میں تشریف لے گئے اور میں غم و رنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا- تھوڑی دیر بعد طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ ہی میرے سلام کا جواب دیا- پھر فرمایا ''اے جابر بن عبداللہ سنو! تمام قرآن میں بہترین سورت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' آخر تک ہے''- اس کی اسناد بہت عمدہ ہے- ابن عقیل جو اس کا راوی ہے' اس کی حدیث بڑے بڑے آئمہ روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن جابر سے مراد ''عبدی صحابی'' ہیں' ابن الجوزی کا بھی یہی قول ہے- واللہ اعلم- حافظ ابن عساکر کا قول ہے کہ یہ عبداللہ بن جابر انصاری و بیاضی ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے اسحاق بن راہویہ' ابوبکر بن عربی ابن الحصار وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیتیں اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں- یہی ایک دوسری جماعت کا بھی خیال ہے کہ کلام اللہ کل کا کل فضیلت میں ایک سا ہے- ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہوتی ہے کہ دوسری آیتیں اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے- قرطبی نے اشعری اور ابوبکر باقلانی اور ابوحاتم ابن حبان بستی اور ابوحبان اور یحیٰ سے یہی نقل کیا ہے- امام مالک سے بھی یہی روایت ہے- یہ مذہب منقول ہے (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے- واللہ اعلم- مترجم)

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا حدیثوں کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں- صحیح بخاری شریف فضائل القرآن میں حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے ہوئے تھے۔ ناگہاں ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے' ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں' آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ جھاڑ پھونک بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا خدا کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے دودھ بھی بہت سارا بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا' کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم تھا؟ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے ہم نے کہا' اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو' پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضورؐ سے ذکر کیا آپؐ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ فرمایا' اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ لگانا۔ صحیح مسلم شریف اور ابوداؤد میں یہ حدیث ہے۔ مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زور دار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہا خوش ہو جائیے دو نور آپ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گے سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ایک ایک حرف پر نور ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے' پوری نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ جب امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر بھی چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف کر دیا ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے' وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حمد نی عبدی میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اثنی علی عبدی میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ پھر بندہ کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجد نی عبدی یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے' فوض الی عبدی یعنی میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا' میں دوں گا۔ پھر بندہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لئے ہے۔ نسائی میں یہ روایت ہے۔ بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابوزرعہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔ اس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ابن جریر کی ایک روایت میں حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ میرے لئے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لئے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالئے۔ اول اس حدیث میں لفظ صلوۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے اور مراد اس سے قراۃ ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ' یعنی اپنی نماز (یعنی قراۃ) کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوۃ سے مراد قراۃ ہے اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی قراۃ کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اس سے نماز میں قراۃ کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قراۃ نماز کا اعلیٰ

رکن ہے اس لئے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قراۃ کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے کہ قراۃ کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔ یہاں مراد قرآن سے نماز ہے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراۃ کا پڑھنا ضروری ہے اور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

دوم اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے؟ یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں۔ بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ ان کی دلیل آیت فَاقْرَءُ وْامَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو اور صحیحین کی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو جو نماز جلدی جلدی پڑھ رہا تھا' فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ۔ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ' وہ کہتے ہیں کہ حضور کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کا تعین نہ کرنا بتا رہا ہے' جو کچھ قرآن پڑھ لے' کافی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور سب آئمہ کرام کا یہی قول ہے امام مالک امام شافعیؒ امام احمد ابن حنبلؒ اور ان کے سب کے سب شاگرد وغیرہ اور جمہور علماء کرام کا یہی فرمان ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے جو اللہ کے رسول نے' اللہ تعالیٰ ان پر درودو رحمت بھیجے' بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے' وہ نماز ناقص ہے' پوری نہیں۔ اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفے ﷺ نے فرمایا۔ وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کی دلیلیں بیان کر دیں (صحیح اور مطابق حدیث دوسرا قول ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعی وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حسن اور اکثر بصرہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ ابوحنیفہؒ ان کے ساتھی ثوری اور اوزاعی کہتے ہیں اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں مَا تَیَسَّرَ (سورۂ مزمل: ۲۰) کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے اور ان سب باتوں کی تفصیل کا موقعہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم (صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم) سوم مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے۔ اس کی دلیل وہ عام حدیثیں ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گذر چکیں۔ دوسرا یہ کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قراۃ واجب ہی نہیں' نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور یہ خود حضرت جابر کے قول سے مروی ہے۔ گو اس مرفوع حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں (واللہ اعلم)

تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قراۃ پڑھے ان میں تو مقتدی پر قراۃ واجب ہے لیکن جن نمازوں میں اونچی قراۃ پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں- ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے جس میں ہے کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے- اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو- سنن میں بھی یہ حدیث ہے- امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے- امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے- (صحیح اور مطابق حدیث اول قول ہے- ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو- اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی- مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں پر بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں- مسند بزار میں حدیث ہے- حضور فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ھو اللہ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ جاؤ گے-

اعوذ باللہ کی تفسیر اور اس کے احکام: ☆☆ قرآن پاک میں ہے خُذِ الْعَفْوَ الخ یعنی درگذر کرنے کی عادت رکھو- بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو- اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو- اور جگہ فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ برائی کو بھلائی سے ٹال دو- ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں- کہا کرو کہ اللہ شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور جگہ ارشاد ہوتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب والوں کا ہے جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ چاہو- یہ تین آیتیں ہیں اور اس معنی کی کوئی اور آیت نہیں- اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے اس کی دشمنی کا علاج یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو تا کہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے- اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنے ذریعہ پناہ لینی سکھائی- کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا- اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت باوا آدمؑ کے وقت سے ہے- قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا- اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنی جماعت کو اس لئے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جائیں اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریات سے دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے یاد رکھو ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے- یہی ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا- ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے- اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو- شیطان راندھے ہوئے سے ایمان دار توکل والوں پر اس کا کوئی زور نہیں- اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کریں- قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھ چکنے کے بعد اعوذ پڑھنی چاہئے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز بیان پر عمل دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ- ابو حاتم سجستانی نے اور ابن فلوفا نے حمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے- جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب العبادۃ الکامل میں بیان کیا ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن سند غریب ہے- رازی نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم نخعی داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے- قرطبی نے امام مالک کا مذہب بھی یہی

بیان کیا ہے لیکن ابن العربی اسے غریب کہتے ہیں- ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول و آخر دونوں مرتبہ اعوذ پڑھے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے تاکہ وسوسے دور ہو جائیں تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنے ''جب پڑھے'' تو یعنی ''جب پڑھنا چاہے تو'' ہو جائیں گے جیسے کہ آیت اِذَا قُمۡتُمۡ الخ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں- حدیثوں کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں-

مسند احمد کی حدیث میں ہے' جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو الله اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے- پھر سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا اله غيرك پڑھ کر تین مرتبہ لا اله الا الله پڑھتے- پھر فرماتے اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه- سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے-

امام ترمذی فرماتے ہیں' اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے- ہمز کے معنی گلا گھوٹنے کے اور نفخ کے معنی تکبر اور نفثه کے معنی شعر گوئی کے ہیں- ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ الله اکبر کبیرا تین مرتبہ الحمد لله کثیرا اور تین مرتبہ سبحان الله بکرة واصیلا پڑھتے پھر یہ پڑھتے اللهم انی اعوذ بك من الشيطان من همزه ونفخه ونفثه ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے- مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے- پھر تین مرتبہ سبحان الله وبحمده کہتے پھر اعوذ بالله آخر تک پڑھتے- مسند ابویعلی میں ہے کہ حضورؐ کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے- غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے- آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے- نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں بھی اسے روایت کیا ہے- مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے- اس کی ایک روایت میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں- یہ زیادتی والی روایت مرسل ہے اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ جو حضرت معاذ سے اسے روایت کرتے ہیں' ان کا حضرت معاذ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ معاذ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے سنا ہو- وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذؓ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ موجود تھے- صحیح بخاری' صحیح مسلم' ابوداؤد' نسائی میں بھی مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے- استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' یہاں سب کو جمع کرنے سے طول ہوگا- ان کے بیان کے لئے اذکار و وظائف' فضائل و اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں- واللہ اعلم- ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا کہا- تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبرئیل علیہ السلام محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اعوذ پڑھئے- آپ نے فرمایا استعیذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا- کہئے بسم الله الرحمن الرحیم پھر کہا اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سب سے پہلے سورت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی' یہی ہے- لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور انقطاع ہے- ہم نے اسے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ معلوم رہے- واللہ اعلم-

مسئلہ: ☆☆ جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے' واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو- عطا بن ابورباح کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے- خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں' امام رازی نے یہ قول نقل کیا ہے- ابن سیرین فرماتے

ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عطاء کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں فاستعذ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کا اس پر ہمیشگی کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے اور اس سے شیطان کا شر دُور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے۔ وجوب کا طریقہ یہ بھی ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا حضورؐ پر واجب تھا' آپ کی امت پر واجب نہیں۔ امام مالکؒ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں اعوذ نہ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے۔

مسئلہ: ☆☆ امام شافعیؒ ''املا'' میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں اور ''ام'' میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں اعوذ پڑھنے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لینا امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو کافی ہے لیکن بعض کہتے ہیں اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ان اللہ ھو السمیع العلیم پڑھے۔ ثوری اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے۔ بعض کہتے ہیں استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے تاکہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے اور ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل ہو جائے جو پہلے گذر چکی۔ لیکن جو صحیح حدیثیں پہلے گذر چکیں وہی اتباع میں اولیٰ ہیں۔ واللہ اعلم۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک تو تلاوت کے لئے ہے اور ابو یوسف کے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ تو مقتدی کو بھی پڑھ لینا چاہئے اگرچہ وہ قرأت نہیں پڑھے گا اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہئے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں کل کہہ کر پھر اعوذ پڑھے پھر قرأت پڑھے۔ اعوذ میں عجیب و غریب فوائد ہیں۔ واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن پاک کی ان تین آیتوں میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور جگہ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ الخ' یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ رب کی وکالت (ذمہ داری) کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھایا۔ یہ یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے' وہ شہید ہے لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ راندۂ درگاہ ہے۔ جس پر کفار غالب آ جائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آ جائے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا' اس لئے قرآنی تعلیم ہوئی کہ تم اس کے شر سے اس کی یاد کے ذریعہ پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل: ☆☆ آعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرآ تا ہے ''عیاذہ'' کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں اور ''لیاذہ'' کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبّی کا شعر ہے۔

یا من الوذ بہ فی ما او ملہ　　و من اعوذ بہ مما احاذرہ

لا یجبر الناس عظما انت کاسرہ　　و لا یھینون عظما انت جابرہ

اے وہ پاک ذات جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار تمام برائیوں سے میں اس کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں' جسے وہ توڑے' اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے' اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ

پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں اور جن کاموں سے مجھ کو منع کیا گیا ہے' ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بد افعال سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتلائی اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتلائی کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اس لئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جا سکے نہ وہ بھلائی اور سلوک کے سبب اپنی شرارت سے باز آئے۔ اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تینوں پہلی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ ''سورۂ اعراف'' میں ہے خُذِ الْعَفْوَ الخ اور سورۂ ''مومنون'' میں ہے اِدْ فَعْ بِالَّتِیْ الخ اور سورۂ حم سجدہ میں ہے وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ الخ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے۔ اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے' اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شاط کے معنی یہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے۔ عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں کہے گئے ہیں۔ امیہ بن ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ شطن سے مشتق ہے جو دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطان کام کرے تو عرب کہتے ہیں تشیطن فلان یہ نہیں کہتے کہ تشیط فلان اس سے ثابت ہوتا ہے یہ لفظ شاط سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں' جو جن و انس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن و انس کئے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے کہ حضورؐ نے انہیں فرمایا' اے ابوذر! جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو۔ میں نے کہا کیا انسان میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں۔ صحیح مسلم شریف میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔ میں نے کہا حضور سرخ زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز و خرام سے چلتا ہے حضرت عمرؓ اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے' آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ لائے' میرے نفس میں تکبر آنے لگا' چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔

رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ محروم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ الخ ہم نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے اور لازمی عذاب ان کے لئے ہے جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگ جاتا ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے زینت دی اور اسے ہر راندے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چرا لے جائے' اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔ اسی طرح کی اور آیتیں بھی ہیں۔ رجیم کے ایک معنے راجم کے بھی کئے گئے ہیں۔ چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں سے اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے' اس لئے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔ اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر سنئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے ○

کیا بسم اللہ قرآن کریم کی مستقل آیت ہے؟ ☆☆ صحابہؓ نے اللہ کی کتاب کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں خود مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ ہر سورت کی آیت کا جزو ہے یا صرف سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے؟ اور خود آیت نہیں ہے؟ علماء سلف اور متاخرین کا ان آرا میں اختلاف چلا آتا ہے۔ ان کی تفصیل اپنی جگہ پر موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک آپ پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نازل نہیں ہوتی تھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ ایک مرسل حدیث میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم حضرت عطا' حضرت طاؤس' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مکحول اور حضرت زہری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے سوائے سورۂ برات کے۔ ان صحابہ اور تابعین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے البتہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰهِ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن کسی اور سورۃ کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر سورت کے اول کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے۔ سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابوبکر رازیؒ نے ابوحسن کرخیؒ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے بڑے پایہ کے ساتھی تھے۔ یہ تو تھی بحث بِسۡمِ اللّٰهِ کے سورۂ فاتحہ کی آیت ہونے یا نہ ہونے کی۔ (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن پاک میں یہ آیت شریفہ ہے وہاں مستقل آیت ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

بسم اللہ با آواز بلند یا دبی آواز سے؟ ☆☆ اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے با آواز بلند پڑھنا چاہئے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں' وہ بھی اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے۔ ان میں اختلاف ہے۔ شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ صحابہؓ تابعین اور مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے اماموں کی جماعتوں کا یہی مذہب ہے۔ صحابہؓ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' ابن عباس' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں بیہقیؒ ابن عبدالبرؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی روایت کیا اور امام خطیب

بغدادیؒ نے چاروں خلیفوں سے بھی روایت کیا لیکن بسند غریب بیان کیا ہے۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عکرمہ، حضرت ابوقلابہ، حضرت زہری، حضرت علی بن حسن، ان کے لڑکے محمد، سعید بن مسیب، عطا طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل ابن سیرین کے مولیٰ زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ارزق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابوشعثا مکحول، عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمہم اللہ سب کے سب ان نمازوں میں جن میں قرات اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۂ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہئے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا' میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اس حدیث کو دارقطنی، خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں' یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا انداز قرأت: ☆☆ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرات کس طرح تھی۔ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ لمبا کر کے پڑھتے تھے' پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ پر مد کیا۔ الرحمٰن پر مد کیا۔ الرحیم پر مد کیا۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی جیسے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پھر ٹھہر کر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ پھر ٹھہر کر الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پھر ٹھہر کر مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر اصحابؓ وہاں موجود تھے' انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اتنی ہی احادیث و آثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس کے خلاف آثار' روایات' ان کی سندیں' ان کی تعلیل' ان کا ضعف اور ان کی تقاریر وغیرہ' ان کا دوسرے مقام پر ذکر اور ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھنا چاہئے۔ خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن معقل' تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہی ثابت ہے۔ ابوحنیفہؒ' ثوریؒ' احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ سرے سے بسم اللہ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں ہے' حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں' میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی' یہ سب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ تو قرات کے شروع میں نہ اس قرات کے آخر میں۔ سنن میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ ہے دلیل ان ائمہ کے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے فالحمدہ

للہ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں۔ بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دونوں جائز ہیں گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے زوردار ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم)

فصل بسم اللہ کی فضیلت کا بیان: ☆☆ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔ ابن مردویہ میں بھی یہی روایت ہے۔ ابن مردویہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا تو اس نے کہا' لکھئے بسم اللہ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا' میں نہیں جانتا۔ آپؑ نے فرمایا ''ب'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ''بہا'' یعنی بلندی ہے اور ''س'' سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور ''م'' سے مراد اس کی مملکت یعنی بادشاہی ہے اور اللہ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور رحمٰن کہتے ہیں' دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو' ''رحیم'' کہتے ہیں آخرت میں کرم و رحم کرنے والے کو۔ ابن جریر میں بھی یہی روایت ہے لیکن سند کی رو سے یہ بے حد غریب ہے۔ ممکن ہے کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں سے ہو۔ مرفوع حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو کسی اور نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے نہیں اتری۔ وہ آیت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جب یہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اتری' بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہو گئیں۔ سمندر ٹھہر گیا۔ جانوروں نے کان لگا لئے۔ شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے گا' اس میں ضرور برکت ہو گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے' وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے' اس کے بھی انیس حروف ہیں۔ ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کی تائید ایک اور حدیث بھی ہے' جس میں آپؐ نے فرمایا' میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے۔ یہ حضور نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ پڑھا تھا۔ اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے۔ اسی طرح بسم اللہ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپؐ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے' ان کا بیان ہے کہ حضور کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا' شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے نقل کیا ہے اور صحابی کا نام اسامہ بن عمیر بتایا ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ بسم اللہ کہہ کہ بسم اللہ کی برکت سے شیطان ذلیل ہو گا۔ اسی لئے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے' وہ بے برکتا ہوتا ہے۔

پاخانہ میں جانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ وضو کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہ' سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ''جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے' اس کا وضو نہیں ہوتا''۔ یہ

حدیث حسن ہے۔ بعض علماء تو وضو کے وقت آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔ بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے یاد آنے کے وقت اور بعضوں نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ ''جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور خدا کوئی اولاد بخشے تو اس کے اپنے اور اس کی اولاد کے سانسوں کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی'' لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے 'میں نے تو یہ کہیں معتبر کتاب میں نہیں پائی۔ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابوسلمہؓ سے فرمایا (جو آپ کی پرورش میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے اگلے خاوند سے تھے) کہ بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو''۔ بعض علماء اس وقت بھی بسم اللہ کا کہنا واجب بتلاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا یعنی اے خدا ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔'' فرماتے ہیں کہ اگر اس جماع سے حمل ٹھہر جائے تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ کی ''ب'' کا تعلق کس سے ہے۔ نحویوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں ہی تقریباً ہم خیال ہیں۔ بعض اسم کہتے ہیں اور بعض فعل۔ ہر ایک کی دلیل قرآن سے ملتی ہے جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ بسم اللہ ابتدائی یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسٰهَا الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل مقدر بتاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر جیسے کہ اِبْدَأْ بِسْمِ اللّٰهِ اور اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰهِ ان کی دلیل آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ دراصل دونوں ہی صحیح ہیں' اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے۔ تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا ہے۔ کھڑا ہونا ہو' بیٹھنا ہو' کھانا ہو' پینا ہو' قران کا پڑھنا ہو' وضو اور نماز وغیرہ ہو' ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے' امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اے محمد کہئے اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پھر کہا' کہئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا' بیٹھنا' پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔''

بے معنی بحث: ☆☆ اسم یعنی نام ہی مسمّٰی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور۔ اس میں اہل علم کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمّٰی ہے۔ ابوعبیدہ کا اور سیبویہ کا بھی یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن نورک کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن خطیب رازی اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں۔ حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں' اسم نفس مسمّٰی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے ہمارے نزدیک اسم مسمّٰی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسمّٰی کا غیر ہے اور اگر اسم سے مراد ذات مسمّٰی ہے تو یہ وضاحت کو ظاہر کرتا ہے جو محض بیکار ہے۔ ثابت ہوا کہ اس بیکار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اسم اور مسمّٰی کے فرق پر اپنے دلائل لائے ہیں' ان کا کہنا ہے محض اسم ہوتا ہے مسمّٰی ہوتا ہی نہیں جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسمّٰی اور چیز ہے یعنی

نام الگ ہے۔اور نام والا الگ ہے اور دلیل سنئے' کہتے ہیں اسم تو لفظ ہے دوسرا عرض ہے۔ مسمٰی کبھی ممکن یا واجب ذات ہوتی ہے۔اور سنئے اگر اسم ہی کو مسمٰی مانا جائے تو چاہئے کہ آگ کا نام لیتے ہی حرارت محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک۔ جبکہ کوئی عقل منداس کی تصدیق نہیں کرتا۔اور دلیل سنئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کے بہت سے بہترین نام ہیں' تم ان ناموں سے اسے پکارو۔حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو خیال کیجئے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسمٰی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔اسی طرح اسماء کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا' اور جگہ فرمانا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسمٰی اور۔ کیونکہ اضافت کا مقتضا مغائرت ہے۔اسی طرح یہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وظله الاسماء الحسنٰی یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔اب ان کے دلائل بھی سنئے جو اسم اور مسمٰی کو ایک ہی بتاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔تو نام برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی عظمتوں والا ہے۔ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینت پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی جس کا نام زینت ہے ہو جاتی ہے۔اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی' نام والے پر کیسے پڑ جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینت ہے۔تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بنا پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔رازی کا قول یہی ہے' یہ سب کچھ تو لفظ ''باسم'' کے متعلق تھا۔اب لفظ ''اللہ'' کے متعلق سنئے۔اللہ خاص نام ہے رب تبارک وتعالیٰ کا۔کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے اس لئے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ ہی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے' جو رحم کرنے والا مہربان ہے۔وہی اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' جو بادشاہ ہے' پاک ہے' سلامتی والا ہے' امن دینے والا ہے' محافظ ہے' غلبہ والا ہے' زبردست ہے' بڑائی والا ہے' وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے' وہی اللہ پیدا کرنے والا' مادہ کو بنانے والا' صورت بخشنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین پاکیزہ نام ہیں۔آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔ان آیتوں میں تمام نام صفاتی ہیں۔نام اور لفظ اللہ ہی کی صفت ہیں یعنی اصلی نام اللہ ہے۔دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہیں پاکیزہ اور عمدہ عمدہ نام۔ اللہ نے اپنے تمام (صفاتی) نام خود تجویز فرمائے ہیں: ☆☆ پس تم اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔اور فرماتا ہے اللہ کو پکارو۔یا رحمٰن کو پکارو' جس نام سے پکارو' اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں' بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ایک کم ایک سو' جو انہیں یاد کرلے جنتی ہے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے اور دونوں کی روایتوں میں الفاظ کی کچھ تبدیلی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں۔ایک ہزار تو قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار توراۃ میں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ کے مترادف المعنی کوئی نام نہیں! ☆☆ اللہ ہی وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے۔اس کا باب کیا ہے بلکہ ایک بہت بڑی نحویوں کی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔قرطبیؒ نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے' جن میں حضرت امام شافعیؒ امام خطابیؒ' امام

الحرمینؒ امام غزالیؒ بھی شامل ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ یا اللہ اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ ''یا'' داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا الف لام والے اسم پر داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا لفظ لام والے اسم میں داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ بن لجاج کا ایک شعر دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر تَالَهَ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع اَلَهَ یَاَلَهُ' اَلْهَةً اور تَاَلُّهًا ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ وَیَذَرُكَ اَلْهَتَكَ پڑھتے تھے۔ مراد اس سے عبادت ہے۔ یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں۔ بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔ سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں یہ اِلٰهٌ تھا جیسے فِعَالٌ پھر ہمزہ کے بدلے الف و لام لایا گیا جیسے ''اَلنَّاس'' کہ اس کی اصل ''اُنَاسٌ'' ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل اَلِاٰہ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ کسائی اور فرا کہتے ہیں کہ اس کی اصل الالہ تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا جیسے کہ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰه رَبِّیْ میں لٰكِنْ اَنَا کا لٰكِنَّا ہوا ہے چنانچہ حسن کی قرأت میں لٰكِنْ اَنَا ہی ہے اور اس کا اشتقاق وَلِهَ سے ہے اور اس کے معنی تحیر ہیں وَلَهٌ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے' اس لئے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر اصل میں یہ لفظ وِلَاهٌ تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ وِشَاحٌ اور وِسَادَةٌ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ اِلهتُ اِلٰی فُلَان سے مشتق ہے جو کہ معنی میں ''سَكَنْتُ'' کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکون اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے' اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ الخ یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لَاهَ یَلُوْهُ سے ماخوذ ہے' جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلِهَ الْفَصِیْلُ سے ہے چونکہ بندے اسی کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں' اس لئے اسے اللہ کہا گیا' ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب اَلِهَ الرَّجُلُ یَاْلَهُ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے۔ چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے' اس لئے اس کو اللہ کہتے ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ہے وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا (وهو منعم) حقیقی منعم وہی ہے۔ فرماتا ہے تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ وہی مطعم ہے۔ فرمایا' وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے۔ فرماتا ہے' ہر چیز کا وجود اللہ کی طرف سے ہے۔ رازیؒ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل' سیبویہ اکثر اصولیوں اور فقہا کا بھی قول ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں۔ اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور بہت سی اس کی صفتیں آتی ہیں جیسے رحمٰن' رحیم' مالک' قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں' قرآن میں ایک جگہ عَزِیْزُ الْحَمِیْدُ لِلّٰهِ الخ جو آتا ہے' وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی یہ بھی ہے هَلْ تَعْلَمُ

لَهٗ سَمِيًّا یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ لیکن یہ غور طلب ہے واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازیؒ نے اس قول کو ضعیف کہا ہے اور فی الواقع ضعیف ہے بھی۔ رازیؒ فرماتے ہیں کہ "مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو معرفت خداوندی کے کنارے پر پہنچ گئے۔ دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں۔ جو حیرت کے اندھیروں میں اور جہالت کی پرخار وادیوں میں پڑے ہیں۔ وہ تو عقل کو رو بیٹھے اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں' جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھہرے' جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں' وہ بھی یہاں تک پہنچ کر حیران و ششدر رہ گئے ہیں۔

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ و حیران ہے"۔ ان معانی کی بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج' اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ خلیل کا قول ہے' عرب کے محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو "لاہ" کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں لَاهَتِ الشَّمْسُ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند و بالا ہے' اس کو بھی اللہ کہتے ہیں اور الہ کے معنی عبادت کرنے اور تالہ کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور رب عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں' اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباس کی قرات میں ہے وَيَذَرَكَ وَالِهَتَكَ اس کی اصل الالہ ہے پس صرف کلمہ کی جگہ جو ہمزہ ہے وہ حذف کیا گیا۔ پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے ملا دیا گیا پھر ایک کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا تو ایک لام مشدد رہ گیا اور تعظیماً اللہ کہا گیا۔ یہ تو تفسیر لفظ "اللہ" کی تھی۔

الرحمٰن اور الرحیم کے معنی: ☆☆ الرحمٰن الرحیم کا بیان آئے گا۔ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے الرحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریرؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی ان معنوں سے متفق ہیں گویا اس پر اتفاق ہے بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ان معنوں پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی پہلے گذر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا حالانکہ قرآن میں بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابو اسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے۔ اور رحمٰن عبرانی ہے۔ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے لیکن ابو اسحٰق فرماتے ہیں "اس قول کو دل نہیں مانتا"۔ قرطبی فرماتے ہیں "اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو کاٹ دوں گا۔

اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا' یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ "رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں اور جیسے نَدْمَانٌ اور نَدِيْمٌ"۔ ابو عبید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فَعْلَانٌ فَعِيْلٌ کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل صرف فاعل اور صرف مفعول کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے۔ فرمایا ہے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا مومنوں کے ساتھ رحیم ہے"۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "یہ دونوں رحمت و رحم والے ہیں' ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے"۔

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں لفظ ارق ہے۔ اس کے معنی خطابی وغیرہ ارفق کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ رفق یعنی نرمی اور مہربانی والا ہے۔ وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں پر نرمی اور آسانی کرنے والے کو وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی کرنے والے پر عطا نہیں فرماتا''۔ ابن المبارک فرماتے ہیں' رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے' عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے' وہ غضبناک ہو''۔ ترمذی کی حدیث میں ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے''۔ بعض شاعروں کا قول ہے۔

الله يغضب ان تركت سواله وبني ادم حين يسئال يغضب

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزامی فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیتوں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی میں استوی کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تا کہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے لیکن حدیث کی ایک دعا میں يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا بھی آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا نام نہیں۔ جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو۔ جس نام سے چاہو اسے پکارو۔ اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ یعنی ان سے پوچھ لو۔ تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے' کیا انہوں نے رحمٰن کے سوا کسی کو معبود کہا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے۔ جب مسیلمہ کذاب نے بڑھ چڑھ کر دعوے شروع کئے اور اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا' وہ جھوٹ اور کذب کی علامت مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور شہری ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے' زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ اس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں' سب سے پہلے اس کی صفت رحمٰن بیان کی گئی اور یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرما دیا کہ اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو' جس نام سے چاہو پکارو' اس کے لئے اسماء حسنیٰ بہت سارے ہیں۔ مسیلمہ نے بدترین جرأت کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی کسی کے دل میں نہ آئی۔ رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔ فرماتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ الخ اس آیت میں اپنے نبی کو رحیم کہا' اسی طرح اپنے بعض ایسے ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے وابستہ کیا ہے جیسے آیت اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی ہم معنی ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا جیسے اللہ اور رحمٰن' خالق اور رزاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی۔ اس لئے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ قاعدہ ہے کہ اول سب سے زیادہ بزرگ نام لیا جاتا ہے اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام لیا گیا پھر اس سے کم۔ پھر اس سے کم۔ اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ موجود ہے پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطا خراسانی کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن کا نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا' اس لئے رحیم کا لفظ بھی ساتھ لگایا گیا تا کہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔

رحمٰن ورحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے۔ابن جریر نے تاہم اس قول کی تصدیق کی ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ نازل فرما کران کی تردید کی۔حدیبیہ والے سال جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوتو کفار نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کونہیں جانتے۔بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن یمامہ کو جانتے ہیں۔کسی اور رحمٰن کونہیں جانتے۔اسی طرح قرآن پاک میں ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ الخ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کروتو وہ حیران زدہ ہوکر جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔درحقیقت یہ بدکارلوگ صرف عناد، تکبر، سرکشی اور دشمنی کی بنا پر رحمٰن سے انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔اس لئے کہ جاہلیت کے زمانے کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن موجود ہے جو انہی کے سلامہ اور دوسرے شعراء کے اشعار میں ملاحظہ ہو۔تفسیر ابن جریر میں ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔وہ اللہ رفیق اور رقیق ہے جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے۔اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔حسنؒ فرماتے ہیں، رحمٰن کا نام دوسروں کے لئے منع ہے۔خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے لوگ اس نام پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ام سلمہؓ والی حدیث، جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ٹھہرا کرتے تھے، پہلے گذر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ کو آیت قرار دے کر آیت الحمد کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔جمہور کا بھی یہی قول ہے۔کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم کے زیر سے پڑھتے ہیں، ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں جیسے الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ بن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ختم ہوئی۔اب آگے سنئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ O

الحمد للہ کی تفسیر: ☆☆(آیت:۱) ساتوں قاری اَلْحَمْدُ کو دال پر پیش سے پڑھتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو مبتدا خبر مانتے ہیں۔ سفیانؒ بن عیینہ اور روبہ بن عجاج کا قول ہے کہ دال پر زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے۔ابن ابی عبلہؒ اَلْحَمْدُ کی دال کو اور للہ کے پہلے لام دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں اگرچہ اس کی شہادت عربی زبان میں ملتی ہے مگر اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے، شاذ ہے۔حسنؒ اور زید بن علی ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ابن جریرؒ فرماتے ہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں، خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔اس وجہ سے کہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے، اس مالک کے سوا اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا، اسی کی طرف سے ہیں۔اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے تمام جسمانی نعمتیں ہمیں بخشیں۔پھر بے شمار دنیاوی نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں بن مانگے بخشیں۔اس کی ہمیشگی والی نعمتیں، اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت کو ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھا دیا۔پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول وآخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد وشکر کے لائق ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ ثنا کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا خود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں یہ فرما دیا ہے کہ تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ بعض نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثنا کرتا ہے۔ اور اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ کہنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ عربی زبان کو جاننے والے علماء کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادقؒ ابن عطا صوفی بھی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے۔ قرطبیؒ نے ابن جریر کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ شُکْرًا کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریر کے اس دعویٰ میں اختلاف ہے' پچھلے علماء میں مشہور ہے کہ حمد کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو' خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازم صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل' زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو' وہ عام طور پہ شکر کے معنوں میں آتا ہے اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے۔ شہ سواری اور کرم دونوں پر حَمِدْتُہٗ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے وہ صرف زبان سے ادا ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ خاص اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول' فعل اور نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ شہ سواری کے حصول پر شَکَرْتُہٗ نہیں کہہ سکتے البتہ شَکَرْتُہٗ عَلٰی کَرَمِہٖ وَ اِحْسَانِہٖ اِلَیَّ کہہ سکتے ہیں۔ یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا ماحصل۔ واللہ اعلم۔

ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری کہتے ہیں' حمد مقابل ہے ذم کے' لہٰذا یوں کہتے ہیں ''حَمِدْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدُہٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَۃً فَھُوَ حَمِیْدٌ وَّمَحْمُوْدٌ'' تحمید میں حمد سے زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو۔ عربی زبان میں شَکَرْتُہٗ اور شَکَرْتُ لَہٗ دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لئے کہ زندہ مردہ بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں کھانے اور مکان کی اور ایسی اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے۔ احسان سے پہلے' احسان کے بعد' لازم صفتوں پر' متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا۔ واللہ اعلم۔

حمد کی تفسیر اقوال سلف سے: ☆☆ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا کیا مطلب؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرما لیا ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ کو بھلا لگتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ کلمہ شکر ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں' ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبارؒ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ لو گے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کر لو گے۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا۔ اسودؓ بن سریعؓ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں' اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ فرمایا' اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔ (مسند احمد و نسائی)

ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا

اللّٰہُ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے- امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہوگی۔ فرماتے ہیں' اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا دے دے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہوگا۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی توفیق دینا ہے اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ الخ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا یَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِىْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ تو فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کی کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے' اسے کس طرح لکھیں' پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے' فرمایا تم یونہی اسے لکھ لو۔ میں آپ اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دے دوں گا۔

قرطبیؒ ایک جماعت علماء سے نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ افضل ہے کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں اور علماء کا خیال ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ افضل ہے اس لئے کہ ایمان و کفر میں یہی فرق کرتا ہے' اسی کے کہلوانے کے لئے کفار سے لڑائیاں کی جاتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو کچھ میں نے اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کہا ہے' ان میں سب سے افضل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ افضل ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام ترقسمیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے۔ تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ رب کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لئے تبدیلیاں کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور ان سب معانی کے اعتبار سے ذات باری کے لئے یہ خوب جچتا ہے۔ رب کا لفظ بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے پر نہیں کہا جا سکتا ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے جیسے رَبُّ الدَّارِ یعنی گھر والا وغیرہ۔ بعض کا تو قول ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔

عالمین سے مراد: ☆☆ عَالَمِيْنَ جمع ہے عَالَم کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق' خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانے' ایک' ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد کل مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ علی ہذا القیاس۔ ان سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ' مجاہدؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی غیر معتبر سند سے یہی منقول ہے۔ اس قول کی دلیل قرآن کی آیت لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا بھی لی جاتی ہے یعنی تاکہ وہ عالمین یعنی جن اور انس کے لئے ڈرانے والا ہو جائے۔ فرا اور ابو عبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے لہٰذا انسان' جنات' فرشتے' شیاطین کو عالم کہا جائے گا۔ جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلمؒ ابو محیصن فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں' ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں۔ ابن مروان بن حکم عرف جعد جن کا لقب حمار تھا جو بنوامیہ میں سے اپنے زمانے کے خلیفہ تھے' کہتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ مخلوق کو ان کا علم نہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں انسان کل ایک عالم ہیں سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں، ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قول بالکل غریب ہے اور ایسی باتیں جب تک کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہوں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔

جمیریؒ کہتے ہیں ایک ہزار امتیں ہیں، چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں۔ سعید بن میتب سے یہ بھی مروی ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ تلاش کرنے کے باوجود پتہ نہ چلا۔ آپ غمگین ہوگئے، یمن، شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المومنین کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں، ان میں سے سب سے پہلے جو امت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہوں گی۔ بس ان کی ہلاکت کے بعد پے درپے اور سب امتیں ہلاک ہوجائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن میتب رحمہ اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں، اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ دنیا کی ساری کی ساری مخلوق ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں۔ ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاج کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ سب عالم ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ یہ تمام عالمین پر مشتمل لفظ ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں زمینوں اور دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب۔ عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے جیسے کہ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

فَیَا عَجَبًا کَیْفَ یُعْصَی الْاِلٰهُ   اَمْ کَیْفَ یَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ   تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کس طرح اس سے انکار کیا جاتا ہے حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلْحَمْدُ کے بعد اب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر سنئے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ○

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان! ☆☆ (آیت:۲) اس کی تفسیر پہلے پوری گذر چکی ہے۔ اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے وصف کے بعد الرحمٰن الرحیم کا وصف ترہیب یعنی ڈراوے کے بعد ترغیب یعنی امید ہے جیسے فرمایا نَبِّیْٔ عِبَادِیْ الخ یعنی میرے بندوں کو خبر دو کہ میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں اور فرمایا تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور مہربان اور بخشش بھی کرنے والا ہے۔ رب کے لفظ میں ڈراوا ہے اور رحمٰن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم شریف میں بروایت

حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اگر ایماندار اللہ کے غضب وغصہ سے اور اس کے سخت عذابوں سے پورا واقف ہوتا تو اس کے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ○

حقیقی وارث و مالک کون ہے؟ ☆☆ (آیت:۳) بعض قاریوں نے مَلِكِ پڑھا ہے اور باقی سب نے مٰلِكِ وردونوں قراتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں میں سے ہیں اور مالک کے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ۔ اور مَلِيْكِ اور مَلِكِيْ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلے کی دونوں قراتیں معانی کی رو ترجیح ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی بھی۔ زمخشری نے مَلِكِ کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ حرمین والوں کی یہ قرأت ہے۔ اور قرآن میں بھی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے مَلِكِ پڑھا اس بنا پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے لیکن یہ شاذ اور بے حد غریب ہے۔ ابو بکر بن داؤدؒ نے اس بارے میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تینوں خلفاءؓ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے مَلِكِ پڑھا۔ میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرات کی صحت کا علم تھا۔ راوی حدیث ابن شہاب کو علم نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے کئی سندوں سے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ مالک پڑھتے تھے۔ مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ الخ یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹا کر لائے جائیں گے۔

اور فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔ اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ یعنی آج ملک کس کا ہے' صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔ اور فرمایا قَوْلُهُ الْحَقُّ الخ اسی کا فرمان ہے اور اسی کا سب ملک ہے۔ اور فرمایا آج ملک رحمٰن ہی کا ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے۔ اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے' اس لئے کہ پہلے اپنا وصف رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہونا بیان کر چکا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں شامل ہیں۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے زبان تک نہ ہلا سکے گا۔ جیسے فرمایا جس دن روح القدس اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے' سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی اور گنگناہٹ کے سوا کچھ نہ سنائی دے گا۔ اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے کوئی شخص نہ بول سکے گا۔ بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض سعادت مند۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس دن ان کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی بادشاہ نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ يَوْمِ الدِّيْنِ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام بھلے' برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہاں اگر رب کسی برائی سے درگذر کر لے یہ اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہؓ تابعینؒ اور سلف صالحینؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

قیامت قائم کرنے پر قادر ہے۔ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بظاہران دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں' ہر ایک قول کا قائل دوسرے کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ہاں پہلا قول مطلب پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔جیسے کہ فرمان ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الخ اور دوسرا قول اس آیت کے مشابہ ہے جیسا کہ فرمایا وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی جس دن کہے گا''ہو'' جا' بس اسی وقت ہو جائے گا واللہ اعلم۔

حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الخ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بدترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جو شہنشاہ کہلائے۔حقیقی بادشاہ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' پھر فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں۔کہاں گئے زمین کے بادشاہ' کہاں ہیں تکبر والے۔قرآن عظیم میں ہے' کس کی ہے آج بادشاہی؟ فقط اللہ اکیلے' غلبہ والے کی۔اور کسی کو ملک کہہ دینا یہ صرف مجازاً ہے جیسے کہ قرآن میں طالوت کو ملک کہا گیا اور وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ کا لفظ آیا اور بخاری و مسلم میں ملوک کا لفظ آیا ہے اور قران کی آیت میں اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی تم میں انبیاء کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا' آیا ہے۔دین کے معنی بدلے' جزا اور حساب کے ہیں۔جیسے قرآن پاک میں ہے' اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے۔اور جگہ اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ کیا ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ حدیث میں ہے' دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود حساب لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے۔جیسے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو۔اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو خود وزن کر لو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔جیسے خود رب عالم نے فرمادیا' جس دن تم پیش کئے جاؤ گے' کوئی چھپی ڈھکی بات چھپے گی نہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں ○

عبادت کا مفہوم: ☆☆ (آیت:۴) ساتوں قاریوں اور جمہور نے اسے ''اِيَّاكَ'' پڑھا ہے۔عمرو بن فائدؒ نے اِيَاكَ پڑھا ہے۔لیکن یہ قراۃ شاذ اور مردود ہے اس لئے کہ ''اِيَا'' کے معنی سورج کی روشنی کے ہیں اور بعضوں نے اِيَاكَ پڑھا ہے اور بعضوں نے اياك پڑھا بعض نے هَيَّاكَ پڑھا ہے۔عرب شاعروں کے شعر میں بھی هَيَّاكَ ہے۔ نَسْتَعِيْنُ کی یہی قرات تمام کی ہے۔سوائے یحییٰ بن وہاب اور ہے اور اعمش کے۔یہ دونوں پہلے نون کو زیر سے پڑھتے ہیں۔قبیلہ بنو اسد' ربیعہ' بنت تمیم کی لغت اسی طرح پر ہے۔لغت میں عبادت کہتے ہیں ذلت اور پستی کو۔طریق معبد اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔اسی طرح بغیر معبد اس اونٹ کو کہتے ہیں جو بہت دبا اور جھکا ہوا ہو اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت' خشوع' خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔لفظ اِيَّاكَ کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تاکہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کریں گے اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور نہ کریں گے۔کامل اطاعت اور پورے دین کا حل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہے۔آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کے کمال کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کی سپردگی ہے۔اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔جیسے فرمایا فَاعْبُدْهُ

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو' تمہارا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ الخ کہہ دے کہ وہی رحمان ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اور اسی پر ہم نے توکل کیا۔ فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی مشرق مغرب کا رب وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔ یہی مضمون اس آیہ کریمہ میں ہے۔ اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا ہے جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کی تو قرب خداوندی میں حاضر ہو گیا۔ اللہ جل وجلالہ کے حضور میں پہنچ گیا۔ اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ الٰہی ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثناء آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی "ثناء" انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ اسی لئے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے۔ جیسے کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان (نصف نصف) بانٹ لیا ہے' اس کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی' جب کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ فرماتا ہے' میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ فرماتا ہے' میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

عبادت اور طلب: ☆☆ جب وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے' اس کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ سے ہی ڈرتے ہیں اور تیری اسی ذات سے امید رکھتے ہیں۔ تیرے سوا کسی اور کی نہ ہم عبادت کریں' نہ ڈریں نہ امید رکھیں۔ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو' اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو مقدم کیا جاتا ہے اور اس سے کمتر کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لئے ہے تو اس مقام پر نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ جماعت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مومن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لئے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہا یعنی اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر

عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہہ چاہے ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ اِیَّاكَ عَبَدْنَا میں نہیں۔ اس لئے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہئے ویسی ثناوصفت بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ کسی شاعر کا قول ہے (ترجمہ) کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا نام عبد یعنی غلام ان ہی جگہوں پر لیا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جیسے قرآن نازل کرنا' نماز میں کھڑے ہونا' معراج کرانا وغیرہ۔ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الخ فرمایا وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ الخ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ الخ ساتھ ہی قرآن پاک نے یہ تعلیم دی کہ اے نبیؐ جس وقت تمہارا دل مخالفین کے جھٹلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ فرمان ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کی کل اصلاح کے کاموں کا متولی خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی یہ دونوں دلیلیں بھی بودی اور لاحاصل ہیں۔ افسوس رازیؒ نے نہ تو اس کو ضعیف کہا' نہ اسے رد کیا۔ بعض صوفیوں کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لئے۔ وہ کہتے ہیں یہ کوئی فائدے کی بات نہیں اس لئے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لئے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفتوں سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لئے عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لئے نمازی کی نیت نہ نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور میں نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ حضرت معاذؓ جیسا میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۶﴾

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ○

حصول مقصد کا بہترین طریقہ: ☆☆ (آیت: ۵) جمہور نے صِرَاطَ پڑھا ہے۔ بعض نے سِرَاطَ کہا ہے اور زے کی بھی ایک قرأۃ ہے۔ فرا کہتے ہیں' بنی عذرہ اور بنی کلب کی قرأۃ یہی ہے چونکہ پہلے ثناوصفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے۔ جیسے کہ پہلے حدیث میں گذر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندے کے لئے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ خیال کیجئے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف وتوصیف کی۔ پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف انداز ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالینے کے لئے تیر بہدف ہے۔ اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔ کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا

تھا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ پروردگار جو بھلائیاں تو میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے۔ میں ظالموں میں سے ہوں۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے لیکن تیری پاکیزگی بیان کر دینا' تیری حمد و ثنا کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔ کبھی تو ہدایت بنفسہ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے۔ تو معنی اَلْهِمْنَا وَفِّقْنَا اَرْزُقْنَا اور اَعْطِنَا یعنی ہمیں عطا فرمائے ہوں گے۔ اور جگہ ہے وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے' بھلائی اور برائی دونوں کے اور کبھی ہدایت ''الی'' کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے فرمایا اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور فرمایا فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ یہاں ''ہدایت'' ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔ صراط مستقیم کے معنی سنئے۔ امام ابوجعفر ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ بھی آتا ہے۔ سلف اور متاخرین مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ اور رسولؐ کی اتباع اور تابعداری ہے۔

صراط مستقیم کیا ہے؟ ☆☆ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریرؒ نے بھی روایت کی ہے۔ فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی' حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مسند احمد' ترمذی۔ حضرت علیؓ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد ﷺ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہئے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین قیم کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ فرماتے ہیں' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ صراط مستقیم کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں' ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے جو کہتا ہے کہ اے لوگو تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ۔ ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں کو نہ دیکھو نہ ان پر جاؤ۔ اور اس راستے سے گزرنے والا جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو ایک پکارنے والا کہتا ہے' خبردار اسے نہ

کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جاؤ گے اور صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا زندہ ضمیر ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم' ابن جریر' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اس کی اسناد حسن صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد حق ہے۔ ان کا قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور مذکورہ اقوال کا کوئی مخالف نہیں۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے آپ کے دونوں خلیفہؓ ہیں۔ ابوالعالیہؒ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء صدیقؓ وفاروقؓ کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اسلام کا تابع ہے اور اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ لہذا صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ فالحمدللہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اولیٰ یہ ہے کہ ہم کو توفیق دی جائے اس کی جو اللہ کی مرضی کی ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو۔ صراط مستقیم یہی ہے اس لئے کہ جس شخص کو اس کی توفیق مل جائے جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا' جو نبی' صدیق' شہید اور صالح لوگ تھے' انہوں نے اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی' کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھا' اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالائے' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق مل جائے گی تو یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے' پھر نماز اور غیر نماز میں ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کی طلب ہے۔ اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محتاج ہے۔ وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ دن رات اپنے اللہ کا محتاج ہے۔ اسی لئے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ بھلا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنالے۔ وہ اللہ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کے سامنے اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا وہ ضامن ہے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ الخ اے ایمان والو! اللہ پر' اس کے رسولوں پر اس کی اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں' سب پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا اور ہدایت والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت کی طلب کرنے کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمرار ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو بھی نہیں سکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایماندار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ

اَنْتَ الْوَهَّابُ الخ یعنی اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' تو بہت بڑا دینے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ یہ بھی وارد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز مغرب کی تیسری رکعت سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ○

انعام یافتہ کون؟ ☆☆ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر خداوند کریم فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت صراط مستقیم کی تفسیر ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم۔ اور جن پر اللہ کا انعام ہوا' ان کا بیان سورۂ نساء میں آ چکا ہے۔ فرمان ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی اللہ اور اس رسول کے کہے پر عمل کرنے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے۔ جو نبی' اور صدیق' شہید' صالح لوگ ہیں' یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ربانی ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ تو مجھے ان فرشتوں' نبیوں' صدیقوں' شہیدوں' اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت وعبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ کی طرح ہے۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں' اس سے مراد انبیاءؑ ہیں۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں' مومن ہیں۔ وکیعؒ کہتے ہیں مسلمان۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ مراد ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے۔ واللہ اعلم۔

جمہور کی قرات میں غیر رے کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری کہتے ہیں' رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطابؓ کی قرأت یہی ہے اور ابن کثیرؒ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے عَلَيْهِمْ میں جو ضمیر ہے' وہ اس کا ذوالحال ہے اور اَنْعَمْتَ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ جل شانہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ رسولؐ کے اطاعت گذار' اس کے حکموں پر عمل کرنے والے' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک رہنے والے تھے۔

مغضوب کون؟ ☆☆ (آیت:۶) ان کی راہ سے بچا' جن پر غضب وغصہ کیا گیا' جن کے ارادے فاسد ہو گئے' حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچا لے جو سرے سے علم نہیں رکھتے' مارے مارے پھرتے ہیں' راہ سے بھٹکے ہوئے حیران وسرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جاتے کو دوبارہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لئے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں۔ ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غَيْرِ کا لفظ یہاں پر استثناء کے لئے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثناء ہونا تو درست ہے مگر یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے۔ لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے' یہ بہت اچھی ہے عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ سے مراد غَيْرِ الصِّرَاطِ الْمَغْضُوْبِ ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر

سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں وَلَا الضَّآلِّیۡنَ میں لَا زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَالضَّآلِّیۡنَ اور اس کی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَغَیۡرِ الضَّآلِّیۡنَ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لانفی کی تاکید کے لئے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ پر عطف ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں عمل نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں۔ اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لئے کہ علم کے باوجود عمل کو غضب کا چھوڑنا سبب ہے اور نصرانی گو ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیۡهِ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند اور لوگوں کو گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا' میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں' آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم۔ آپؐ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علیؓ تھے۔ آپؐ نے فرمایا' لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضورؐ کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا' آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپؐ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا' عدی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ سے مراد یہود ہیں اور الضَّآلِّیۡنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدیؓ کے سوال پر حضورؐ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور سے یہی سوال کیا آپ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام عبداللہ ابن عمرؓ ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ابوذرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابیوں سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ ابن ابی حاتم تو فرماتے ہیں کہ مفسرین میں اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گذری۔ دوسری سورۂ بقرہ کی یہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ الخ اس آیت میں کہ اس پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ الخ میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ اور جگہ فرمان الٰہی ہے لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا' ان پر لعنت کی گئی۔ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی یہ بوجہ ان کی نافرمانی اور حد سے گذر جانے کے ہے' یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جبکہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ پالو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لئے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں۔ پھر اسے کیسے قبول کرلیں؟ پھر نصرانیوں سے ملے' انہوں نے کہا جب تک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی کا حصہ نہ لیں تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آسکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ اس لئے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہی نے ان کی رہبری کی اور یہ حضورؐ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی' اس کی تصدیق کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسئلہ : ☆☆ ضاد اور ظے کی قرأت میں بہت باریک فرق ہے اور ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے' ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کا اول کنارہ اور اس کے پاس کی داڑھیں اور ظے کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجہورہ اور رخوہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنی مشکل معلوم ہو' اسے معاف ہے کہ ضاد کو ظے کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں ضاد کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا ہوں لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لا پتہ ہے۔

الحمد کا تعارف و مفہوم : ☆☆ یہ مبارک سورت نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد' اس کی بزرگی' اس کی ثناوصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں۔ اس کی طرف تضرع وزاری کریں' اپنی مسکینی اور بے کسی اور بے بسی کا اقرار کریں اور اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اور اس کی توحید الوہیت کا اقرار کریں۔ اسے شریک' نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم اور اس پر ثابت قدمی اس سے طلب کریں تاکہ یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتارے اور نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تاکہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوا پیدا ہو تاکہ قیامت کے دن بھی یہ باطل پرست یہود و نصاریٰ کی جماعت سے دور ہی رہیں۔

اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور اَنْعَمْتَ کہا گیا لیکن غضب کی اسناد اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔ یہاں فاعل حذف کر دیا اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا گیا۔ اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے۔ دراصل حقیقی

فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے اور جگہ ہے غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں حالانکہ اور جگہ ہے مَنۡ یَّھۡدِ اللّٰہُ فَھُوَ الۡمُھۡتَدِ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ الخ یعنی اللہ جسے راہ دکھائے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کا رہنما کوئی نہیں۔ اور جگہ فرمایا مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ الخ یعنی جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا گمراہ کرنے والا صرف سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

قدریہ فرقہ جو ادھر ادھر کی متشابہ آیتوں کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں۔ وہ خود پسند کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیتیں ان کے رد میں موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ حضورؐ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت شریف کی طرف ہے فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ الخ یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں۔ فتنوں اور تاویل کو ڈھونڈنے کے لئے الحمد للہ بدعتیوں کے لئے قرآن پاک میں صحیح دلیل کوئی نہیں۔ قرآن کریم تو حق و باطل، ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کے لئے آیا ہے اس میں تناقص اور اختلاف نہیں۔ یہ تو حکم وحمید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

آمین اور سورۂ فاتحہ: ☆☆ سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین مثل یاسین کے ہے اور آمین بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں، میں نے سنا رسول اللہ ﷺ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کہہ کر آمین کہتے تھے اور آواز دراز کرتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے آواز بلند کرتے تھے۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ کے قریب ہوتے، سن لیتے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے اور دار قطنی بتاتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے۔ مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجئے (ابوداؤد) حسن بصریؒ اور جعفر صادقؒ سے آمین کہنا مروی ہے جیسے کہ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قرآن میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں، جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہئے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خود اکیلا ہو خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو، ہر حالت میں آمین کہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے، تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے مل جاتی ہے تو اس کے تمام پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا اخلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کہے تو آمین کہو، اللہ قبول فرمائے گا۔

ابن عباسؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا، آمین کے کیا معنی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ تو کر۔ جوہریؒ کہتے ہیں، اس کے معنی ''اسی طرح ہو'' ہیں۔ ترمذی کہتے ہیں، اس کے معنی ہیں کہ ہماری امیدوں کو نہ توڑ۔ اکثر علماء فرماتے ہیں، اس کے معنی ''اے اللہ تو ہماری دعا قبول

فرما'' کے ہیں۔ مجاہدؒ جعفر صادق ہلال بن سیافؒ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ امام مالکؒ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے' مقتدی آمین کہے کیونکہ موطا مالک کی حدیث میں ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابوموسیٰ اشعریؒ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن بخاری ومسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔

''آمین'' باآواز بلند: ☆☆ جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے' اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی ہو تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی باآواز بلند نہ کہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی مروی ہے اس لئے کہ نماز کے اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ صرف بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا بھی۔ دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے۔ اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ہمارے یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین نہ کہیں اس لئے کہ وہ امام کی قرأت سنتے ہیں اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تاکہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے' ان میں اونچی آواز سے آمین کہنی چاہئے۔ خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو خواہ منفرد۔ مترجم)۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ کو اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے' دوسرے قبلہ' تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔ ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی چڑ ہے' اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا جس قدر حسد یہودی آمین پر کرتے ہیں اس قدر حسد اور امر پر نہیں کرتے۔ تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔ اس کی اسناد میں طلحہ بن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا' آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔ حضرت انسؓ والی حدیث میں ہے کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ الخ ہے' یعنی الٰہی تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا کی زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکار ہے ہیں۔ اللہ ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر' یہ نہ ایمان لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' یہ ایمان نہ لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا الخ یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔ دعا صرف حضرت موسیٰؑ کرتے تھے اور حضرت ہارون صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔

اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے وہ گویا خود وہ دعا کر رہا ہے۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرأت نہ کرے اس لئے کہ اس کا سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا پڑھنے کے قائم مقام ہے اور اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو اس کے امام کی قرأت اس کی قرأت ہے (مسند احمد) حضرت بلالؓ کہا کرتے تھے کہ حضورؐ آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جہری نمازوں میں الحمد کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ کر آمین کہتا ہے آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آمین نہ کہنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کرے غالب آئے۔ مال غنیمت جمع کرے اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام قرعہ نکلے ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے ''یہ کیوں''؟ تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔

تفسير سورة البقره

اس مبارک سورت کے فضائل کا بیان: ☆☆ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی (۸۰) فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے نازل ہوئی اور اس سورت میں شامل کی گئی''۔ سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو'' (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہے؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں اس کا نام ابو عثمان آیا ہے یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن پاک کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت ''آیت الکرسی'' ہے۔ مسند احمد صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحیٰی بن معینؒ تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن امام احمدؒ وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ اسے نسائیؒ نے عمل الیوم و اللیلہ میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۂ بقرہ نہ پڑھے۔ سنو! جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے امام نسائیؒ نے عمل الیوم و اللیلہ میں بھی اسے وارد کیا ہے مسند دارمی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۂ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا ماحصل ہوتا ہے اور قرآن کا ماحصل مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں اس کے بعد کی اور تین آیتیں سب سے آخر کی یہ سب دس آیتیں رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جا سکتا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیتیں مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے' قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھے' تین راتوں تک شیطان اس گھر میں نہیں جا سکتا اور دن کو اگر گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔'' (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ نے انہیں دی جنہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے سورۂ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا' میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا' قرآن سیکھو' قرآن پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے' پڑھتا ہے' پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا ہے۔ (امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے) واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی' ان کا گھوڑا جو ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا' اس نے اچھلنا' کودنا اور بدکنا شروع کیا۔ آپ نے قرأت چھوڑ دی۔ گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ آپؓ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا۔ آپ نے پھر پڑھنا موقوف کیا' گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے یحییٰ' گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے' اس لئے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے' قرآن کا پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضورؐ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے اور فرماتے جاتے ہیں پھر ''اسید پڑھتے چلے جاؤ'' حضرت اسید نے کہا حضور تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے۔ بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے۔ اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا' کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا' ساری رات حضرت ثابت کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگاتا رہا۔ حضورؐ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہوگی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ''سچ ہے۔ رات کو میں سورۂ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا''۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی فضیلت: ☆☆ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''سورۂ بقرہ سیکھو' اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے' جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے'' پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو' یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں' اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی' قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب

دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا' ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں' اب اس کے رہنے کے لئے سلطنت داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور ہمیشہ کے فائدے اس کے بائیں ہاتھ میں' اس کے سر پر وقار وعزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے سامنے ہیچ ہوگی' وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم وکرم اور اس انعام واکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآن حفظ کرنے کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا' پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا' چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا خواہ ترتیل سے پڑھے یا بے ترتیل۔

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر' ابن ماجہ سے امام مسلمؒ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمد اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب حدیثیں لاتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں' اس کی بعض احادیث سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ ہے کہ اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابن عدی کا قول ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں' یہ قوی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت کے بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کرو' یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دونورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا یہ دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا ''سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اس کی طاقت باطل والوں کو نہیں'' صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے ''قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔ بادل کی طرح یا سائے اور سائبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح' یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی''۔ مسلم اور ترمذیؒ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے' وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعبؓ سے عرض کی کہ مجھے بتائیے' وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعبؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا' اگر میں بتادوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھلایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند وبالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آرہی ہیں کہ کیا تم میں کوئی سورۂ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی سورۂ آل عمران کا پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ''ہاں'' تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک جاتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قران پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا۔ پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا۔ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورہ آل عمران اور سورۂ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ

کے بعد سورۂ ال عمران چلی گئی۔ پھر ایک جمعہ گذرا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورۂ بقرہ بھی اس سے الگ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر اس کے گناہوں کی زیادتی کے سبب ان کی سفارش نہ چلی۔ یزید بن اسود جرشیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر میں نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزیدؒ اپنے معمولی وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو صبح شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات پڑھتا رہے گا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات لمبی سورتوں کی فضیلت: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھ کو سات لمبی سورتیں توریت کی جگہ دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو سو آیتوں والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام مجھ کو دو سو سے کم آیتوں والی سورتیں دی گئی ہیں اور پھر مجھے فضیلت میں خصوصاً سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابو بشیر کے بارہ میں اختلاف ہے۔ ابو عبید نے اسے دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۂ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب میں چھوٹی عمر کے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر تو وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورتیں ہیں' سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء' سورۂ مائدہ' سورۂ انعام' سورۂ اعراف اور سورۂ یونس۔ حضرت مجاہد' مکحول' عطیہ بن قیس' ابو محمد فارسی' شداد بن اوس' یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

مقام نزول: ☆☆ سورۂ بقرہ ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع جو سورتیں نازل ہوئیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ یہ سب سے آخر نازل شدہ بتلائی جاتی ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن اسی میں ہے۔ اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیتیں بھی آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار حکم ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے' اس کی آیتیں دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں۔ اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے ○

ابن عباس فرماتے ہیں' یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بلا اختلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے' وہ سورت جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی سب سورتوں کے نام لیا کرو۔ لیکن یہ حدیث

غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسولؐ ہونا ہی صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوسلمہ خواص ضعیف ہیں۔ ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں طرف۔ اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۂ بقرہ اتری ہے۔ گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ سورۂ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنئے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں یا اصحاب سورۂ بقرہ کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ غزوۂ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے انہیں درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۂ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ ان میں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہؓ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا' اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنفیہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگا گئے تو صحابہؓ نے اسی طرح لوگوں کو پکارا' یا اصحاب سورۃ البقرہ' اے سورۂ بقرہ والو! اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے سب صحابہ سے خوش ہو۔

حروف مقطعات اور ان کے معنی: ☆☆ (آیت:۱) الٓمّٓ جیسے حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آئے ہیں' ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبیؒ نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ہی نقل کیا ہے عامر' شعبی' سفیان ثوری' ربیع بن خیثم رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو حاتم بن حبانؒ کو بھی اسی سے اتفاق ہے۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں' یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں' اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہؒ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں الٓمّٓ اور حٰمٓ اور الٓمّٓصٓ اور صٓ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الٓمّٓ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہ اور حضرت زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے اور شاید اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن زید اسلم فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام الٓمّٓصٓ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۂ الٓمّٓصٓ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعب سالم بن عبداللہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے اور روایت میں ہے کہ حم' طس اور الم یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' یہ قسم ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی اِنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ ہیں' یعنی میں ہی ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے' ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہؓ سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ تین حرف الف اور لام اور میم انتیس حرفوں میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے

ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعجب کرنے پر کہا گیا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے۔ ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد الاء یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے۔ لام سے تیس سال اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریرؒ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی' سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ اور اس کی صفتوں کی طرف اور مدت وغیرہ کی طرف بھی ہو۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے لفظ اُمَّة کہ اس کے ایک معنی ہیں' دین' جیسے قرآن میں ہے اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآئَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں۔ اللہ کا اطاعت گذار بندہ جیسے فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا یعنی ہم نے ہر جماعت میں کوئی رسول یقیناً بھیجا۔ چوتھے معنی ہیں مدت اور زمانہ' فرمان ہے وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہوئے' اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعہ کے بھی کئی معنی ہوں۔ امام ابن جریر کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابو العالیہؒ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ' ایک ہی جگہ' ان سب معنی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آئے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہوتے ہیں جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب کو ایک ہی جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے۔ واللہ اعلم۔ دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے معنی ہی بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں' ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے جو دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو' نہ تو مقدر ماننے سے' نہ ضمیر دینے سے' نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ کسی اور اعتبار سے۔ ایسی بات علمی طور پر تو نہیں سمجھی جا سکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں اختلاف ہے۔ اجماع نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے' مطلب یہ ہے کہ قتل پورا نہ کہے۔ بلکہ صرف اق کہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں مثلاً قٓ' صٓ' حٰمٓ' طٰسٓمٓ' الٓرٰ وغیرہ یہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر دیئے' باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا اب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دیئے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حروف آئے ہیں ا ل م ص ر ك ه ی ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نَصٌّ

حَکِیۡمٌ قَاطِعٌ لَّہٗ سِرٌّ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف اٹھائیس ہیں۔ اس لئے یہ آدھے ہوئے۔ بقیہ جن حروف کا ذکر نہیں کیا گیا' یہ حروف ان سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حروف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آ گئیں یعنی مہموسہ مجہورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ۔ ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے یہ یقینی بات ہے کہ خدا کا کلام لغو' بیہودہ' بیکار' بے معنی الفاظ سے پاک ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔ اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضورؐ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا اور علماء کا اس میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ ہے کہ ان حروف کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوئے۔ دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتداء معلوم ہو جائے لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے۔ جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں' کیا ان کی ابتداء انتہا معلوم نہیں؟

پھر سورتوں سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ امام ابن جریر نے اس کی حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے' اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تاکہ جب ان کا دھیان کان لگ جائے تو باقاعدہ تلاوت شروع ہو' لیکن یہ وجہ بھی بودی ہے اس لئے اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتدا انہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب بھی مشرکین سے کلام شروع ہو یہی حروف چاہئیں۔ نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورۂ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ آل عمران یہ تو مدینہ شریف میں نازل ہوتی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں۔ پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجود یہ کہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرد اور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت کچھ تائید کی ہے۔ شیخ امام علامہ ابوالعباس حضرت ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ اور حافظ مجتہد ابوالحاج مزی نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے۔ جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک حرف آیا ہے جیسے صٓ نٓ قٓ' کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے حٰمٓ' کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے الٓمٓ' کہیں چار آئے ہیں جیسے الٓمٓرٰ اور الٓمٓصٓ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ اس لئے کہ کلمات عرب کے کل کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حروف کے' پانچ حرف سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں' وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی اور بڑائی بیان ہو چنانچہ ایسا ہی انتیس سورتوں میں یہ واقعہ ہوا ہے۔

سنئے فرمان ہے الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے اللہ جل شانہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں اور جگہ فرمایا الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو زندہ اور دوائم والا ہے' جس نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب تھوڑی تھوڑی نازل فرمائی ہے۔ وہ پہلے کی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ فرمایا الٓمّٓصٓ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ الخ یہ کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی تاکہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔

ارشاد ہوتا ہے الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فرماتا ہے حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بخششوں اور مہربانیوں والے اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے حٰمٓ عٓسٓقٓ كَذٰلِكَ یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ الخ یعنی اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب' حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔ اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بہ غور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام پاک کی عظمت وعزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے لئے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں' لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتلائے گئے ہیں لیکن یہ قول بھی بالکل ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اول تو وہ ضعیف ہے' دوسرے اس حدیث سے اس قول کی پختگی تو ایک طرف' اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق بن یسارؒ نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپؐ اس وقت سورۂ بقرہ کی شروع آیت الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ الخ تلاوت فرما رہے تھے' وہ اسے سن کر اپنے بھائی حی بن اخطب کے پاس آیا اور کہا میں نے آج حضورؐ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں' میں نے خود سنا ہے۔ حی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضورؐ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے حضورؐ کیا یہ سچ ہے کہ آپؐ اس آیت کو پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''ہاں سچ ہے'' اس نے کہا سنئے۔ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے' کسی کو بھی نہیں بتلایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ کو بتلا دیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا' سنو الف کا عدد ہوا ایک' لام؟ کے تیس' میم کے چالیس' کل اکہتر ہوئے۔ کیا تم اس نبی کی تابعداری کرنا چاہتے ہو جس کے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو پھر حضورؐ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں المٓصٓ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے۔ الف کا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس' صواد کے نوے' یہ سب ایک سو اکسٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں ''الٓر'' کہنے لگا' یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک' لام کے تیس اور رے کے دوسو۔ جملہ دوسو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں المرٰ ہے۔ کہا یہ تو بہت ہی بھاری ہے الف کا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس اور رے کے دوسو' سب مل کر دوسو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو گیا اور بات خلط ملط ہو گئی۔ لوگو اٹھو۔ ابو یاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا۔ کیا عجب کہ ان سب حروف مجموعہ کی مدت حضرت محمد ﷺ کو ملا ہو' اکہتر ایک' ایک سو اکسٹھ ایک' دوسو اکتیس ایک' دوسو اکہتر ایک' یہ سب مل کر سات سو چونتیس برس ہوئے۔ انہوں نے کہا' اب کام خلط ملط ہو گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الخ یعنی وہی اللہ جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیتیں ہیں۔ جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں مشابہت والی بھی ہیں۔ اس حدیث کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور جس حدیث کا یہ اکیلا راوی ہو محدثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا' ان کے عدد بہت ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں' اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تو بہت ہی بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾

اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں' پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○

تحقیقات کتاب: ☆☆ (آیت:۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ذٰلِكَ معنی میں ''هٰذَا'' کے ہیں۔ مجاہد' عکرمہ' سعید' جبیہ سدی' مقاتل بن حباب' زید بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ابوعبیدہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں وہ لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''یہ'' یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زمخشری کہتے ہیں' اس سے اشارہ الم کی طرف ہے جیسے اس آیت میں ہے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِكَ یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یہ ہی ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف' کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس قول ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے' انہوں نے انتہائی بھول بھلیوں کا راستہ اختیار کیا' بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلاوجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ رَیْبَ کے معنی ہیں شک وشبہ۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور کئی ایک صحابہؓ سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابودرداء' ابن عباسؓ' مجاہد سعید بن جبیر' ابو مالک نافع جو ابن عمر کے مولا ہیں۔ عطا' ابوالعالیہ' ربیع بن انس' مقاتل بن حیان' سدی' قتادہ' اسمٰعیل بن ابوخالد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں' مفسرین میں اس میں اختلاف نہیں۔ رَیْبَ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورۂ سجدہ میں ہے الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی بیشک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔ بعض قاری لَا رَیْبَ پر وقف کرتے ہیں اور فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن لَا رَیْبَ فِیْهِ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورۂ سجدہ کی آیت میں موجود ہے اور اس میں بہ نسبت فِیْهِ هُدًى کے زیادہ مبالغہ ہے۔ ھدی نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بنا پر منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا جیسے دوسری جگہ فرمایا قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ الخ یعنی یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے ایمان والوں کے لئے اور بے ایمانوں کے

کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور سے پکارتے ہیں اور فرمایا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔اسی مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفاء آچکی جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

متقین کی تعریف: ☆☆ متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں۔ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں"متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔حضرت اعمش حضرت ابوبکر بن عیاش سے سوال کرتے ہیں"متقی کون ہے؟ آپ یہی جواب دیتے ہیں۔پھر میں نے کہا"ذرا حضرت کلبی سے بھی تو دریافت کرلو!" وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں۔اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔قتادہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الخ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بندہ حقیقی متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہوجائے۔امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جبکہ لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ابو عفیف نے پوچھا حضرت متقی کون لوگ ہیں؟ آپؓ نے فرمایا جو لوگ شرک سے بت پرستی سے بچیں اور اللہ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہوجانے کے آتے ہیں۔ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔فرماتا ہے مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔فرمایا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کردینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔اور فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔۔۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰهُمۡ تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَیۡنٰهُمۡ الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ فرماتا ہے وَهَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصلی معنی بری چیزوں سے بچنے کے ہیں۔ اصل میں یہ "وقوی" ہے۔ وقایت سے ماخوذ ہے' نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے' ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

خَلِّ الذُّنُوۡبَ صَغِیۡرَهَا وَ كَبِیۡرَهَا ذَاكَ التُّقٰی
وَاصۡنَعۡ كَمَاشٍ فَوۡقَ اَرۡضِ الشَّوۡكِ یَحۡذَرُ مَا یَرٰی
لَا تَحۡقِرَنَّ صَغِیۡرَةً اِنَّ الۡجِبَالَ مِنَ الۡحِصٰی

یعنی چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔ دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔ ابو درداءؓ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کا پورا ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ سے تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے' وہ اللہ کا ڈر ہے۔ اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے' وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے' اسے بجا لائے اور اگر قسم دے دے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کی تعریف: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں' یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے' دل سے' عمل سے' غیب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے اصولوں پر ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ میں کہتا ہوں' لغت

میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے' وہ اعتقاد' قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابوعبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فالحمدللہ۔

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر' خوف کے بھی کئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے۔ حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا جو بندے ذی علم ہیں' صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں' وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایماندار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسولؐ ہے' اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بالغیب حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالی کہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کا لفظ جو یہاں ہے' اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر' فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' قیامت پر' جنت دوزخ پر' ملاقات اللہ پر' مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قتادہ ابن دعامہؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ' وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے' وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ عطا ابن ابورباحؒ فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابو خالدؒ فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں۔ زید بن اسلمؒ کہتے ہیں' مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہؓ کے فضائل بیان ہو رہے ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں' حضورؐ کے دیکھنے والوں کو تو آپؐ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن خدا کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے الٓمّٓ سے لے کر مُفْلِحُوْنَ تک آیتیں پڑھیں (ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔ مستدرک۔ حاکم) امام حاکمؒ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔

مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے ابو جمعہ صحابیؓ سے ابن محیریزؒ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے حضورؐ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا' یارسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ پر اسلام لائے۔ آپؐ

کے ساتھ جہاد کیا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے' جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں پہچانے کو ساتھ چلے' جب الگ ہونے لگے تو فرمایا' تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے۔

سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے' ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے' ضرور سناؤ۔ کہا سنو' ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' ہم دس آدمی تھے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپؐ نے فرمایا' تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسولؐ تم میں موجود ہے' وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے' اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے' یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہوں گے۔ اس حدیث میں ''وجادہ'' کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے۔ بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا' تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے' انہوں نے کہا' فرشتے۔ فرمایا' وہ ایمان کیوں نہ لائیں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ لوگوں نے پھر کہا' انبیاء' فرمایا' وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے' صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے' اس پر ایمان لائیں گے' اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازیؒ انہیں منکر الحدیث بتلاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابویعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا' دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب حضور کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں ۝

قیام صلوٰۃ کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۳) ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجا لانا۔ رکوع' سجدہ' تلاوت' خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں' وقتوں کا خیال رکھنا' وضو اچھی طرح کرنا' رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتل کہتے ہیں' وقت کی نگہبانی کرنا۔ مکمل طہارت کرنا' رکوع سجدہ پورا کرنا' تلاوت اچھی طرح کرنا۔ التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ ابن عباسؓ

فرماتے ہیں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ خرچ میں قربانی دینا جو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورۂ برات میں ہیں' ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو' دیتے رہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں' یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ زکوٰۃ میں اہل وعیال کا خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دینا بھی شامل ہے' اس لئے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے لہذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید' اس کی ثنا' اس کی بزرگی' اس کی طرف جھکنے' اس پر توکل کرنے' اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے' جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں۔ پھر دور والے اجنبی۔ لہٰذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع' سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط صفات اور اقسام کے ساتھ بجا لائی جاتی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں' انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا ہے' یہ ماخوذ ہے صلی سے' جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا جیسے قرآن میں لَا يَصْلٰهَآ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے' اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ الخ یعنی نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں' اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

اعمال مومن: ☆☆ (آیت:۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا' ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت' جنت و دوزخ' حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت

چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی' اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں- بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی' انہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں- یعنی ایماندار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ- مجاہد ابوالعالیہؒ ربیع بن انس اور قتادہ کا یہی قول ہے- بعض نے کہا ہے یہ دونوں ہیں تو ایک مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی نہیں- ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا جیسے سَبِّحِ اسْمَ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے- تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ سے مراد اہل کتاب مومنوں کی صفتیں ہیں- سدیؒ نے حضرت ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے ان کی طرف اتاری گئی' ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں- اور جگہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی' وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور جب ان کو (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں- ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا- ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا-

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا- ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں- دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی' تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے' پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے- امام جریرؒ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں کافر اور منافق- اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں ہیں- عربی مومن اور کتابی مومن- میں کہتا ہوں ظاہراً یہ ہے کہ حضرت مجاہدؒ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی اول چار آیتیں مومنوں کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں اس کے بعد کی کافروں کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیتیں منافقوں کے حق میں ہیں- پس یہ چاروں آیتیں ہر مومن کے حق میں عام ہیں- عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے' اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے- ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا-

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور اگلے انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں- ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو- جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں' اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں- اسی لئے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ الخ یعنی ایمان والو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں' ان پر ایمان لاؤ اور فرمایا وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ برتو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے- ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے- ارشاد ہے- اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے' اس پر ایمان لاؤ' اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے- اور جگہ فرمایا- اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک توراۃ انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے- قائم نہ رکھو- دوسری جگہ تمام ایمان

والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ یعنی ہمارے رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی' ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ' پر اس کے تمام رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمان والوں کی ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضورؐ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اسی لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اس امت کے لوگ بھی اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بات کریں تو تم نہ اسے سچ کہو نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا' اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا' اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لاتے ہیں' ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے زیادہ پورا' زیادہ کمال والا' زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے' چاہے وہ اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے کے سبب دوہرا اجر پائیں لیکن یہ لوگ کمال ایمان کے سبب اجر میں ان سے بھی بڑھ جائیں۔ واللہ اعلم۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں جن کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے' وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ○

ہدایت یافتہ لوگ: ☆☆ (آیت: ۵) یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا' نماز قائم رکھنا' اللہ کے دیئے ہوئے سے دینا۔ حضورؐ پر جو اترا' اس پر ایمان لانا' آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں' ان کو ماننا' دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لئے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر ''نور'' اور ''استقامت'' سے کی ہے اور ''فلاح'' کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانا' کی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور' دلیل' ثابت قدمی' سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات' ثواب اور جنت کی ہیشگی پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے اُولٰٓئِكَ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گذر چکا۔ اس اعتبار سے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہوگی۔ لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے' اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد عرب ایمان

دار ہیں۔ اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایمان دار ہیں۔ پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے یہی مروی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ حضورؐ قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا' لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں' پھر آپؐ نے الٓمّٓ سے مُفلِحُونَ تک پڑھ کر فرمایا' یہ تو جنتی ہیں۔ صحابہ نے خوش ہو کر فرمایا' "الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہیں" پھر اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سے عَظِيمٌ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ (ابن ابی حاتم)

بدقسمت لوگ: ☆☆ (آیت:٦) یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے' نہ انہیں آپ کا ڈرانا سود مند ہے اور نہ ہی نہ ڈرانا۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپؐ پر نازل ہوئی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلے کو نہیں مانیں گے۔ یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہوگی۔ ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبیؐ! ان پر افسوس نہ کر' تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب ور ہیں۔ وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی۔ تیرا فرض ادا ہو گیا' ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرا دینے والا ہے۔ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے۔ جس کے حصے میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں' وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہیں جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں' انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے۔ تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں' وہ زیادہ واضح ہیں اور دوسری آیتوں کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے' دوبارہ نظر ڈال جایئے لَا يُؤْمِنُونَ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں دونوں حالتوں میں ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لَا يُؤْمِنُونَ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا يُؤْمِنُونَ ہے اور سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ۧ

ع ۷

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر' ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے ۝

مہر کیوں لگا دی گئی؟ ☆☆ (آیت:۷) حضرت سدیؒ فرماتے ہیں' ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا۔ وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا' ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں' نہ سن سکتے ہیں' نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں رَانَ کا لفظ ہے طَبَعَ کا لفظ ہے اور اَقْفَالَ کا لفظ ہے۔ رَانَ طَبَعَ سے کم ہے اور طبع 'اقفال سے کم ہے' اقفال سب سے زیادہ ہے۔ حضرت مجاہدؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی۔ پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں' مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے رین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ سے ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا' مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

زمخشریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بے معنی اور فضول ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر رب قدوس مہر لگا دے لیکن افسوس اس نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے' حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے' جو یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

قرطبی فرماتے ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔ فرمایا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگا دی حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو۔ الٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا' جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے' اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے' اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے۔ جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے' اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آ چکا ہے کہ مومن

جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ باز آ جائے۔ توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَانَ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر رَانَ ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی۔ نسائی۔ ابن جریر) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر خداوندی لگ جاتی ہے' جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے' اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ''ختم اللہ'' میں ہے وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے' نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے' نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے' اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے' ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت اثر کرے نہ کفر جائے سَمْعِهِمْ پر پورا وقف ہے اور عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشَاوَةً ان آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔

بعض نے یہاں غِشَاوَةً زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل جَعَلَ مقصود ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ''وَحُوْرٌ عِیْنٌ'' میں۔ شروع سورت کی چار آیتوں میں مومنین کے اوصاف بیان ہوئے۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا' اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کافر ہیں چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جاتی ہیں' اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے کیا گیا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۂ براءت اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ میں بھی کیا گیا تا کہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان کی مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ○

منافقت کی قسمیں: ☆☆ (آیت:۸-۹) دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی ظاہر کرنے اور برائی پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں' منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف' اس کا باطن ظاہر کے خلاف' اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی بہ ظاہر کافروں

کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضورؐ نے ان یہودیوں اور عرب کے بعض قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ شریف کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا' شوکت و شان اسلام ظاہر ہوئی' مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ قائم ہوا چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے سے لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف پھر گیا اور اس کی سرداری یونہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی' اسلام کی روز افزوں ترقی میں لڑائی اور کامیابی نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا' اس نے بظاہر اسلام قبول کر لینے اور باطن میں کافر رہنے کی ٹھانی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی' سب کو یہی ہدایت کی۔ اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بحمد اللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال' مال و متاع کو نام اللہ پر قربان کر کے اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر آئے تھے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیتوں میں بیان ہے۔'' ابو العالیہ' حضرت حسن' قتادہؒ' سدیؒ نے یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بدخصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورۂ منافقون میں بھی کہا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شاندار اور تاکیدی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا اور سورۂ منافقون میں فرمایا وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَـكٰذِبُوۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔ اور یہاں بھی فرمایا وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ یعنی دراصل وہ ایماندار نہیں' وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ کے ہاں چل جانے والی کاریگری خیال کرتے ہیں جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ الخ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں' یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کی وضاحت میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے

ہیں جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے۔ بعض قاریوں نے يَخْدَعُوْنَ پڑھا ہے اور بعض يُخٰدِعُوْنَ مگر دونوں قراءتوں کے معنی کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

ابن جریرؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں' وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خطرہ سے بچنا چاہتا ہے' عربی زبان میں مُخَادِع کہا جاتا ہے۔ چونکہ منافق بھی قتل' قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے' اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔ ان کا یہ فعل چاہے کسی کو دنیا میں دھوکا دے بھی دے لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی میں اپنی بھلائی اور کامیابی جانتے ہیں اور دراصل یہ سب ان کے لئے انتہائی برا عذاب اور غضب الٰہی ہو گا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہو گی پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہو گا' وہ جس کام کے انجام کو اچھا جانتے ہیں' وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہو گا۔ ان کے کفر' شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان سے ناراض ہو گا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریجؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان اور مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں' یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ' دل میں کچھ' عمل کچھ' عقیدہ کچھ' صبح کچھ اور شام کچھ' اس کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے کبھی ادھر۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○

شک وشبہ بیماری ہے: ☆☆ (آیت:۱۰) بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ اور چند صحابہؓ سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد عکرمہؒ' حسن بصریؒ ابو العالیہؒ' ربیع بن انسؒ قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور طاؤسؒ نے اس کی تفسیر سے ریا اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی اس کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مطابق ہے۔ یہ تفسیر ہی درست ہے' ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ یعنی ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے يَكْذِبُوْنَ کو يُكَذِّبُوْنَ بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں خصلتیں ان میں تھیں۔ جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا' میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں' انہیں یہ تو معلوم نہ ہو گا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے۔ ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی' جب ان میں یہ بات مشہور ہو

جائے گی کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں' ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے' ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مولفتہ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل کیے جاتے تھے' مال عطا فرمایا' کرتے تھے حالانکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ حضرت امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں جیسے محمد بن جہمؒ' قاضی اسمٰعیلؒ اور ابہریؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے بقول ابن ماجشونؒ ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں گو علماء کا تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے' آپؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا منافقین کو قتل کرنے سے رکے رہنے کا سبب ان کا اسلام کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا' گو آپ کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا جس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں کہا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں' جب وہ اسے کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کا امان پا لیں گے اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ شریف کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔ اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہو گا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہو گا لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے' گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے باآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تھے تو سہی' مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار میں ہی رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے چکر میں پڑ گئے' یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے پڑے لپٹے رہیں گے لیکن بالآخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا' وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے' جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آ چکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کیے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسولؐ کی موجودگی میں ان کی شرارتیں چل نہیں سکتی تھیں' مسلمانوں کو باری تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ کر لیتا تھا لیکن حضورؐ کے بعد اگر خدانخواستہ ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل وہ بے دینی اور زندیقیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندیق کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ہی پر مرے تو اس کے قتل سے پہلے توبہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی مرتبہ ہوا۔ تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر ہی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانا اور رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پالینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں' نہ کہ تفسیریں۔

چودہ شخصوں کے نفاق کا تو آپ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بدباطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضورؐ کے ساتھ دغابازی کریں۔ آپؐ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضورؐ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں

تو آپ کی اونٹنی کو بدکا دیں اور بھڑک کر بھاگے گی تو حضور گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کا علم عطا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتلا دیئے۔ پھر بھی آپ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ کو علم نہ تھا چنانچہ قرآن کہتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ الخ یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں، تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں اور دوسری جگہ فرمایا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ اگر چہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی، جہاں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہے؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں، یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کی دبی بچی زبان سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور کے سامنے گواہی بھی دی تھی باوجود اس کے جب وہ مر گیا تو حضور نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس کے دفن میں شرکت کی۔[1] ٹھیک اسی طرح اور مسلمان صحابیوں کے ساتھ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں[2] اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا' کرنے اور نہ کرنے کا۔ تو میں نے استغفار کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا"۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار رہو یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں ○

سینہ زور چور: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور نبی ﷺ کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے' ان کا فساد کفر اور معصیت خداوندی تھی بمطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا' زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت و اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' ان

منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا' اسے کرتے تھے' فرائض ربانی ضائع کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک وشبہ کرتے تھے' اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں مارتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے' موقع پا کر اللہ کے دشمنوں کی امداد واعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چلن کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح کل کے حامی جانتے تھے۔

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں' اگر تم (بھی) ایسا نہ کرو گے یعنی آپس میں دوستی نہ کرو گے تو اس زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے اور جگہ فرمایا۔ ''اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر کھلی حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے؟ پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں سے حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ وہ ایمان داروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات اور کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں' پس بانی فساد یہ منافقین ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر پورے مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پا لیتے' باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھٹ کہہ اٹھتے کہ ہم تو صلح کن ہیں۔ ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔ ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے ''ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی نری جہالت ہے' جسے یہ صلح سمجھتے ہیں' وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں؟ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ○

خود فریبی کے شکار لوگ: ☆☆ (آیت:۱۳) مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہؓ کی طرح اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے' موت کے بعد جی اٹھنے' جنت دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے' اللہ اور رسول کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجا لانے اور برائیوں سے رکے رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ فرقہ ایسے ایمان والوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے۔ ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ ربیعؒ' انسؒ' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سُفَهَآءَ سَفِيْهٌ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی۔ جاہل' کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ الخ بیوقوفوں کو

اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں- عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں سفھاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں- ان منافقین کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکیداً حصر کے ساتھ فرمایا کہ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے - نہ اپنی جہالت وضلالت کو سمجھ سکتے ہیں' اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھاپن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں- ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ○

فریب زدہ لوگ: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) مطلب یہ ہے کہ یہ بدباطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی ایمان دوستی اور خیرخواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال وجان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے- اور جب اپنے ہم مشربوں میں ہوتے ہیں تو ان ہی کی سی کہنے لگتے ہیں- خَلَوْا کے معنی یہاں ہیں اِنْصَرَفُوْا ذَهَبُوْا خَلَصُوْا اور مَضَوْا یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں پس خلو جو کہ الیٰ کے ساتھ متعدی ہے' اس کے معنی لوٹ جانے کے ہیں- فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے- بعض کہتے ہیں اِلٰی معنی میں مع کے مترادف ہے مگر اول ہی ٹھیک ہے اور ابن جریرؒ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے- شیاطین سے مراد رؤساء بڑے اور سردار ہیں جیسے علمائے یہود اور سرداران کفار قریش ومنافقین-

حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی- شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے- مجاہدؒ کہتے ہیں' شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق- قتادہؒ فرماتے ہیں- اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے- ابوالعالیہؒ' سدیؒ' ربیع بن انسؒ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں' جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے-'' قرآن میں شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ آیا ہے-

حدیث شریف میں ہے کہ'' ہم جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں-'' ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یا رسول اللہ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا- ہاں جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہیں'' ہم تمہارے ساتھ ہیں'' یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں اور اپنوں سے کہتے ہیں کہ ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں- حضرت ابن عباسؓ' ربیع بن انس اور قتادہ کی یہی تفسیر ہے- اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے دے گا- جیسے دوسری جگہ ہے کہ قیامت کے روز منافق مرد وعورت ایمان والوں سے کہیں گے' ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں- کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو- ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کر

دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا' اس طرف تو رحمت ہوگی اور اس طرف عذاب ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے' کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں۔ اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں پس قرآن میں جہاں استہزاء مسخریت یعنی مذاق' مکر' خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں' وہاں یہی مراد ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی بدکرداریوں اور کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے' کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے کہ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ الخ اور اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب انہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی' دھوکہ' تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو۔ تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں۔ لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی میں برائی اور زیادتی "ظلم" ہے اور دوسری برائی اور زیادتی' عدل ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے' ایک اور مطلب بھی سنئے۔ دنیا میں یہ منافق اپنی اس ناپاک پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن و امان مل گیا۔ اب یہ مست ہو گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے' قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں ملے گا۔ گو یہاں ان کے مال اور جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذاب کا شکار بنیں گے۔ امام ابن جریرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت تائید کی ہے اس لئے کہ مکر' دھوکہ اور مذاق جو بلاوجہ ہو' اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے۔ ہاں انتقام' مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا بدلہ اور سزا ہے۔ يَمُدُّهُمْ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد کی کثرت ان کے لئے باعث خیر ہے' نہیں' نہیں۔ انہیں صحیح شعور ہی نہیں اور سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ غرض کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں' ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں جن پر یہ پھولے نہیں سماتے حالانکہ وہ حقیقت میں عذاب ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی جب لوگوں نے نصیحت بھلا دی' ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا' اب گھبرا گئے' ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو مہلت دی جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ الخ طغیان کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو۔ جیسے فرمایا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ عَمَهٌ کہتے ہیں گمراہی کو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ضلالت و کفر میں ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا۔ اب یہ اسی دلدل میں اترتے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور اس سے نجات کی تمام راہیں ان پر بند ہو جاتی ہیں۔ بھلا ایسی دلدل

میں جو ہو اور پھر اندھا بہرا اور بیوقوف ہو وہ کیسے نجات پا سکتا ہے۔ آنکھوں کے اندھے پن کے لئے عربی میں "عمی" کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھاپے کے لئے "عَمَۃٌ" کا لیکن کبھی دل کے اندھے پن کے لئے بھی "عَمیٌ" کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے وَلٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَمَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوۡرِہِمۡ وَتَرَکَہُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں مول لے لیا پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ○ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا ○ جو نہیں دیکھتے' بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹتے ○

ایمان فروش لوگ: ☆☆ (آیت:۱۶) حضرت ابن عباسؓ ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' ہدایت پر گمراہی کو پسند کرتے ہیں۔ جیسے اور جگہ قوم ثمود کے بارے میں ہے وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَہَدَیۡنٰہُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی الۡہُدٰی یعنی باوجود اس کے کہ ہم نے قوم ثمود کو ہدایت سے روشناس کر دیا مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی کی جگہ اندھے پن کو پسند کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آ گئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی خرید لی۔ اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں' خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے چنانچہ قرآن میں ہے ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا' پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا' نہ راہ ملی بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر تنہائیوں کی تنگ جیل میں اور امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی اندھیری کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے۔

شک' کفر اور نفاق کیا ہے؟ ☆☆ (آیت ۱۷-۱۸) مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں' اس کی جمع امثال آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَتِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ اس آیت شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں' ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی' اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں' اس کی پریشانی دور ہو گئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعتہً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا۔ نہ تو نگاہ کام کر سکے' نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو' کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو' گونگا ہو' کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو' اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو' اب بھلا یہ راہ کیسے پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ

راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے- اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا- جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ یہ صراحت موجود ہے- واللہ اعلم- امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سدیؒ سے یہی نقل کیا ہے' پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے اس لئے کہ اولاً تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا- پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ چھن گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین گم ہو جانے کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہو گی؟

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے' انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان الٰہی گذر چکا ہے کہ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ [1] یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں' درحقیقت اس آیہ مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے' اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا- ممکن ہے ایمان لائے ہوں- پھر اس سے ہٹ گئے ہوں اور اب دلوں میں مہریں لگ گئی ہوں- دیکھئے دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب وہ کچھ نہیں سمجھتے' یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا' کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا-

ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر دی جاتی ہے- قرآن پاک میں اور جگہ ہے رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو اور اس آیت کو بھی دیکھئے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ تم سب کا پیدا کرنا اور مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا' ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کو دوبارہ زندہ کرنا- تیسری جگہ توراۃ سیکھ کر عملی عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا گدھے کی مانند ہیں' جو کتابیں لادے ہوئے ہو' سب آیتوں میں جماعت کی مثال ایک ہی دی گئی ہے' اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی- بعض کہتے ہیں تقدیر کلام یوں ہے مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح ہے جو آگ روشن کریں' بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن مجموعی طور پر پوری جماعت اس سے محظوظ ہوتی ہے اس کے ساتھ ہے اور اس قسم کا اور الَّذِيْ یہاں الَّذِيْنَ کے معنی میں ہیں جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی ''میں کہتا ہوں'' اس مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغے بھی ہیں بِنُوْرِهِمْ اور تَرَكَهُمْ اور لَا يَرْجِعُوْنَ ملاحظہ ہوں اور اس طرح کلام میں اعلیٰ فصاحت اور بہترین خوبی آ گئی ہے- اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا' وہ تو ان سے ہٹا لیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے' اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک و کفر و نفاق رہ گیا تو راہ راست کو نہ خود دیکھ سکیں نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں- اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا- اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنئے-

حضرت ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں- حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے- ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو' پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس کی بھلائی برائی کو سمجھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے' روشنی جاتی رہے- اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک و کفر کی ظلمت میں تھے' پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ سمجھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور

حرام وحلال، خیر وشر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت وکفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو اس مثال میں آس پاس کی چیز کے روشنی کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عطا خراسانیؒ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کی کور چشمی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ عکرمہؒ عبدالرحمٰن، حسن، سدی اور ربیعؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں، جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھو دیتا ہے، جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ مندرجہ بالا اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لا چکے تھے پھر کفر کیا۔ اب امام ابن جریرؒ کی تائید میں جو تفسیر ہے، اسے بھی سنئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پا لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں نکاح، ورثہ اور تقسیم مال غنیمت میں شامل ہوتے ہیں لیکن مرتے ہی یہ عزت کھو جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں جب منافق لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے تو دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ پھر جہاں شک کیا، وہ نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں، روشنی رہی، جہاں بجھیں، نور گیا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں، نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ قتادہؒ کہتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا، امن وامان، کھانا پینا، بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک ونفاق ان سے یہ تمام راحتیں چھین لیتا ہے، جس طرح آگ کا بجھنا روشنی دور کر دیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے منافق کو (دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین، ورثہ کی تقسیم، جان ومال کی حفاظت وغیرہ) مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے اعمال میں خلوص نہیں ہوتا، اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی بجھ جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا سے مراد مرنے کے بعد عذاب پانا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھ کر زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے ہدایت اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔ سدیؒ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، موت کے وقت منافق کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کسی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو، وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے، اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے، ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے، نہ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

ع ۱۳

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو۔ موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے ○ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

منافقین کی ایک اور پہچان: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں' بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ ظلمات سے مراد شک' کفر و نفاق ہے اور رعد سے مراد یعنی گرج ہے جو اپنی خوفناک آواز سے دل دہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر' خوف' گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے۔

جیسے کہ اور جگہ فرمایا يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ [1] یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی کی مثال سے مراد وہ نور ایمان ہے جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے' اس وقت وہ اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں' یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسا کہ اور جگہ فرمایا هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ الخ یعنی کیا تمہیں لشکروں کی' فرعون اور ثمود کی روایتیں نہیں پہنچی' بے شک پہنچیں تو ہیں لیکن یہ کافر پھر بھی تکذیب ہی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا' اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے اور منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ضعف ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیتیں ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی' جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایمان ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک وشبہ آیا' دل میں کدورت اور ظلمت بھگی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا' یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ الخ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اگر بھلائی ملے تو مطمئن ہو جائیں اور اگر برائی پہنچے تو اسی وقت پھر جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا' حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا' کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیگر بہت سے مفسرین کا بھی یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا' بعض کو کئی کئی میلوں تک کا' بعض کو اس سے بھی زیادہ' کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا' کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سا دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سا دور کا نور ملے گا۔ پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا' یہ پورے منافق ہوں گے' جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا الخ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے ذرا رکو' ہمیں بھی آ لینے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ

اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ اور مومنوں کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ الخ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہوگا اور کہا جائے گا تمہیں آج باغات کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے' اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان آیتوں کے بعد اب اس مضمون کی حدیثیں بھی سنئے۔

احادیث میں تذکرۂ نور: ☆☆ نبی ﷺ فرماتے ہیں "بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا' بعض کو اس سے کم' یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوگی" (ابن جریرؒ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت جتنا' کسی کو قد آدم جتنا' کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو' کبھی بجھ جاتا ہو' کبھی روشن ہو جاتا ہو۔" (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا' ان کے اعمال کے مطابق' جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گذریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہوگا' بعضوں کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا' کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "تمام اہل توحید کو قیامت کے دن نور ملے گا۔ جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا یارب ہمارے نور کو پورا کر" (ابن ابی حاتم) ضحاک بن مزاحمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن لوگ کئی قسم کے ہوں گے' خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیتوں میں ہوا' خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی۔ دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں' کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے' کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے' یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

ٹھیک اسی طرح سورہ نور میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد' بس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے' یہاں تک کہ پاس آ کر دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ ایک اور جگہ پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو جہل بسیط میں گرفتار ہیں۔ فرمایا' مانند سخت اور اندھیریوں کے جو گہرے سمندر میں ہوں' جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو' پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوں' ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو' اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے' دوسرے ان کی تقلید کرنے والے۔ جیسے سورہ حج کے شروع میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ بعض لوگ علم' ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورہ واقعہ کے شروع اور آخر میں اور سورہ انسان میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں' سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقربین بارگاہ ربانی اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو

جماعتیں ہیں مقرب اور ابرار' اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں' کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ تینوں ہوں' وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو' اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی جیسے کہ آیت وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے۔ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' دل چار قسم کے ہیں۔ ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو' دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں' تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں' چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان ونفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو' اب جو مادہ بڑھ جائے' وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب وسزا دے' چاہے تو معاف کر دے۔ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب' اپنی جبروت سے ڈرایا اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کرنے اور آنکھوں کو اندھا کرنے پر قادر ہے۔ قدیر کے معنی قادر کے ہیں جیسے علیم کے معنی عالم کے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ اور معنی میں ایک ہے۔ جیسے فرمایا وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یہاں لفظ او اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے' جَالِسَ الْحَسَنَ اَوِابْنَ سِيْرِيْنَ۔ زمخشری بھی یہی توجیہہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جو مثال چاہو' بیان کرو' دونوں ان کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی اقسام کے ہے۔ ان کے احوال وصفات طرح طرح کے ہیں۔

جیسے کہ سورہ برات میں وَمِنْهُمْ' وَمِنْهُمْ' وَمِنْهُمْ کر کے ان کی بہت سی قسمیں' بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کئے ہیں تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں واللہ اعلم۔ جیسے کہ سورہ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں۔ ایک کفر کی طرف بلانے والے' دوسرے مقلد۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ پھر فرمایا اَوْ كَظُلُمٰتٍ پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی' کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسری مثال مقلدین کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے ○ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو ○

تعارف الٰہ بزبان الٰہ: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا' اسی نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائیں' اسی نے زمین کو فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا۔ جیسے کہ دوسری آیت میں آیا کہ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا الخ یعنی آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس کے باوجود وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ آسمان سے پانی اتارنے کا مطلب بادل نازل فرمانا ہے۔ اس وقت جبکہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرنا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور بھلی بھلی روزیاں پہنچائیں' یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق' سب کا رازق' سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس لئے شرک سے مبرا ہر قسم کی عبادت کا وہی مستحق ہے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم جانتے ہو۔

صحیحین میں حدیث ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھتے ہیں حضورؐ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمہارا خالق ہے' کسی کو شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذ والی حدیث میں ہے۔ جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔ طفیل بن سنجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں' میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا اور ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں' میں نے کہا افسوس تم میں یہ بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو' انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہیں' پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہو' انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپؐ سے بھی یہی خواب بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ اب آپ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو' اب ہرگز ہرگز اللہ چاہے اور اس کا رسول' کبھی نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ

صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے (ابن مردویہ)۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں' آپ نے فرمایا' کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے' یوں کہہ جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے (ابن مردویہ) ایسے تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں۔ توحید باری کی اہمیت کے بارے میں یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند ہو جاؤ' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' جو نہ نفع دے سکے' نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو' قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی۔ یہ بھی شرک ہے' انسان کا یہ کہنا اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے' یہ بھی شرک ہے آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی' یہ بھی شرک کا کلمہ ہے کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ' یہ بھی شرک ہے کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا۔ یہ سب کلمات شرک ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے' تم اچھے لوگ ہوتے اگر تم شرک نہ کرتے۔ تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔[2] ابو العالیہؒ فرماتے ہیں' انداد کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں تم توراۃ اور انجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے۔ پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو؟

پانچ احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو' قریب تھا کہ وہ اس میں غفلت کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ لہذا یا تو آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا' مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت لے گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ دیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے پس یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پر ہو گئی تو آپ اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے کہا' اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود بھی عمل کروں' تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

ایک یہ کہ اللہ ایک کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے اور غلام کام کاج کرے لیکن جو کچھ حاصل ہو' اسے کسی اور کو دے دے' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا' تمہیں روزی دینے والا' تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسری یہ کہ نماز کو ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ بندے کی طرف ہوتی ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر منہ پھیرے' جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کرلیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے' گردن مارنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا' کم زیادہ دے کر اپنی جان چھڑالی-

پانچواں اس کا حکم یہ ہے کہ بہ کثرت اس کے نام کا ذکر کیا کرو- اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن وامان پالیتا ہے- اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے- یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری نے مجھے دیا ہے- مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا' اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا اور جاننا' ہجرت کرنا اور جہاد کرنا' جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل جائے وہ اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے- جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو- فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو- مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھے ہیں' مسلمین' مومنین اور عباد اللہ- یہ حدیث حسن ہے- اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے' وہی تمہیں روزی دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو- اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو- اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے- کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے- ہر ایک عبادت کے لائق صرف وہی ہے-

اثبات وجود الٰہ العلمین : ☆☆ امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے- اور فی الواقع یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے- زمین اور آسمان کی مختلف شکل وصورت' مختلف رنگ' مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات' ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا اور خاص حکمت کا حامل ہونا' ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت' حکمت' زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے- کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا یَا سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ- وَاِنَّ اَثَرَ الْاَقْدَامِ لَيَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ- فَسَمَآءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ - وَبِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ اَلَا يَدُلُّ ذَالِكَ عَلٰى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ- یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان' یہ راستوں والی زمین' یہ موجیں مارنے والے سمندر' اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے- آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا' آوازوں کا جداگانہ ہونا' نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے-

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ چھوڑو میں کسی اور سوچ میں ہوں- لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں' نہ کوئی اس کا نگہبان ہے' نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے' ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے' چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے' نہ اس کا کوئی ملاح ہے نہ منتظم- سوال کرنے والے دہریوں نے کہا' آپ کس سوچ میں پڑ گئے- کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو- آپ نے فرمایا' افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو

بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اوران کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکابکا ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں' ایک ہی ذائقہ کے ہیں' کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے اور چرتے چگتے ہیں' اسی کو کھا کر ریشم کا کیڑا ریشم تیار کرتا ہے' مکھی شہد بناتی ہے' ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائیں بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ مانتے ہیں' وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی گئی تو آپؒ نے فرمایا۔ سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں' نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوارخ تک نہیں' باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے' اوپر نیچے' دائیں بائیں' چاروں طرف سے بالکل بند ہے' ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں' کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو۔ چاروں طرف سے بند ہے۔ پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔ حضرت ابونواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آسمان سے بارش برسنا' اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔ ابن المعتز فرماتے ہیں۔ افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی تکذیب پر لوگ کیسے دلیر ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر چیز اس پروردگار کے موجود اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو' ان کی بلندی' ان کی وسعت ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظریں ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے' ان کے چلنے پھرنے' ٹھہر جانے' ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے' جن کے رنگ جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ قسم قسم کی دوسری مخلوقات پر نظر ڈالو ادھر سے ادھر پھر جانے والی' کھیتیوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو۔ کھیتوں باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول' مزے مزے کے میووں پر غور کرو۔ زمین ایک' پانی ایک' لیکن شکلیں' صورتیں' خوشبوئیں' رنگ' ذائقہ' فائدہ الگ الگ۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات باآواز بلند نہیں کہہ رہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی' اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ جل وعلا نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں' اس کی پرزور حکمتوں' اس کی لاثانی رحمتوں' اس کے بے نظیر انعاموں' اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے' نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا' نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق' نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک۔ ہاں دنیا کے لوگو! سن لو میرا توکل اور بھروسا اسی پر ہے۔ میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے' میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے' میری تمناؤں کا مرکز' میری امیدوں کا آسرا' میرا ماویٰ وملجا وہی ایک ہے' اس کے دست رحمت کو تکتا ہوں اور اسی کا نام جپتا ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ - تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو ○ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر - جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○

تصدیق نبوت اعجاز قرآن: ☆☆ (آیت:۲۳-۲۴) توحید کے بعد اب نبوت کی تصدیق کی جا رہی ہے - کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ - جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ اپنے ہم فکر اور مددگار سب کو جمع کر و تو بھی تم سب ناکام رہو گے - مطلب یہ ہے کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو پھر اس جیسی ایک سورت ہی تو بنا لاؤ - حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں داں فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو -

قرآن پاک کے اس معجزے کا اظہار اور ایسا انداز خطاب کئی جگہ ہے سورہ قصص میں ہے فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا - سورہ سبحان میں فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا یعنی اگر تمام جنات اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں' تو بھی ان کے امکان میں نہیں - سورہ ہود میں فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن کو خود اس پیغمبر نے گھڑ لیا - تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو' بلا کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ -

سورہ یونس میں ہے وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں' جو رب العالمین کی طرف سے ہے' کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ کہتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت تو بنا لاؤ تا کہ تمہارا سچ ظاہر ہو -

یہ تمام آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلہ میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ شریف میں بھی اس مضمون کو

دوہرایا گیا۔ اوپر کی آیت مثلہ کی ضمیر کو بعض نے قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس قرآن جیسی لاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ مجاہدؒ، قتادہؒ، عمرو بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، حسن بصری اور اکثر محققین کا یہی قول ہے۔ امام ابن جریرؒ، طبری، زمخشری، رازیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اس کی ترجیح کی وجہیں بہت سی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے، جمع کر کے اور الگ الگ بھی، خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں یا اہل کتاب اور پڑھے لکھے ہوں، اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا، اس کی مثل نہ لا سکنے کی پیشین گوئی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ ذات رسول اللہ ﷺ۔ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں، مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی، جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا، جو لوگ آپ کی اور آپؐ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے، وہ درحقیقت اس سے عاجز آ گئے، نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے، نہ دس سورتوں کا نہ ایک سورت کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے۔ دوسرا معجزہ یہ ہے کہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے، گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں۔ پس ایسا ہی ہوا، نہ تو اس زمانہ میں کسی کو یہ جرأت ہوئی، نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا اور بھلا کیسے ہو سکتا؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بےمثل اسی طرح اس کا کلام بھی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن پاک کو بیک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی، لفظی اور معنوی ایسے ایسے کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں۔ خود رب العالمین فرماتا ہے الٓر کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ الخ یعنی اس کتاب کی آیتیں جو حکمت والے ہر طرح کی خبریں جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، محکم، مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔ پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم۔ پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بےنظیر ہے جس کے مقابلے، معارضے اور مثل سے دنیا عاجز اور بےبس ہے۔

اس پاک کلام میں اگلی خبریں جو دنیا سے پوشیدہ تھیں، وہ ہو بہو بیان کی گئیں، آنے والے امور کے تذکرے کئے گئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے۔ تمام بھلائیوں کا حکم تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ سچ ہے وَتَمَّتۡ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا یعنی خبروں میں صداقت اور احکام میں عدل، تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے۔ پاکیزہ قرآن تمام ترحق وصداقت وہدایت سے پر ہے، نہ اس میں واہی تواہی باتیں ہیں، نہ ہنسی مذاق، نہ کذب وافترا جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر وقیمت ہی اسی پر ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ اعذبہ اکذبہ جوں جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزیدار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پرزور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف وتوصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چڑھی مدح وتعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش وزیبائش یا بہادری کے مبالغہ آمیز گیت یا لڑائیوں کی چالبازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ دین کا، نہ دنیا کا، صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے، نہ اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر، نہ اعمال پر۔

پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں۔ باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس،

برخلاف اس کے قرآن پاک پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت سے' دین و دنیا کے نفع سے' خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب' الفاظ کی بندش' عبارت کی روانی' معانی کی نورانیت' مضمون کی پاکیزگی' سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت' اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست' مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار کمال کا اعلیٰ نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو دوہرانا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے۔ بار بار پڑھو دل نہ اکتائے مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ۔ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں۔ یہ قرآن پاک کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ' اس مٹھاس کا مزہ' کوئی اس سے پوچھے جنہیں عقل و حواس' علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا۔ اس کی تنذیر' دھمکاوا' تعذیب اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلا دے۔ انسانی دل کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں' نعمتوں اور رحمتوں کا بیان' دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والا' شوق و تمنا کے دبے جذبات کو ابھار دینے والا' جنتوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کرلانے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں' کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ الخ کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ الخ اس دائمی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں کھب جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ [3] فرمایا اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡكُمۡ حَاصِبًا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ كَیۡفَ نَذِیۡرِ کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمانوں والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبیخ' ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فَكُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِهٖ ایک ایک کو ہم نے اس کی بدکرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطور وعظ و نصیحت بیان ہوتا ہے اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ اگر ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ نہیں دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ و جلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے۔ جس مضمون کا ذکر کیا' اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت' حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا۔ احکام کے حکم اور روک ٹوک کو دیکھئے۔ ہر حکم اچھائی بھلائی' نفع اور پاکیزگی کا جامع ہے۔ ہر ممانعت قباحت' رذالت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعودؓ وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا آئے تو کان لگا دو۔ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہو گا یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ الخ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے' برائیوں سے روکتا ہے' پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے' خبیث چیزیں حرام کرتا ہے' وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں' وہ سخت طوق جو گلوں میں تھے' اتار پھینکتا ہے' قیامت کے بیان کی آیتیں ہیں کہ ہولناک مناظر' جنت و دوزخ کا بیان' رحمتوں اور زحمتوں کا پورا پورا وصف' اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں' دشمنان اللہ کے لئے طرح طرح کے عذاب' کہیں بشارت ہے' کہیں ڈراوا ہے' کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے' کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے' کہیں دنیا کی طرف سے زہد کرنے کی' کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیتیں ہیں جو راہ راست دکھاتی ہیں اور بہتر رہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا بخشتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو

بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات کو زائل کرتی ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے اس لئے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔ حضور کا یہ فرمان کہ میرا معجزہ وحی ہے جو مجھ کو دی گئی ہے' کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور قرآن کریم مجھی کو ملا ہے' جو اپنے معارضے اور مقابلے میں تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے۔ بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے۔ وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں۔ واللہ اعلم۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت' آپ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر اس معجزے کے علاوہ بھی اس قدر دلائل ہیں جو گنے بھی نہیں جا سکتے۔ للہ الحمد و المنتہ۔

بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے۔ انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ اس جیسا بنا لا سکے' انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت و طاقت ہی نہیں۔ یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں' دین حق کو مٹانے' ہر وقت' ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں ہو سکتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے۔ اگر قدرت و طاقت ہو بھی تو بھی وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ پچھلی وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن پاک کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق تنزل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔ امام رازیؒ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

جہنم کا ایندھن: ☆☆ وَقُوْدُ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے۔ جیسے چپٹیاں لکڑیاں وغیرہ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ اور جگہ فرمایا' تم اور تمہارے معبود جو اللہ کے سوا ہیں' جہنم کی لکڑیاں ہیں' تم سب اس میں وارد ہو گے۔ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے۔ دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور حِجَارَةُ کہتے ہیں پتھر کو۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبو دار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' ان پتھروں کو زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے (ابن جریر' ابن ابی حاتم' مستدرک حاکم) ابن عباس' ابن مسعودؓ اور چند اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' ان پتھروں کی بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علیؒ اور ابن جریجؒ بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعض نے کہا ہے' مراد وہ پتھر جن کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الخ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں' جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ قرطبیؒ اور رازیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر جو کسی شکل میں بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہوں لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی

جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی- اس کا بھڑکنا' جلنا' سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے- علاوہ اس کے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے- اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت کا مقصود آگ کی تیزی اور اس کی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اس کے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو- قرآن کریم میں ہے کُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا-

ایک حدیث میں ہے' ہر موذی آگ میں ہے لیکن یہ حدیث محفوظ اور معروف نہیں- قرطبیؒ فرماتے ہیں' اس کے دو معنی ہیں- ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے' جہنمی ہے دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی- اُعِدَّتْ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں- ابن مسعود کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنی میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا' آگ کے جلانے کے لئے ہے اور آگ کی تیاری کے لئے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر وہ شخص جو کفر پر ہو' اس کے لئے وہ آگ تیار ہے- اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ''اُعِدَّتْ'' کا لفظ ہی اس کی دلیل میں آیا ہے- بہت سی حدیثیں بھی ہیں-

ایک مطول حدیث میں ہے- جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دو سانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دے دی گئی- تیسری حدیث میں ہے' صحابہؓ کہتے ہیں' ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی- حضورؐ سے پوچھا' یہ کس چیز کی آواز ہے- آپؐ نے فرمایا' ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا' آج وہ تہہ کو پہنچا- چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور نے سورج گرہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا- پانچویں حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس میں عذابوں کے سلسلے کو ملاحظہ فرمایا- اسی طرح اور بہت سی صحیح متواتر حدیثیں مروی ہیں- معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے- قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے- فائدہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورہ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت کے مانند لاؤ- اس میں ہر چھوٹی بڑی آیت شامل ہے- اس لئے عربیت کے قاعدے کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو' وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے- پس لمبی سورتوں اور چھوٹی سورتوں سب میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے-

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورت کا لفظ سورہ کوثر اور سورہ العصر اور سورہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ جیسی چھوٹی سورتوں پر بھی مشتمل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنا لینا ممکن ہے تو اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نری ہٹ دھرمی اور بے جا طرف داری ہے- تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجز نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے- ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جاسکیں اور انکار تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر یہ سورتیں ایسی نہیں تو بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اس لئے کہ ان جیسی سورتوں کو بنانے کی انسانی قدرت ہونے پر بھی سخت دشمنی اور زبردست کوششوں کے باوجود نا کام رہنا' اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے- یہ تو ہے کلام رازی کا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر بڑی چھوٹی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی مانند بنانے

سے محض عاجز اور بالکل بے بس ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر سے، عقل و ہوش سے سورۂ والعصر کو سمجھ لیں تو انتہائی کافی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وفد میں شامل مسیلمہ کذاب کے پاس گئے (تب یہ خود بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ تم مکہ سے آ رہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔

پھر سورہ والعصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُكَ حَقَرٌ فَقَرٌ یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ باقی تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فخر یہ کہنے لگا کہو اے عمرو کیسی کہی؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تو خود جانتا ہے کہ یہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں حکمتوں سے بھرپور وہ کلام؟

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہیں O

اعمال وجہ بشارت: ☆☆ (آیت: ۲۵) چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں جو صحیح تر قول بھی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزہ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی کفر کا، کفر کے ساتھ ایمان کا، نیکوں کے ساتھ بدوں کا اور بدوں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے چاہے معنی میں مُتَشَابِه ہوں یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں۔ اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں میں نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں اور حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں۔ اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لولو اور جواہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے۔ وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔

حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشکی پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم کو یہ میوے دیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے صحابہؓ اور

ابن جریرؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے۔ یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت وشکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا۔ کھائیں گے۔ پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے۔ فرشتے کہیں گے۔ کھایئے تو۔ اگرچہ صورت شکل میں یکساں ہیں لیکن مزہ اور ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے۔ اس کے ٹیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لا لا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں۔ وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چکھ کر دیکھئے۔ کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائے جائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی اور نام شکل اور صورت میں بھی ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں یہاں کی چیز کہاں وہاں کی؟ یہاں تو فقط نام ہی ہے عبدالرحمٰنؒ کا قول ہے دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہہ دیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو لذت کچھ اور ہی ہوگی۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی' وہ گندگی' ناپاکی' حیض ونفاس' پیشاب' پاخانہ' تھوک' رینٹ' منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی۔ حضرت حوا علیہا السلام بھی حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آ گئی۔ یہ قول سنداً غریب ہے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں۔ اس حدیث کے راوی عبدالرزاق بن عمر بزیعی ہیں۔ مستدرک حاکم میں بیان کیا جنہیں ابوحاتم البستی نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت قتادہ کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ نہ یہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں۔ نہ نعمتیں ان سے چھنیں۔ نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں۔ نہ موت ہے نہ خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے۔ اللہ رب العالمین جواد وکریم بر ورحیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔ آمین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے۔ اسی کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے' انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اللہ جل شانہ کی مثالیں اور دنیا ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) ابن عباسؓ ابن مسعود اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیتوں میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی ایسی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قرآن پاک میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیتیں اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں اتری حالانکہ ایسا نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور بزرگوں سے بھی اس طرح کا شان نزول مروی ہے۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی۔ مچھر جس وقت بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوۡا مَاذُکِّرُوۡابِهٖ الخ جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں تو ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں اب دفعتہً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں (ابن جریر ابن ابی حاتم) امام ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مثال چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ جھجکتا ہے۔ لفظ ما یہاں پر کمی کے معنی بتانے کے لئے ہے اور بَعُوۡضَةً کا زبر بدلیت کی بنا پر عربی قاعدے کے مطابق ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر صادق آ سکتا ہے یا "ما" نکرہ موصوفہ ہے اور "بَعُوۡضَه" صفت ہے۔ ابن جریرؒ "ما" کا موصولہ ہونا اور "بَعُوۡضَةً" کا اسی اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں اور کلام عرب میں یہ بکثرت رائج ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ جیسے حسان بن ثابت کے شعروں میں ہے۔

یکفی بنا فضلا علی من غیرنا حب النبی محمد ایانا

ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبیؐ سے پر ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "بَعُوۡضَةً" منصوب ہو حذف جار کی بنا پر اور اس سے پہلے اور بین کا لفظ مقدر مانا جائے۔ کسائی اور قراء اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاکؒ اور ابراہیم بن عبلہؒ "بَعُوۡضه" پڑھتے ہیں۔ ابن جنیؒ کہتے ہیں یہ "ما" کا صلہ ہو گا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ میں فَمَا فَوۡقَهَا کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز۔ جیسے کسی شخص کی بخیلی کا ایک شخص ذکر کرے تو دوسرا کہتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔ کسائیؒ اور ابو عبیدہؒ یہی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز اور کیا ہو گی؟ قتادہؒ بن دعامہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جس کسی مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی یہی لفظ فَوۡقَهَا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے۔ اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے عار نہیں۔ ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ کان لگا کر سنو۔ جنہیں اللہ کے سوا پکار سکتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو بھی ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا' ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں' مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے- دوسری جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال پاک درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ ہر وقت پھل دیتا ہو- ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں- اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے- دوسری جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں- اور جگہ فرمایا- دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے- جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے- کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ اور جگہ ارشاد ہے' اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں- اور جگہ ارشاد ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں (پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں- ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں- بعض سلف صالحینؒ فرماتے ہیں' جب میں قرآن کی کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی' ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں- قتادہؒ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں- "انہ" کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورہ مدثر میں ہے وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ الخ یعنی ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے- اہل کتاب یقین کرتے ہیں- ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں- ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے- تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- یہاں بھی اسی ہدایت و ضلالت کو بیان کیا-

ایک ہی مثال کے دو ردعمل کیوں؟ ☆☆ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور مومن راہ پاتے ہیں- گمراہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اس مثال کے درست اور صحیح ہونے کا علم ہونے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں اور مومن اقرار کر کے ہدایت و ایمان کو بڑھا لیتے ہیں- فٰسِقِيْنَ سے مراد منافق ہیں- بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں- حضرت سعدؓ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں- اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ تفسیر معنوی ہے- اس سے مراد خوارج نہیں ہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علیؓ پر چڑھائی کی تھی تو یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معناً فاسقوں میں داخل ہیں- انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے- لغت میں فاسق کہتے ہیں' اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو- جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتْ- چوہے کو بھی فُوَيْسِقَه کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے-

صحیحین کی حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں اور حرم کے باہر قتل کر دیئے جائیں- کوا' چیل' بچھو' چوہا اور کالا کتا- پس لفظ فاسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے اور آیت میں مراد فاسق سے کافر ہے- واللہ اعلم- اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں- اس کے فرمان کاٹتے ہیں اور

زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں۔

مومنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورہ رعد میں بیان ہے کہ اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ الخ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا' وہ حق ہے' کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہو؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق نہیں توڑتے اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے' انہیں جوڑتے ہیں۔ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں۔ آگے چل کر فرمایا۔ جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو' وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں' ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے۔ یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے پر مشتمل ہے۔ اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

بعض کہتے ہیں عہد توڑنے والے اہل کتاب کے کافر منافق اور ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے تورات میں لیا گیا تھا کہ وہ اس کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں۔ جب بھی آپ تشریف لے آئیں' آپ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں' اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا علم ہونے کے باوجود الٹا اطاعت سے انکار کر دیا اور باوجود عہد کا علم ہونے کے' اسے چھپایا۔ دنیاوی مصلحتوں کی بنا پر اس کا الٹ کیا۔ امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیانؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شک وکفر ونفاق والے سب کے سب مراد ہیں۔ عہد سے مراد توحید اور نبی کی نبوت کا اقرار کرانا ہے جن کی دلیل میں کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں اور اس عہد کو توڑ دینا توحید وسنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے۔ یہ قول اچھا ہے۔ زمخشری کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرتاً انسان میں؟ داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق بھی منوایا گیا ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا تھا بلی بیشک تو ہمارا رب ہے۔ پھر جو کتابیں دی گئیں' ان میں بھی اقرار کرایا گیا جیسے فرمایا وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ الخ میرے عہد کو نبھاؤ۔ میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا۔ بعض کہتے ہیں وہ عہد مراد ہے جو روحوں سے لیا گیا تھا جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالی گئی تھیں جیسے فرماتا ہے وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ الخ جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا۔ اور اس کا توڑنا اس سے انحراف ہے۔ یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں۔

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں' عہد ربانی کو توڑنا منافقوں کا کام ہے' جن میں یہ چھ خصلتیں ہوتی ہیں۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑ دینا' اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کے ملانے کا حکم دیا ہے' انہیں نہ ملانا' زمین میں فساد پھیلانا۔ یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو تین اگلے کام کرتے ہیں۔ سدیؒ فرماتے ہیں' قرآن کے احکام کو پڑھنا' جاننا' سچ کہنا' پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا' اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا' قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ قریب ہے کہ تم اگر لوٹو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔ ابن جریرؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے یعنی جسے ملانے اور ادا کرنے کا حکم دیا تھا' انہوں نے اسے توڑا اور حکم عدولی کی۔ خاسرون سے مراد آخرت

میں نقصان اٹھانے والے ہیں جیسے فرمان باری ہے اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ان لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے سوا جہاں دوسروں کے لئے یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں۔ خاسرون جمع ہے خاسر کی۔ چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر رحمت الٰہی سے علیحدگی کر لی' اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں گھاٹا آئے۔ اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں یعنی قیامت والے دن جب رحم و کرم کی بہت ہی حاجت ہوگی' اس دن رحمت الٰہی سے محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے ○

ٹھوس دلائل پر مبنی دعوت: ☆☆ (آیت:۲۸) اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے' وہ قدرتوں والا ہے' وہی پیدا کرنے والا اور اختیار والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا' تم اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیسے کر سکتے ہو؟ یا اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیسے کر سکتے ہو؟ جبکہ تمہیں عدم سے وجود میں لانے والا ایک وہی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا' کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا ہے جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ اور بھی اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ الخ اے اللہ دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا الخ میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا یعنی پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا یعنی موت ایک روز ضرور آئے گی۔ پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے' پھر دوسری دنیا میں مرنے اور قبروں کی طرف جانے کی پھر قیامت کے روز اٹھ کھڑے ہونے کی۔ دو زندگیاں اور دو موتیں۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا۔ پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا۔ پھر دنیوی موت ان پر آئی۔ پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا لیکن یہ قول غریب ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

قرآن میں اور جگہ ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے' قرآن نے مردہ کہا۔ فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں۔ زمین کے بارے میں فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ان کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

وہی اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

کچھ اور دلائل: ☆☆ (آیت:۲۹) اوپر کی آیات میں ان دلائل قدرت کا بیان تھا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اب اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ''اِسْتَواء'' یہاں قصد کرے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ ''اِلٰی'' ہے۔ ''سَوّٰهُنَّ'' کے معنی درست کرنے اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں۔ سماء اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے ارشاد ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ بے علم ہو کیسے سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورہ سجدہ کی آیت اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو جو رب العالمین ہے۔ جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے جس نے زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں۔ جس میں دریافت کرنے والوں کی تشفی ہے۔ پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھویں کی شکل میں تھے' فرمایا کہ اے زمینو اور آسمانو خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو برضا و خوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ کا سبب بنایا۔ یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی۔ پھر ساتوں آسمان اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جائے پھر اوپر کا۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان بھی ابھی آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ الخ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلا کو بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد زمین پھیلائی۔ اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ''ثُمَّ'' صرف عطف خبر کے لئے ہے۔ عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے اشعار میں یہ موجود ہے کہ کہیں ''ثُمَّ'' صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے' تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ''ءَ اَنْتُمْ'' میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک یہ ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا' پھر آسمان کو' پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا اس طرح دونوں آیتیں ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں گی۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی۔ البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا۔ وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی۔ پھر اس کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور پیر کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی وہ ہے جس کا

ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے نٓ وَ الْقَلَمِ مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتے پتھر پر زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور وہ ٹھہر گئی۔ یہی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَبِھِمْ الخ زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں۔ پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں۔ اسی کا بیان قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ والی آیت میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا۔ آسمان بنایا پھر اسی میں سات آسمان بنائے۔ جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں، جمعہ کے دن کو اس لئے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائش جمع ہو گئی۔ ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان ان چیزوں کو، جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں، کہ دنیا آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا۔ ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پکڑا جیسے فرماتا ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا اور جگہ فرمایا کَانَتَا رَتْقًا الخ یعنی یہ دونوں دھواں سے تھے۔ ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کو زندگی دی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بہ ظاہر ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم)

ابن جریرؒ میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی۔ دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں، دو دن میں ان میں موجود تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا۔ جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہو گی۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا۔ اس سے جو دھواں اوپر چڑھا، اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں اور زمینیں ایک نیچے ایک اوپر اس طرح سات ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے۔ جیسے سورہ سجدہ کی آیت میں ہے۔ علماء بھی اس پر متفق ہیں۔ صرف قتادہؒ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ قرطبیؒ اس میں توقف کرتے ہیں۔ وَ النّٰزِعٰتِ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی گئی ہے بعد میں۔ یہی جواب اگلے پچھلے علماء کا ہے۔ سورۂ نازعات کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے اور دَحٰھَا کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی چارہ پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے۔ جن جن چیزوں کی نشوونما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی، ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیداوار طرح طرح کی مختلف شکلوں اور مختلف قسموں میں نکل آئی۔ اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے رہنے والے، چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، برائیوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن، آدمؑ کو جمعہ کے دن اور عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک۔ یہ حدیث غرائب میں سے ہے۔ امام ابن مدینیؒ، امام بخاریؒ وغیرہ نے اس پر بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کعب کا اپنا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے کعبؒ کا یہ قول سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی یہی کہتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا' ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح' حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○

خلافت آدم کا مفہوم: ☆☆ (آیت:۳۰) اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ فرماتا ہے کہ اے نبی تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابوعبیدہ تو کہتے ہیں کہ لفظ ''اذ'' یہاں زائد ہے لیکن ابن جریرؒ وغیرہ مفسرین اس کی تردید کرتے ہیں۔ خَلِيْفَه سے مراد یہ ہے کہ ان کے یکے بعد دیگرے بعض کے بعض جانشین ہوں گے اور ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ میں یونہی صدیوں تک یہ سلسلہ رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ دوسری جگہ فرمایا وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنا دیا اور ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے۔ ایک شاذ قرات میں خَلِيْقَةً بھی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم ہیں لیکن اس بارے میں تفسیر رازی کے مفسر نے اختلاف کیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا' نہ کہ خاص حضرت آدم کی نسبت۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کیونکر ہوا؟ یا تو کسی خاص ذریعہ سے انہیں یہ معلوم ہوا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کیونکہ یہ فرما دیا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی یا لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلے کرنے والا' مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا یا انہوں نے چونکہ پہلی مخلوق کو دیکھا تھا' اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فرشتوں کی یہ عرض بطور اعتراض نہ تھی نہ بنی آدم سے حسد کے طور پر تھی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں۔ فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ [1] یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے کے لئے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے' تو اب باادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں' تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے اور پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے' کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے فساد کے' پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر میں پیدا کر رہا ہوں' انہیں میں ہی جانتا ہوں' تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے۔ ان میں صدیق اور شہید ہوں گے۔ ان میں عابد' زاہد' اولیاء' ابرار' نیکوکار' مقرب بارگاہ' علماء' صلحاء' متقی' پرہیزگار' خوف الٰہی' حب باری تعالیٰ رکھنے والے بھی ہوں گے۔ میرے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرنے والے' میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک پکارنے والے بھی ہوں گے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں تب رات کے فرشتے آتے ہیں اور صبح کو جاتے

ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں تب بھی اور جب جاتے ہیں تب بھی صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الٰہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے' یہی وہ مصلحت الٰہی ہے جسے فرشتوں کو بتایا گیا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کو دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے الہ العالمین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی' اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے۔ جو تمہیں معلوم نہیں بعض کہتے ہیں یہ جواب فرشتوں کے اس قول کا ہے کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں تم جیسا سب کو یکساں سمجھتے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جواباً کہا گیا کہ تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حسنؒ' قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدیؒ کہتے ہیں مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ شریف کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں' حسد بغض کریں' قتل و خون کریں' ان میں وہ عدل و انصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا تو اس سے مراد حضرت آدم ہیں۔ جو ان کے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق میں عدل و انصاف کرنے میں ہیں لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ جو دوسرے زمانہ کے بعد آتا ہے۔ خلیفہ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا فلاں شخص کا خلیفہ ہوا جیسے قرآن میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور اسی لئے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں' مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' پہلے زمین میں جنات بستے تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل و غارت کیا۔ ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت زمین تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی۔ بعض صحابہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں' فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے' اس بنا پر انہوں نے سوال کیا۔

ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں، سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت ماروت تھے۔ اسے ہر دن تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش اور دیگر امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابوجعفر نے اسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔ بہر صورت یہ ایک واہی تواہی روایت ہے اور قابل تردید ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس روایت میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا۔ یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے۔ یہ بھی بنی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی، تو انہوں نے نہایت تعجب کے ساتھ مصلحت الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا، نہ کہ کوئی مشورہ دیا یا انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا ناممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں چھوٹی۔ زمین اور آسمان پر بھی امتحان آیا تھا اور انہوں نے سرخم کر کے اطاعت الٰہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، نماز پڑھنا، بے ادبی سے بچنا، بڑائی اور عظمت کرنا ہے۔ فرماں برداری کرنا، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وغیرہ پڑھنا ہے۔ قدس کے معنی پاک کے ہیں۔ پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے۔ جواب دیتے ہیں، وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ[1] (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں پر فرشتوں کی یہ تسبیح سنی سُبْحَانَ العلی الْاَعْلٰی سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔

خلیفہ کے فرائض اور خلافت کی نوعیت: ☆☆ امام قرطبیؒ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے، ان کے جھگڑے چکائے، مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے، حدیں قائم کرے، برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے وغیرہ۔ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو، وہ بھی واجب ہو جاتی ہے پس خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن و حدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضورؐ نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن حدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو۔ جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لئے کیا ہے۔ یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، یا اہل حل و عقد (یعنی با اثر سرداران لشکر علماء و صلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں، یا ان میں سے کوئی اس کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا۔ امام الحرمینؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور و جبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔

امام شافعیؒ نے صاف لفظوں میں فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض

تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں، بعض کہتے ہیں شرط ہے اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کہتا ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ چاہئیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کئے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مختار کر دیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی لیکن اس استدلال میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

امام کا مرد ہونا' آزاد ہونا' بالغ ہونا' عقلمند ہونا' مسلمان ہونا' عادل ہونا' مجتہد ہونا' آنکھوں والا ہونا' صحیح سالم اعضاء والا ہونا' فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا' قریشی ہونا' واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں متشدد رافضی لگاتے ہیں۔ امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو' جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو۔ اسی طرح خود امام اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دیا تھا لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔ روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں اتفاق ہو اور کوئی اگر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام الحرمین ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ ابھی اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمینؒ نے استاذ ابو اسحاقؒ سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں۔ خلفائے بنی عباس کا عراق میں اور خلفائے بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں' میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط و تفصیل ان شاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا اے اللہ تیری ذات پاک ہے ○ ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے ○ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا' کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے ○

آدم علیہ السلام کی وجہ فضیلت: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۳) یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الٰہی جو آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گذرا ہے' اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے ہوا تھا' بعد میں بیان کر دیا تاکہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم کو ملی کہ انہیں وہ علم ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانوروں زمین' آسمان' پہاڑ' تری' خشکی' گھوڑے' گدھے' برتن' بھانڈے' چرند' فرشتے' تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام بتائے گئے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد عَرَضَهُمْ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے ہی لایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ الخ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا' جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں' بعض دو پیروں پر چلتے ہیں' بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں عَرَضَهُنَّ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں عَرَضَهَا بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے' ذاتی نام بھی' صفاتی نام بھی' اور کاموں کے نام بھی جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ یہ حدیث لائے ہیں۔

مسئلہ شفاعت: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے' کیا اچھا ہوگا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجیں چنانچہ یہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا' آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش لے جائیں جو ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے۔ تم خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں تورات عنایت فرمائی۔ یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی جواب

پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آ جائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب ان کے پاس بھی جائیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ تم محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے' میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دے دی جائے گی' میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا' جب تک اللہ کو منظور ہو گا سجدے میں ہی پڑا رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے۔ سوال کیجئے۔ پورا کیا جائے گا' کہئے' سنا جائے گا' شفاعت کیجئے' قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا' پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا۔ پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر شفاعت کروں گا۔ پھر حد مقرر ہو گی۔ انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا۔ یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لئے جہنم کی مداومت واجب ہو گئی ہو (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم شریف میں' نسائی میں' ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔

یہاں اس کے وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے قول میں کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ نہ بنائے گا' سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے' سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ لیکن قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی خلافت زمین کے لائق ہو اور انسان نہیں۔ تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گذار ہو اور انسان نہیں' اگر سچا ہے تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں' انہی کے نام بتاؤ۔ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ جب موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں معلوم نہیں تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہو گا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنا شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا' اتنا ہی اسے علم ہے۔ تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے' تو ہر چیز کا جاننے والا ہے' اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے' جسے جو سکھائے وہ بھی حکمت اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت' تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ اور اپنے پاس کے دوسرے اصحاب سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ہم جانتے ہیں لیکن سُبْحَانَ اللّٰهِ کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔ حضرت آدم نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرئیل ہے' تمہارا نام میکائیل ہے' تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ چیل کوے وغیرہ سب کے نام جب ان سے پوچھے گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا' دیکھو میں نے تم سے پہلے نہ کہا تھا کہ میں ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور ارشاد فرمایا اَلَّا يَسْجُدُوْا الخ کیوں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور

زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہارے ہر باطن اور ظاہر کو جانتا ہے' اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے' اسے بھی میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا' اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا یہ کہنا کہ زمین میں ایسی شخصیت کو کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے' یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا اور جو چھپایا تھا وہ ابلیس کے دل میں غرور اور تکبر تھا۔ ابن عباسؓ' ابن مسعود اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور سدی اور ضحاک اور ثوری رحمہم اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہؒ' ربیع بن انسؒ' حسنؒ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ ان کی باطن بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا' ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور فضیلت دونوں میں اس پر فوقیت حاصل ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا' جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے' فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی۔ اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت دوزخ دونوں کو بھرنا ہے لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں دی۔ اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بندگی کا اقرار کر لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم' تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے۔ ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب و غرور کو بھی جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اسلئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لشکر مارڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حجرے کے آگے سے پکارا تھا لیکن قرآن میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ جو لوگ تمہیں اے نبی حجروں کے آگے سے پکارتے ہیں تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح وَمَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں ○

حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆☆ (آیت: ۳۴) حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرا دیجئے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے

سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔ انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا۔ انہی کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے، تمہیں خبر نہیں، پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے، ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا تو وہ بجتی مٹی ہوتی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو، پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑ دوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی گئی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا یعنی انسان بے صبرا اور جلد باز ہے، نہ تو خوشی، نہ رنج میں۔ جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا الحمد لله رب العلمين اللہ تعالیٰ نے جواب دیا يرحمك الله پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔ اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان، جانور، زمین، سمندر، پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھی تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں اسے خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے الٰہ العالمین ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ عزوجل اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے، ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں جس کا علم تو ہمیں دے دے، جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں؟۔ میں ہر پوشیدہ چیز کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ظاہر کو اور تم سب اس سے بے خبر ہو۔ لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں خامیاں ہیں، ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت بڑھ جائے گا اور ابن عباسؓ تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے جس کے متن میں کچھ کی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبرئیل گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ

تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے- وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا- زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں' چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک ایک مٹھی مٹی لی- چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا' کہیں سفید' کہیں سیاہ' اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں لیکن یہ روایت بھی بنواسرائیل کی روایات سے پر ہے غالباً اس میں بہت سی باتیں پیچھے کے لوگوں کی ملائی گئی ہیں- صحابی کا بیان ہی نہیں- اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض اگلی کتابوں سے لیا ہوگا- واللہ اعلم-

تعارف ابلیس: ☆☆ حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایتیں لائے ہیں اور ان کی سند کو بخاری سے مشروط کیا ہے- مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا- اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی- اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کَانَ مِنَ الْجِنِّ کی تفسیر میں آئے گی- ابن عباسؓ کہتے ہیں' نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا- عزرائیل اس کا نام تھا' زمین پر اس کی رہائش تھی' اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا- اس کے چار پر تھے- جنت کا خازن تھا' زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں- ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا- اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم کی اصل انس سے ہے- اس کی اسناد صحیح ہے- عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ اور شہر بن حوشبؒ کا بھی یہی قول ہے- سعد بن مسعودؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے- وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا-

ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کو کہا- انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے- پھر دوسری مخلوق پیدا کی- ان کا بھی یہی حشر ہوا- پھر تیسری مخلوق پیدا کی- انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہیں- اس میں ایک راوی مبہم ہے- اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں کَافِرِیْنَ سے مراد نافرمان ہے- ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر وضلالت پر تھی- کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا- سجدہ کرنے کا حکم بجا لانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا- بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت واکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھالیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا' ابا یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا- اگلی امتوں میں یہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہوگیا- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضورؐ سے گذارش کی کہ حضورؐ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے- امام رازی نے اسی کو ترجیح دی ہے' بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا- حضرت آدمؑ بطور قبلہ (یعنی سمت) کے تھے- جیسے قرآن کریم میں ہے اور جگہ ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے اور پہلے ہی قول کا زیادہ صحیح ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے- یہ سجدہ حضرت آدم کے اکرام بڑائی' احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی- امام رازیؒ نے بھی اسی قول کو قوی قرار دیا ہے- اور اس کے سوا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے- ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا

بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا اشرف ظاہر نہیں ہوتا' دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا' نہ کہ زمین میں ماتھا ٹکا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا' وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسی تکبر' کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا۔ یہاں ''کَانَ صَارَ'' کے معنی میں بتلایا گیا ہے جیسے کہ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ اور فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا۔ ابن فورک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

قرطبیؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کراماتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں' گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ سے جا ملے گا۔ اسی شیطان کو دیکھئے۔ ولی چھوڑیئے' فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں' اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں سے بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق' فاجر' مشرک' کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سوچا فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ کی آیت دل میں سوچ کر کے جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچ ہے تو اس نے کہا تھا' دخ۔ بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مارا۔ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں حدیثوں میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا' زمین سے پیداوار اگانا' زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا' ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر جلانا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت لیث بن سعدؒ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدے کا حکم زمین و آسمان کے تمام فرشتوں کو تھا گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ پس اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر ''کلھم'' سے تاکید کرنا پھر ''اجمعون'' کہنا اس کے بعد صرف ابلیس کا استثنا کرنا ان چاروں وجہوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْھَا فَاَخْرَجَھُمَا مِمَّا کَانَا فِیْہِ ۠ وَقُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں

ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ○

اعزاز آدم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دے دی۔ ابن مردویہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ کیا حضرت آدمؑ نبی تھے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں! نبی بھی رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ عام مفسرین کا بیان ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی' سورۂ اعراف میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حواؑ پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ کے علماء سے بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ ابلیس کے مردود قرار دینے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ کی کیفیت طاری کر دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدمؑ نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان میں انس ومحبت' ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حواؑ پیدا کی گئیں۔

حضرت ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے' اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے۔ انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حواؑ نے فرمایا' میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں' تو فوراً فرشتوں نے پوچھا' فرمایئے' ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا ''حوا'' انہوں نے کہا' اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی' اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں باآرام واطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔

ایک خاص درخت سے روکنا دراصل امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے۔ گیہوں کا درخت تھا' کسی نے سنبلہ کہا ہے' کسی نے کھجور' کسی نے انجیر کہا ہے' کسی نے کہا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کسی نے کہا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشہ کی زندگی پا گئے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ نے روک دیا نہ قرآن سے اس کا تعین ثابت ہوتا ہے' نہ کسی صحیح حدیث سے۔ مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم ہونے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہٰذا اس کی جستجو کی کیا ضرورت؟ اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازیؒ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ عَنْهَا کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ۔ ایک قرات فَاَزَالَهُمَا بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو بےتعلق اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ بھی ہوئے کہ اسی درخت کے سبب شیطان نے انہیں بہکا دیا۔

سفر ارضی کا آغاز: ☆☆ لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے یُؤْفَكُ عَنْهُ میں۔ اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس اور وہ پاک مکان' نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئی اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارا رزق ہے' قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ اور ابلیس کا قصہ' یعنی ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا۔ کس طرح وسوسہ ڈالا وغیرہ اس کے بارے میں لمبے چوڑے قصے مفسرین نے لکھے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیل کے ہاں کا خزانہ ہے' تاہم ہم انہیں سورۂ اعراف میں بیان کریں گے کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت کا پھل چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا' اپنے تئیں ننگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے' وہ ایک درخت میں اٹک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدمؑ کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا' نہیں الٰہی میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں- ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم میرے پاس سے چلے جاؤ' مجھے میری عزت کی قسم' میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے' اگر اتنی مخلوق تم میں پیدا کروں کہ زمین بھر جائے اور پھر وہ میری نافرمانی کرے تو یقیناً میں اسے بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں- یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضال بھی ہے-

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نماز عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یہ ایک ساعت ایک سوتیس سال کی تھی- ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں' نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدمؑ کا اخراج ہوا' ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا- سدیؒ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ہند کے شہر ''دھنا'' میں اترے تھے- ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے- حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضرت آدم ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستمیساں میں پھینکا گیا اور سانپ اصفہان میں- ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے- اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا- حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صفتیں سکھا دیں اور پھلوں کا توشہ دیا- ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے' اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے' اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے- ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی-

امام رازیؒ فرماتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجوہات مضمر ہیں- اول تو یہ سوچنا چاہئے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی- کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو' کیا تم بھول گئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا؟ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں' دیکھئے کب صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں- فتح موصلی کہتے ہیں' ہم جنتی تھے' ابلیس کے بہکانے میں آ کر دنیا کی قید میں آ پھنسے' اب سوائے غم و رنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب ہم وہیں پہنچ جائیں' جہاں سے نکالے گئے ہیں-

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے- چنانچہ توراۃ میں ہے کہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے وسوسہ ان کے دل میں ڈالا تھا- اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی وسوسہ ان کے دل میں ڈالا- قرطبیؒ نے یہاں پر سانپوں کے بارے میں اور ان کے مار ڈالنے کے حکم سے متعلق حدیثیں بھی تحریر کی ہیں جو بہت مفید اور با موقع ہیں-

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ

الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معافی نامہ کا متن: ☆☆ (آیت:۳۷) جو کلمات حضرت آدمؑ نے سیکھے تھے' ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی ان دونوں نے کہا' اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا' تو یقیناً ہم نقصان والے ہو جائیں گے۔ اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا الٰہی جو خطا میں نے کی' کیا اسے میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا؟ یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں بلکہ پہلے ہی لکھ دیا گیا' اسے سن کر آپ نے کہا' پھر الٰہی مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے کہا الٰہی کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر یَرْحَمُكَ اللّٰهُ نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں کر گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں لکھی تھی؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہ سب میں نے کیا ہے تو کہا پھر الٰہی میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ نے اللہ سے سیکھ لیں۔

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا الٰہی اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے یہی معنی ہیں۔ لیکن یہ حدیث علاوہ غریب ہونے کے منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر رَبَّنَا ظَلَمْنَا اور ان سب باتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ قرآن کریم میں اور جگہ ہے' کیا لوگ نہیں جانتے؟ کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ اور جگہ ہے جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اسے اپنے رحم و کرم میں لے لے گا اور جگہ ہے وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ ان سب آیتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے' اسی طرح یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم' اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ اس سے زیادہ کوئی مہر و کرم والا' نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۱۰

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ' جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں ہوگا ○ اور جو انکار کر کے ہماری

آیتوں کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

جنت کے حصول کی شرائط: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدمؑ' حضرت حواؑ اور ابلیس کو دی گئی' اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں' انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کئے جائیں گے' دلائل بیان فرمائے جائیں گے' راہ حق واضح کر دی جائے گی' آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے' آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا' جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا' اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی دنیا کے کھو جانے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۂ طٰہٰ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے' نہ بدبخت و بےنصیب مگر میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھاپن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی' نہ ہی خوشگوار زندگی ملے گی ہاں جن موحد' متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلے ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت کی وجہ سے نکال لئے جائیں گے۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے کہ بعض تو کہتے ہیں دوسری دفعہ جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ○ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو ○

بنی اسرائیل سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) ان آیتوں میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور علیہ السلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انتہائی لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو' تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہیں چاہئے کہ سب سے پہلے انکار تمہیں سے شروع ہو۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام تھا' تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے جدامجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو' سخاوت میں آگے بڑھو۔ تم پہلوان کی اولاد ہو۔ داد شجاعت دو۔ تم عالم کے بچے ہو۔ علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اسی طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا یعنی ہمارے شکر گذار بندے حضرت نوحؑ کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالمگیر طوفان سے بچایا تھا' یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام تھا۔ وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے۔ حضورؐ نے کہا الٰہی تو گواہ رہ۔ اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں۔ ان نعمتوں کو یاد دلایا جاتا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں مثلاً پتھر سے نہروں کو جاری کرنا' من وسلویٰ اتارنا' فرعونیوں سے آزاد کرنا' انہیں میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا' ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ ان کو ہدایت دی جاتی ہے میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی میں نے جو عہد تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ تمہارے پاس آئیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم اس پر اور آپؐ کی ذات پر ایمان لانا۔ وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکام کے متبادل آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ الخ یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے' زکوٰۃ دیتے رہو گے' میرے رسولوں کی ہدایت مانتے رہو گے' مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اتنا بڑا عظیم الشان پیغمبر پیدا کر دوں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض ہو گی' ان کے تابعداروں کو بخشوں گا' انہیں جنت میں داخل کروں گا اور دوہرا اجر دوں گا۔

حضرت امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی بابت پیشین گوئی نقل کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کا عہد' اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ اللہ کا اپنے عہد کو پورا کرنا' ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے۔ مزید فرمایا' مجھ سے ڈرو ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آ جائیں۔ اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملحق کر دیا گیا ہے۔ رغبت و رہبت دونوں جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمدؐ کی دعوت دی گئی۔ قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے' اس کے بتلائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن حکیم پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے' جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں' جو امی ہیں' عربی ہیں' جو بشیر ہیں' جو نذیر ہیں' جو سراج منیر ہیں' جن کا اسم شریف محمد ہے ﷺ۔ جو توراۃ اور انجیل کو سچ ماننے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں۔ چونکہ توراۃ اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر تھا تو آپ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی۔ اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں موجود کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ علم ہونے کے باوجود تم ہی سب سے پہلے انکار نہ کرو بعض کہتے ہیں ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے بما انزلت اور دونوں قول درحقیقت سچے اور ایک ہی ہیں۔ قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسولؐ کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔ اول کافر سے مراد بنی اسرائیل کے اولین منکر ہیں کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے لٰہذا بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا' اس لئے انہیں اول کافر کہا گیا۔ ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے' میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی' بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ سنن ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوئی ہے' اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے' اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تا کہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی

وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے اور امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماءؒ کا یہی مذہب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضورؐ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو ان سب میں زیادہ حقدار کتاب اللہ ہے۔ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اور تو اسے قرآن حکیم جو تجھے یاد ہے اسے بطور حق مہر یاد کرا دے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ دی اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی بن کعب سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت واطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر گامزن رہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آ کر حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کو جو اس کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کی طمع پر آپ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر اظہار حق کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ۔ تمہیں تو خود اس کا علم ہے ○ اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو ○

بدخو یہودی: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) یہودیوں کی اس بدخصلت پر ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ جاننے کے باوجود کبھی تو حق و باطل کو خلط ملط کر دیا کرتے تھے کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے۔ کبھی باطل کو ظاہر کرتے تھے لہٰذا انہیں ان ناپاک عادتوں کے چھوڑنے کو کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ حق و باطل سچ جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت ونصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہؐ کی بابت پیشین گوئیاں جو تمہاری کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ تَكْتُمُوْا مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں تَكْتُمُوْنَ بھی ہے۔ یہ حال ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ علم کے باوجود اسے چھپانے اور ملاوٹ کرنے کا کیسا عذاب ہوگا۔ پھر بھی افسوس کہ تم بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔

پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نمازیں پڑھو زکوٰۃ دو اور امت محمدؐ کے ساتھ رکوع سجود میں شامل رہا کرو انہیں میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ہی کی امت بن جاؤ۔ اطاعت واخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دوسو

درہم پر پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہیں۔ اس کے بغیر سبھی اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے فطرہ بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علماء نے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبیؒ نے مسائل جماعت کو سبط سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو؟ باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو۔ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ○

دوغلا پن اور یہودی: ☆☆ (آیت:۴۴) یعنی اہل کتاب اس علم کے باوجود جو "کہے اور نہ کرے" اس پر کتنا عذاب نازل ہوتا ہے، پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو، خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ، لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا، یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہونا ضروری ہے۔ اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ کے اس نبی کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کو قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر، خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انسان پورا سمجھدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

مبلغین کے لئے خصوصی ہدایات: ☆☆ (آیت:۴۴) یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر ان کی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔ اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی ہے بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ الخ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں جس کام سے روکوں، وہ خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے، میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کے کرنے کے لئے کہنا بھی واجب ہے اور خود کرنا بھی واجب۔ ایک کو نہ کرنے سے دوسرا بھی چھوڑ دینا نہیں چاہئے۔ علماء سلف و خلف کا قول یہی ہے۔ گو بعض کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ برائیوں والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور خود بھی کرے اور رکے۔ اگر دونوں چھوڑے گا تو دوہرا گنہگار ہو گا۔ ایک کے ترک پر اکہرا۔ طبرانی کی معجم کبیر میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے، اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے، علم کے

باوجود سمجھتے نہیں تھے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جارہے تھے' یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں موجود ہے۔ ابووائلؒ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ حضرت اسامہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہتے' آپ نے جواب دیا کہ تمہیں سنا کر ہی کہوں تو ہی کہنا ہوگا' میں تو انہیں پوشیدہ طور پر ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی بات کو پھیلانا نہیں چاہتا۔ اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا' اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا' جہنمی جمع ہوکر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے' یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا' میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا (مسند احمد) بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگذر کرے گا' جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عام آدمی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے' عالم جاہل یکساں نہیں ہوسکتے۔ قرآن کریم میں ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ جاننے والے اور انجان برابر نہیں' نصیحت صرف عقلمند لوگ ہی حاصل کرسکتے ہیں۔ ابن عساکر میں ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن سن کر ہم تو جنتی بن گئے مگر تم جہنم میں کیوں آپڑے۔ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا حضرت میں بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا' کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا' اگر تم ان تین آیتوں کی فضیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھولے جارہے ہو؟ دوسری آیت لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں' ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا' میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے' کہو تم ان تینوں آیتوں سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو۔ (تفسیر مردویہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جو لوگوں کو کسی قول فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود آپ عمل کرنے لگ جائے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ والی تینوں آیتیں پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾
الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿٤٦﴾ ع ۵

صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر ○ جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ

کر جانے والے ہیں ○

صبر کا مفہوم: ☆☆ (آیت:۴۵-۴۶) اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو' فرائض بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو' روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں' روزہ آدھا صبر ہے' [1] صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے۔ اس آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رُکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا' نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' صبر کی دو قسمیں ہیں مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے ارتکاب سے صبر اور یہ صبر پہلے سے زیادہ اچھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' انسان کا ہر چیز کا اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا' ثواب کا طلب کرنا' اللہ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا' یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے خود قرآن میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ نماز کو قائم رکھ' یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپؐ نماز پڑھا کرتے۔ فوراً نماز میں لگ جاتے۔ چنانچہ جنگ خندق کے موقعہ پر' رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ) ساری رات نماز میں مشغول رہے' صبح تک نماز میں اور دعا میں لگے رہے۔

ابن جریرؒ میں ہے' نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں' آپ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' اٹھو نماز شروع کر دو' اس میں شفا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثمؓ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوٰۃ سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔

ان کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے تو صلوٰۃ یعنی نماز کو کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں وَلَا يُلَقّٰهَا کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں وَمَا يُلَقّٰهَا کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ صبر و صلوٰۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں' یہ حصہ اللہ کا خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے' سچے مومن' کانپنے والے' متواضع' اطاعت کی طرف جھکنے والے' وعدے وعید کو سچا ماننے والے ہیں' اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں' جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا تھا' یہ بری چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو' اس پر آسان ہے۔ ابن جریرؒ نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں سے ہی خطاب قرار دیا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان انہی کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے چل کر خٰشِعِيْنَ کی صفت ہے۔ اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی اور صارخ کا لفظ بھی فریاد رس اور فریاد کن دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں وَرَاَ

الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ مُّوَاقِعُوْھَا یعنی گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے- یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' قرآن میں ایسی جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے- ابوالعالیہؒ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کرتے ہیں- حضرت مجاہدؒ' سدیؒ' ربیع بن انس اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے- ابن جریجؒ بھی یہی فرماتے ہیں- قرآن میں دوسری جگہ ہے اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے-

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے اکرام نہیں کئے تھے؟ کیا تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام' کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا' ہاں پروردگار یہ سب کچھ تھا- پھر کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اللہ تعالیٰ اسے نہیں مانتا تھا- اللہ تعالیٰ فرمائے گا بس جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا' آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا' اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے- اس کی مزید تحقیق و تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ کی تفسیر میں آئے گی-

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ○

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر اللہ تعالیٰ کے انعامات: ☆☆ (آیت:۴۷) بنی اسرائیل کے آباواجداد پر جو نعمت الٰہیہ انعام کی گئی تھی' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے' ان پر کتابیں اتریں' انہیں ان کے زمانہ کے دوسرے لوگوں پر مرتبہ دیا جیسے فرمایا وَلَقَدِ اخْتَرْنٰھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ یعنی انہیں ان کے زمانے کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی- اور فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی گئی ہے' تم میں اس نے پیغمبر پیدا کئے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا- تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانے کے تمام اور لوگ ہیں اس لئے کہ امت محمدیہ ان سے یقیناً افضل ہے- اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ الخ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہو' تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو' اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا- مسانید اور سنن میں مروی ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو- اس قسم کی اور بہت سی حدیثوں کا ذکر ان شاء اللہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ الخ کی تفسیر میں آئے گا- اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر خاص قسم کی فضیلت مراد ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی- رازیؒ نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لئے کہ انبیاء کرام انہی میں سے ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس میں بھی غور وخوض کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس طرح کا اطلاق کے اجتماعی اعزاز کو اگلے لوگوں پر بھی ہوتا ہے- اور حقیقت میں اگلے انبیاء ان میں شمار نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ﷺ اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ان سب کے بعد ہوئے لیکن تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی صلوۃ اللہ و سلامہ علیہ-

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ○

حشر کا منظر: ☆☆ (آیت:۴۸) نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا جیسے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا اور فرمایا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ یعنی اس دن ہر شخص نفسانفسی میں پڑا ہوا ہوگا اور فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ارشاد ہے وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ یعنی کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہو اور فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔ یہ بھی ارشاد ہے' فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جو لوگ کفر پر مرجاتے ہیں' وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہوسکتا' اور جگہ ہے' کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اس کے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں۔ اور جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کرلو جس دن نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت' مزید فرمایا لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علیؓ والی حدیث میں صرف کے معنی نفل اور دل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے' حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہیں ہوگا' قرابتیں کٹ جائیں گی' جاہ وحشم جاتا رہے گا' کسی کے دل میں ان کے لئے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت وقوت رہے گی اور جگہ ہے هُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔ اور جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب دے سکے نہ اس کی سی قید وبند۔ اور جگہ ہے مَا لَکُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ اور آیت میں ہے فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً الخ اللہ کی نزدیکی کے لئے وہ اللہ کے سوا پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آج وہ معبود اپنے عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ وہ تو غائب ہوگئے۔ مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہوگئیں' رشوتیں کٹ گئیں' شفاعتیں مٹ گئیں' آپس کی امداد ونصرت نابود ہوگئی' معاملہ اس عادل' حاکم' جبار وقہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے' جس کے ہاں سفارشیوں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے۔ ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم وکرم انعام واکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے کہ وقفہ لینے دو تاکہ ان سے ایک سوال کرلیا جائے گا کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد چھوڑ کر نفسانفسی میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے سر جھکائے اور تابع فرمان ہیں۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے' جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی O اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا O

احسانات کی یاد دہانی: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) ان آیتوں میں فرمان باری ہے کہ اے اولاد یعقوبؑ میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعون کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا' فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں اس کا غرور ٹوٹے گا اس کے خدائی دعویٰ کی بدترین سزا اسے ملے گی۔ اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو' سرکاری طور سے اس کی دیکھ بھال رکھی جائے۔ اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے علاوہ ازیں بنی اسرائیل سے سخت بیگار لی جائے۔ ہر طرح کی مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں پر عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۂ ابراہیم میں ایک کا دوسری پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح ان شاء اللہ سورۂ قصص کے شروع میں بیان ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوطی دے۔ ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ یَسُوْمُوْنَکُمْ کے معنی مسلسل اور کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیئے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لئے فرعون کے عذاب کی تفسیر کو لڑکوں کے قتل کرنے کے طور پر بیان فرمایا اور سورۂ ابراہیمؑ کے شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو' اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تا کہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے' ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے کہ روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں تھا۔ اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا کہ اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی بَلَآءٌ کے اصلی معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر حضرت ابن عباسؓ' حضرت مجاہدؒ' ابو العالیہؒ' ابو مالکؒ' سدیؒ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں۔ امتحان اور آزمائش' بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلوتہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور اُبْلِیْهِ اِبْلَاءً وَبَلَاءً کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں تھی۔ قرطبیؒ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہو گا اور بلاء کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعون سے بچا لیا۔ تم موسیٰ

" کے ساتھ شہر سے نکلے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکر سمیت ڈبو دیا۔ ان سب باتوں کا تفصیل وار بیان سورۂ شعراء میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عمرو بن میمونؒ اودی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلو اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا۔ مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہوں۔ اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ ہو گئی۔ پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں۔ آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نونؑ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے؟ آپؑ نے فرمایا' حکم الٰہی ہمارا راہنما ہے' یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں' نہ رب کو' تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔ اب حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دریا پر مارو' عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گذر گئے' انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونی افواج نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام اس میں داخل ہو گئے تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا' پانی کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورے کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں' پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا' تم سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں' پس حضورؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری' مسلم' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے استاد یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ○ لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں

معاف کر دیا۔ تا کہ تم شکر کرو ○ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے ○

چالیس دن کا وعدہ: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۳) یہاں بھی اللہ برتر و اعلیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے جب کہ تمہارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور اس کے بعد تم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی۔ پھر ان کے آنے پر جب تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بخش دیا اور قرآن میں ہے وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے حضرت موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یہ واقعہ فرعونیوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ کتاب سے مراد توراۃ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل' ہدایت و ضلالت میں فرق کرے' یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۂ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بھی آیا ہے یعنی ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے' کتاب پر ''فرقان'' کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفاد ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دو ناموں سے بطور عطف کے کلام عرب میں آیا کرتی ہے۔ شعراء عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپس میں قتل کرو۔ تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے۔ وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

سخت ترین سزا: ☆☆ (آیت: ۵۴) یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں کو گھیر لیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے۔ تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو' بتلا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا' انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جب وہ ہٹا اور انہیں روک دیا گیا تو شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا۔ قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ یا اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرمادیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر' مقتولوں کا غم نہ کرو۔ وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں' وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پارہے ہیں۔ اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلوار' نیزے' چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں۔ آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور اللہ تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

(تم اسے بھی یاد کرو کہ) تم نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے ○ (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گذاری کرو۔ اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کردیا ○

ہم بھی اللہ عزوجل کو خود دیکھیں گے: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۶) موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ یا اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اللہ یا بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے۔ انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کردیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی' بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہادی' اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو ورنہ روزہ رکھو' پاک صاف ہو جاؤ' کپڑوں کو پاک کرلو جب بحکم رب ذوالجلال طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ کے قریب ہو گئے جب کلام اللہ شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہوگئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الٰہ العالمین ختم ہوا' بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے' موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی

ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر' یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے۔ جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی۔ ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں' میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ سدی کبیر کہتے ہیں یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑانے کے بعد کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد وہی ستر شخص ہیں۔

رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول بھی ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا۔ یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا۔ پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہمیں کیا خبر' اللہ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں' ہرگز ایمان نہ لائیں گے' اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے۔ پھر زندہ کئے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا۔ اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی' مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی۔ اب تصدیق ایک بے اختیاری امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے۔ خود ان کے ساتھ ایسے ایسے معاملات ہوئے جو بالکل نادر اور خلاف قیاس اور زبردست معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے۔ اسی طرح یہ بھی ٹھیک قول ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو۔ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم

کیا کرتے تھے O

یہود پہ احسانات الٰہیہ کی تفصیل: ☆☆ (آیت:۵۷) سابقہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فلاں فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں غَمَامٌ غَمَامَۃٌ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں۔ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے' ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ربیع بن انسؒ ابومجازؒ ضحاکؒ اور سدیؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا۔ ابوحذیفہ کا قول بھی یہی ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادل میں آئیں۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

جو ''من'' ان پر اترا' وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے۔ وہ گوند کی قسم کا تھا۔ کوئی کہتا ہے شبنم کی وضع کا تھا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر آفتاب نکلنے تک اترتا رہتا تھا۔ ہر شخص اپنے گھر بار کے لئے اتنی مقدار میں جمع کر لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو اگر کوئی زیادہ لیتا تو بگڑ جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دو دن کا لے لیتے تھے جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں' من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے شعبیؒ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس ''من'' کا سترواں حصہ ہے۔ شعروں میں یہی ''من'' شہد کے معنی میں آیا ہے۔ یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بلاتکلیف وتکلف ملتی تھی۔ اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لیا جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دی جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں ''من'' سے مراد یہی من مشہور نہیں۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کھمبی ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے۔ وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے' جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھمبی کا درخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا' کھمبی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ سلویٰ ایک قسم کا پرند ہے' چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے' سرخی مائل رنگ کا' جنوبی ہوائیں چلتی تھی اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں۔ بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے۔ اگر ایک دن گذر کر بچ جاتا تو وہ بگڑ جاتا تھا اور جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہوتا تھا' اس دن عبادتوں میں مشغول رہنے اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے' ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تیہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا' تب ان پر من وسلویٰ اتارا گیا اور پانی کے لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو'

عصا لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ بغیر گذر مشکل ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا' رہ گیا لباس تو قدرت الٰہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے' وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد وقامت بڑھتا' لباس بھی بڑھتا جاتا' نہ پھٹتا' نہ خراب ہوتا' نہ میلا ہوتا' ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن پاک میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور اِذِا سْتَسْقٰی والی آیت وغیرہ۔

ہذلیؒ کہتے ہیں کہ سلویٰ شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ تو رجؒ نے اور جوہریؒ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے۔ کسائیؒ کہتے ہیں' سلویٰ واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاویٰ آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلویٰ۔ غرض یہ اللہ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لئے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت کچھ اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

تقابلی جائزہ: ☆☆ بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحابؓ رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع نبیؐ پر اور عبادت الٰہی پر جمے رہے' نہ معجزات طلب کئے' نہ دنیا کی راحتیں مانگیں' نہ اپنے تعیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا' جمع کر کے حاضر کر دیا۔ جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا' حضورؐ نے دعا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لئے' پانی کے قطرے قطرے کو جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسولؐ کی دعا سے ایک ابر آیا اور ریل پیل کر دی' پیا پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لئے۔ پس صحابہؓ کی اس ثابت قدمی' اولوالعزمی' کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گذرو اور زبان سے حطۃ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے ⊙ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی' بدل ڈالا' ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا ○

یہود کی پھر حکم عدولی: ☆☆ (آیت:۵۸-۵۹) جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جوان کی موروثی زمین تھی' ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں' ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدیؒ' ربیعؒ' قتادہ' ابو مسلمؒ وغیرہ نے یہی کہا ہے قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا' اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریحاء ہے' بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیہہ سے نکلنے کے بعد کا ہے۔ جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لئے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے' فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کے اظہار تشکر کا مظہر ہوگا۔

ابن عباسؓ نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے' سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا۔ حِطَّةٌ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں' اس سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں' ان میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں' اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو گے تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں' میں تمہاری خطاؤں سے درگذر کر لوں گا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر فرمان الٰہی سورۂ اِذَا جَآءَ نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے' مکہ فتح ہو اور لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج آنے لگیں تو اے نبی تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرو' اس سے استغفار کرو۔ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر و استغفار کا ذکر ہے' وہاں حضورؐ کے آخری وقت کی خبر تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر تھے' یہاں تک کہ سر جھکائے ہوئے تھے اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکر یہ کی بھی' دونوں طرح کے قول محدثینؒ کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں' دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کی بجائے حبتہ فی شعر کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی' عبدالرزاق' ابوداؤد' مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے۔

حضرت ابو سعید' خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ میں سُفَهَاء یعنی جاہلوں سے

مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حِطَّةٌ کے بدلے انہوں نے حِنْطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَآءُ فِيهَا شَعِيرَةٌ کہا تھا۔ ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے هطا سمعانا ازبة مزبا ابن عباسؓ بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بدلے حنطة کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ حضرت عطاؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ، حسنؒ، قتادہؒ، ربیعؒ، یحییٰؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے، کوئی کہتا ہے غضب ہے، کسی نے طاعون کہا ہے۔ ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ۝

یہود پر تسلسل احسانات: ☆☆ (آیت:۶۰) یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر قبیلے کے لئے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کرا دیا جسے ہر قبیلہ نے جان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو بے محنت کی روزی کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ وندی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے، رکھ دیتے اور عصا کی ضرب لگتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے، اٹھا لیتے، نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔ ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا، دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا، دو شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیبؑ کو ملا تھا۔ انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل کے مشورہ سے اٹھا لیا تھا جس سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

زمخشریؒ کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جس کے لئے ہے، عہد کے لئے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر عصا مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حضرت حسن سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزے کا کمال اور قدرت کا پورا اظہار ہے، آپ کی لکڑی لگتے ہی وہ بہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی

لگتے ہی خشک ہو جاتا - بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہو تا کہ انہیں یقین آ جائے - واللہ اعلم -

ہر ایک قبیلہ اپنی اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلے کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے' یہ واقعہ میدان تیہہ کا ہے - سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورت مکی ہے' اس لئے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے' وہ اپنے رسول کے سامنے دوہرائے ہیں اور یہ سورت مدنی ہے اس لئے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے - سورۂ اعراف میں فَانۡبَجَسَتۡ کہا اور یہاں فَانۡفَجَرَتۡ کہا اس لئے کہ وہاں اول اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے - واللہ اعلم - اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی زمخشری نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے - واللہ اعلم -

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّـآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا - اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ' ککڑی' گیہوں مسور اور پیاز دے' آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے یہ ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو' اچھا کسی شہر میں جاؤ - وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی -

---

احسان فراموش یہود: ☆☆ (آیت:۶۱) یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت اللہ کی ناقدری بیان کی جا رہی ہے کہ من وسلویٰ جیسے پاکیزہ کھانے پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے' ایک طعام سے مراد ایک قسم کا کھانا یعنی من وسلویٰ ہے - فُوۡم کے معنی میں اختلاف ہے' ابن مسعودؓ کی قرات میں ثُوۡم ہے' مجاہدؒ نے فُوۡم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے یعنی لہسن' حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے - اگلی لغت کی کتابوں میں فَوِّمُوۡالَنَا کے معنی اِخۡتَبِزُوۡا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے عَاثُوۡرِشَرٍّ' عَافُوۡرِشَرٍّ' اثاثی' اثافی' مَغَافِيۡر' مَغَاثِيۡر وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث بدلا گیا کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں - [1] واللہ اعلم - اور لوگ کہتے ہیں فُوۡم کے معنی گیہوں کے ہیں' حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور احیحہ کے شعر میں بھی فُوۡم گیہوں کے معنی میں آیا ہے - بنی ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا - فوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں' بعض نے سنبلہ کے معنی کئے ہیں -

حضرت قتادہؒ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے' اسے فوم کہتے ہیں - بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں' حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم ردی چیز کو بہتر کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا شہر میں جاؤ' وہاں یہ سب چیزیں پاؤ گے -

جمہور کی قرات ''مصرا'' ہی ہے اور تمام قرأتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ سے مصر کی قرات بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصرا سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لیا گیا ہو اور یہ الف مِصرًا کا ایسا ہو جیسا قَوَارِیْرَا قَوَارِیْرَا میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہوئے یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں وہاں پالو گے۔ میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا۔ اس لئے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا واللہ اعلم۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے ○ مسلمان ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی ○

پاداش عمل: ☆☆ (آیت:۶۱) مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان کا مقدر بنا دی گئی۔ اہانت و پستی ان پر مسلط کر دی گئی، جزیہ ان سے وصول کیا گیا، مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈال دیا گیا، فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی۔ اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا۔ ''آباؤ'' کے معنی لوٹنے اور ''رجوع کیا'' کے ہیں۔ باء کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر، عناد حق کی قبولیت سے انکار، اللہ کی آیتوں سے کفر، انبیا اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بنا پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کون سا ہو گا کہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور اس کے نبیوں کو بلاوجہ قتل کرتے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں، تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔ مالک بن مرارہ رہاویؓ ایک روز خدمت رسولؐ میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں خوبصورت آدمی ہوں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء تک پہنچ گیا تھا، اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک بنی اسرائیل ان میں موجود تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں مشغول ہو جاتا (ابوداؤد طیالسی)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہو گا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا وہ امام جو تصویریں بنانے والا یعنی مصور ہو گا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا بدلہ تھا' یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

فرماں برداروں کے لئے بشارت: ☆☆ (آیت:۶۲) اوپر چونکہ نافرمانوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے' ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تاقیامت ہے کہ نہ مستقبل کا ڈر' نہ یہاں حاصل نہ ہونے والی اشیاء کا افسوس و حسرت۔ اور جگہ ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں' یہی کہتے ہیں کہ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم ڈرو نہیں' تم اداس نہ ہو' تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا' ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان ؓ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں' حضرت سلمان ؓ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر اب بھی وہ توراۃ اور سنت موسیٰ پر جما رہے اور حضرت عیسیٰ کا انکار کرے اور تابعداری نہ کرے تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے' شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانے میں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفی ﷺ کو پالے تو آپ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اگر اب بھی وہ انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑے اور حضور ؐ کی رسالت کو تسلیم نہ کرے تو ہلاک ہو گا۔ (ابن ابی حاتم) سدیؒ نے یہی روایت کی ہے اور سعید بن جبیرؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار' اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا ہے لیکن جب دوسرا نبی آئے اور وہ اس سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔

قرآن کی ایک آیت تو یہ جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [3] یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو' اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہو گا۔ ان دونوں آیتوں میں یہی تطبیق ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل' کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہ ؐ کے مطابق نہ ہو' مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے۔ آپ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے' ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کی مطابقت شرط ہے۔

یہود کون ہیں؟ ☆☆ لفظ یہود ہوداً سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے' جس کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ [4] حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں' ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر سے یہود کہا گیا ہے' توبہ کی وجہ اور آپس میں دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں یہ یہودا کی اولاد میں سے تھے' اس لئے انہیں یہود کہا گیا ہے' یہودا حضرت یعقوب ؑ کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی

حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی۔ تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا۔ اس لئے انہیں نصاری کہا گیا۔ قتادہؒ اور ابن جریجؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

نصاریٰ نصران کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاویٰ اور سکران کی جمع سکاریٰ۔ اس کا مونث نصرانۃ آتا ہے۔ اب جبکہ خاتم النبین ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر بھی اور دوسرے سب پر بھی آپ کی تصدیق و اتباع واجب قرار دی گئی اور ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے آپ کی امت کا نام مومن رکھا گیا اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لا مذہب کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ابو حنیفہؒ اور اسحٰقؒ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔ حضرت حسن اور حضرت حکم فرماتے ہیں' یہ گروہ مجوسیوں کی مانند ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابوالزناد فرماتے ہیں' یہ لوگ عراقی ہیں۔ بکوثی کے رہنے والے سب نبیوںؑ کو مانتے ہیں' ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے۔ جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے۔ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضور اور آپ کے صحابہ کو لا الہ الا اللہ صابی کہتے تھے یعنی کہنے کی بنا پر۔ ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔

ابوسعید اصطخریؒ نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ رازی فرماتے ہیں' یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے' کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی میں مشرکین اصحاب رسول اللہ ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے' اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے' اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو ○ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے ○ یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ ○ اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیز گاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا ○

عہد شکن یہود: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جیسے اور جگہ ہے وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ الخ جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کر کھڑا کیا اور وہ یقین کر چکے کہ اب پہاڑ ان پر گر کر انہیں کچل ڈالے گا۔ اس وقت ہم نے کہا' ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے' طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہؓ اور تابعین نے اس کی تفسیر کی ہے ثابت یہی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ اگتا ہو۔ حدیث فتون میں براویت ابن عباسؓ مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا' اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کر کھڑا کیا گیا کہ اب تو احکامات سنیں۔ سدیؒ کہتے ہیں' ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا اس وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا' اس سے مراد توراۃ ہے۔ قوت سے مراد طاعت ہے یعنی توراۃ پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور اس میں جو ہے' اسے یاد کرو اور اس پر عمل کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو۔ لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق' اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کے بعد بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور عہد شکنی کی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی' اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا۔ اس وعدے کو توڑنے کی بنا پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

صورتیں مسخ کر دی گئیں: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۶) اس واقعہ کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں ہے جہاں فرمایا وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ الخ وہیں اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے۔ ان پر ہفتہ کے دن تعظیم ضروری کی گئی تھی۔ اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے مکاری کی۔

گڑھے کھود لئے' رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ آ گئیں۔ یہاں پھنس گئیں۔ اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا' اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے۔ یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور عبارت قرآن کے ظاہر الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ اس آیت پر پھر سورۂ اعراف کی آیت وَسْئَلْهُمْ الخ پر اور وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ الخ پر نظر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جوان لوگ بندر بن گئے اور بوڑھے سور بنا دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' یہ تمام مرد اور عورت دم والے بندر بنا دیئے گئے۔ آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے۔ جو لوگ انہیں اس مکروہ حیلہ سے روکتے تھے' وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی۔ تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی۔ یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے۔ کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ بندر جو اب ہیں اور جو اس وقت بھی تھے' یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے' اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ اپنے غضب و غصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے نجات دے۔ آمین) خاسین کے معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے جو بیان کیا ہے' وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت و ادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا۔ اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کودتی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

ازاں بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا۔ اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا' میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے۔ آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے۔ پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے' ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے' کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے' وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے۔ ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں۔ ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت وقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا' وہ تو ان کا پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے' نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے' انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں۔

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے' اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گذر گئی۔ ایک دن صبح مسلمان جاگے۔ دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ لوگ

متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا۔ دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں' ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے' اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں' جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں' بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں' عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے' یہ فلاں عورت ہے' یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا۔ صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔ یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں۔ سچ مچ بندر بنا دیئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہدؒ کا قول ہے۔ ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

فَجَعَلْنَا هَا میں هَا کی ضمیر کا مرجع قِرَدَة ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو سبب عبرت بنایا۔ اس کا مرجع حِيْتَان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع عُقُوْبَة ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قَرْيَه ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرتناک امر واقعہ بنا دیا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

نکال کہتے ہیں عذاب وسزا کو جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اس کو عبرت کا سبب بنایا' آگے پیچھے والی بستیوں کے لئے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تا کہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ الخ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے یہ عبرتناک واقعہ دلیل راہ بن جائے۔

گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرتناک ہو' اگلوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گذر چکے تو ٹھیک قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ کی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں ○

اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے ہی گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا۔ لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی یعنی آس پاس کی بستیاں۔ قرآن فرماتا ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ الخ اور فرمان ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور فرمان ہے اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ الخ۔

غرض یہ عذاب ان کے زمانے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے فرمایا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ جو بعد میں آئیں گے ان پرہیزگاروں کے لئے موجب نصیحت ہو۔ موجب نصیحت یہاں تک کہ امت محمد ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب وسزائیں ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے' ان کے مکروفریب سے' حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئیں' اس کے بعد بھی جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب اس پر بھی آ جائیں۔

ایک صحیح حدیث امام ابوعبداللہ بن بطہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ یعنی تم نہ کرو جو یہودیوں نے کیا یعنی حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

قاتل کون؟ ☆☆ (آیت:۶۷) اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی' صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں۔ قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے۔ شام کو اپنے قلعہ کے پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی' کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے۔ اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا' وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے' نہ بچہ ہے' جوان عمر کی ہے' انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے۔ ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں چچتی جاتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں۔ کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی۔ کھیتوں کو پانی نہیں پلایا' ہر عیب سے پاک ہے۔ یک رنگی ہے۔ کوئی داغ دھبہ نہیں' جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

احترام والدین پر انعام الٰہی: ☆☆ اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی۔ ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ لڑکے نے کہا۔ میں خریدوں گا۔ قیمت ستر ہزار طے ہوئی۔ لڑکے نے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا۔ اس نے کہا' ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا

نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں۔ تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کمی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ۔ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔

جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے' اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو۔ یہ انکار کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ تین لے لو۔ چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا' دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا۔ یہ آ کر حضرت موسیٰؑ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خرید و۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ اس نے کہا میرے بھتیجے نے۔ اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی' وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا۔ اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق تکذیب ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہے نہ بچہ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے پس اب جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے بجا لاؤ ○ پھر وہ کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے۔ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے۔ اس قسم کی گائیں تو بہت ساری

ہیں۔ پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے ۞

حجت بازی کا انجام: ☆☆ (آیت:۶۸-۷۱) بنی اسرائیل کی سرکشی' سرتابی اور حکم الٰہی' امر الٰہی وضاحت کے ساتھ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریج فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخر میں وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی سختی نہ ٹلتی اور مطلوبہ گائے ملنا اور مشکل ہو جاتی۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا کہ نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد اور چمکدار رنگ کی ہے جو دیکھنے والوں کے دل کو بہت پسند آئے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر قیمت خوش وخرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں تورات میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا' اے اللہ کے نبی کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تا کہ شبہ مٹ جائے ان شاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا اگر یہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر عائد نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے' کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی' پانی نہیں سینچا' اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں۔ یک نگی ہے۔ سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں' اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ذلول کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتتی اور نہ پانی پلاتی ہے اس میں نہ کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدوکاوش کے بعد بادل نخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے' کسی نے کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں' اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی' گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتیں بنی اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ حکم کی بجا آوری کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا۔ واللہ اعلم۔

اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو دیکھے بغیر ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالکؒ' امام اوزاعیؒ' امام لیثؒ' امام شافعیؒ' امام احمدؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اسلاف اور متاخرین کا بھی اور اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں' قتل خطا اور وہ قتل جو مشابہ "عمد" کے ہے' ہاں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے کوفی اور امام ثوریؒ وغیرہ بیع سلم کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف واحوال

پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے - اسی طرح کی حکایت ابن مسعودؓ حذیفہ بن یمانؓ اور عبدالرحمٰن بن سمرہؓ وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتیوں کو پانی پلانے والی نہیں - وہ تندرست اور بے داغ ہے - انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ○ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا - پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا ○ ہم نے کہا' اس گائے کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ○

بلاوجہ تجسس موجب عتاب ہے : ☆☆ (آیت :۷۲-۷۳) صحیح بخاری شریف میں ''ادارء تم'' کے معنی ''تم نے اختلاف کیا'' کے ہیں۔[1] حضرت مجاہد وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے مسیب بن رافع کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا' اللہ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا - اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا۔

پھر یہ آیت تلاوت کی وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گاؤ کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ - وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے' نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے' سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں' ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں' بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی' کوئی کہتا ہے ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا' کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا' کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت' کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ نے مبہم رکھا ہے' ہم بھی مبہم ہی رکھیں - اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا - اسی سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے - ایک تو آیت ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ[2] میں اور دوسرا اس قصے میں' تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجاڑ بستی پر ان کا گذر ہوا تھا' چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں' پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و زیست سے تشبیہ دینے میں۔

ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے' ابورزین عقیلیؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ مردوں کو اللہ تعالیٰ کس

طرح جلائے گا- فرمایا کبھی تم بنجر زمین پر گذرے ہو؟ کہا- ہاں' فرمایا پھر کبھی اس کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں' فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے- قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ الخ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین میں بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھائیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں- کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا- اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امام مالک کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا' اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا- ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کپڑے اتار لے گیا- جب اس کا پتہ نبی ﷺ کو لگا تو آپ نے فرمایا' اس لڑکی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے- لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے اور امام مالک کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور قسامہ کے لیکن جمہور اس کے مخالف اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے-

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے- بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں- تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو ○

پتھر دل لوگ: ☆☆ (آیت:۷۴) اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے- اسی لئے ایمان والوں کو اس طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گذرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو

کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گذر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں۔ بعض پتھر خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے، کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے۔ اور جگہ ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے۔ ابو علی جبائیؒ نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں، رازی بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے۔ پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے۔ گر پڑنا دل سے ڈرنا۔ بعض کہتے ہیں، یہ مجازاً کہا گیا جیسے اور جگہ ہے يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے۔ حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔

رازی رحمۃ اللہ علیہ، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں، ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھئے اس کا فرمان ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔ اوپر آیت گذر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ [2] یعنی اکاس بیل اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ الخ اور فرمایا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَاۤئِعِيْنَ زمین و آسمان نے کہا ہم خوشی خوشی حاضر ہیں اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ جاتے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ الخ یعنی گناہ گار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے اس اللہ نے بات کرائی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضورؐ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا، یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ "او" جو ہے اس کی بابت قرطبیؒ اور رازیؒ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لئے ہے یعنی ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازیؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں، وہ بھی سن لیجئے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ آو شک کے لئے نہیں۔ یا تو یہ معنی میں واو کے ہے یعنی اس کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا

میں اور عُذْرًا اَوْ نُذْرًا میں شاعروں کے اشعار میں او واؤ کے معنی میں جمع کے لئے آیا ہے یا او یہاں پر معنی میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے کَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں۔ کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم ویقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لئے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لئے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت یعنی بعض ایسے اس قول کے مطابق یہ بھی ہے کمثل الذی استوقد نارا پھر فرمایا او کصیب اور فرمایا ہے کسراب پھر فرمایا او کظلمات مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے۔ واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے۔ بزار میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں۔ خوف الٰہی سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا' دل کا سخت ہو جانا' امیدوں کا بڑھ جانا' لالچی بن جانا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کلام اللہ کو سن کر عقل وعلم ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے تھے ○ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں۔ کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہرداری سب کو جانتا ہے ○

یہودی کردار کا تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کے صحابہ کو نا امید کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی اپنے دل سخت پتھر جیسے بنا لئے اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ اللہ کے کلام کو ردوبدل کر ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپؐ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے

سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پہاڑ پر پہنچ کر کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں' ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی۔ یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرتؐ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے' ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کر دیا تھا' اسی طرح حلال کو حرام' حرام کو حلال' حق کو باطل' باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینی اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی ہاں کبھی کبھی جبکہ رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا' ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا' مریدوں سے بھی الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں۔ یہ برحق رسول ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے' عربوں سے یہ باتیں کیوں کہتے ہو۔ پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے۔ اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا' جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آ ؤ تو پھر ویسے ہی رہو۔ جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا' ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ ان سے پوچھتے' کیا تمہاری کتاب میں حضور کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے' اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کی اپنی مخالفت کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا' اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے' یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں' خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ یہ جو چپکے چپکے اپنے والوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ○ ان لوگوں کے لئے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں' ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے ○

امی کا مفہوم اور ویل کے معنی: ☆☆ (آیت:۷۸-۷۹) امی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو امیون اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفتوں میں ایک صفت ''امی'' بھی آئی ہے اس لئے کہ آپ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قران کہتا ہے وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں' نہ لکھنا جانیں نہ حساب' مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا' پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی کل انگلیاں تین بار نیچے کی طرف جھکائیں یعنی تیس دن کا دو بار اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ بنالیا یعنی انتیس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے۔ دوسرے اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امانی کے معنی باتیں اور اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ''کذب''، ''آرزو''، '' جھوٹ کے معنی بھی کئے گئے ہیں' تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں۔ شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔

ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے۔ جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو دھول ہو جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے۔ جس میں کافر ڈالے جائیں گے۔ چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے' اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کر دی۔ اس میں کمی یا زیادتی کی' آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا' اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہو۔ ویل کے معنی سخت عذاب' برائی' ہلاکی' افسوس' درد' دکھ' رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل' ویح' ویش' ویہ' ویك' ویب سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لئے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرات نہیں۔ یہاں یہودیوں کے علماء کی بھی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر

کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا' اس کی تشہیر کی۔ پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ تھوڑے مول سے مراد ساری دنیا مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ اور جنت کے مقابلہ میں بے حد حقیر چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو ○

چالیس دن کا جہنم: ☆☆ (آیت: ۸۰) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے۔ پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ کی امت۔ آپؐ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' فتح خیبر کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔ پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا۔ وہی ہمارا باپ ہے آپ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا' انہوں نے کہا اے ابوالقاسم ﷺ اگر جھوٹ کہیں گے تو آپؐ کے سامنے نہ چل سکے گا۔ ہم تو آزما چکے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت' آپؐ نے فرمایا' غلو ہرگز نہیں پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر آپؐ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپؐ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد' بخاری' نسائی)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

یقیناً جو بھی برے کام اور اس کی نافرمانیاں اسے گھیر لیں' وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے ○

جہنمی کون؟: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہے' وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ' رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے' وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ الخ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے' ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا۔ اپنی نیکوکاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا' عورت کا اور بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابو وائلؒ' ابو العالیہؒ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ربیع بن انسؒ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں' مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں' مراد شرک ہے' جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیمؒ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں' دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کوئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے۔ تمہاری بد اعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں' انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی۔ اور اللہ کے عذاب و ثواب دونوں لازوال ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْـنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا' اسی طرح قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔ نمازیں قائم رکھنا اور زکوتیں دیتے رہا کرنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا ○

معبودانِ باطل سے بچو: ☆☆ (آیت:۸۳) بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا' ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں' یہ حکم صرف بنو اسرائیل کو ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ

اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے - اب حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے - بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق سب سے بڑا ہے - اسی لئے پہلے ان کا حق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْكَ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان - اور جگہ فرمایا وَقَضٰی رَبُّكَ الخ تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو - صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا' پوچھا اس کے بعد فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا - پوچھا پھر کونسا؟ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا - ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے پوچھا حضورؐ میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ' پوچھا پھر کس کے ساتھ' فرمایا؟ اپنی ماں کے ساتھ' پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ اور قریب والے کے ساتھ پھر اور قریب والے کے ساتھ - آیت میں لَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے - "طلب" یہ خبر معنی میں ہے - بعض لوگوں نے اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا بھی پڑھا ہے - ابی اور ابن مسعودؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لَا تَعْبُدُوْا پڑھتے تھے - یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں - اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کی اس معنی کی آیات میں آئے گی - پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو - بھلی باتوں کا حکم دو اور برائی سے روکا کرو - حضرت حسنؓ فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو - برائی سے روکو - بردباری' درگذر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنا لو - یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو (مسند احمد) -

پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا - پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا - پھر اچھی باتیں کہنے کا - پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا - نماز پڑھو - زکوٰۃ دو - پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے پابند عہد رہے - اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا - فرمایا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اللہ کی عبادت کرو - اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو - ماں باپ کے ساتھ' رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ' قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ہم مشرب مسلک کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک' احسان اور بھلائی کیا کرو - یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا - الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی - اسد بن وداعہؓ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ فرمان باری ہے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے - حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ابتداً السلام علیک نہ کیا کرو - واللہ اعلم -

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ
اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ
اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو بلاوطن نہ کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے ○ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی۔ ہاں قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیئے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

اوس و خزوج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد: ☆☆ (آیت:۸۴-۸۶) اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی۔ آپس میں ہمیشہ جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے۔ بنی قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے۔ بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس و خزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے' دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو' گھروں سے نہ نکالو۔ اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔ یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی' اخوت' صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں۔ کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بے تاب ہو جاتا ہے۔ بخار چڑھ جاتا ہے۔ راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبد خیرؒ کہتے ہیں' ہم سلمان بن ربیعہؓ کی ماتحتی میں "بلنجر" میں جہاد کر رہے تھے۔ محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہود لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت

کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے۔ میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے۔ اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ میں چودہ سو دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا' پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا' سن یا تو' تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو توراۃ کو مان کر اسے خرید یا توراۃ کا منکر ہونے کا اقرار کر۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا' آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا۔ یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی۔ غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانتداری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفتیں' آپ کی نشانیاں' آپؐ کی نبوت کی تصدیق' آپ کی جائے پیدائش' جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھی بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے جھٹ سے تکبر کیا۔ بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا O

خود پرست اسرائیلی: ☆☆ (آیت:۸۷) بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ میں تحریف و تبدل کیا حضرت موسیٰؑ کے بعد انہی کی شریعت اور آنے والے انبیاء کی بھی مخالفت کی چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ الخ یعنی ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو بھی ان کے علماء اور درویش ان پر عمل کرنے کا حکم کرتے تھے۔ غرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے۔ اسی لئے انہیں نئے نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو بحکم رب العزت زندہ کر دینا' مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر بحکم رب العزت اڑا دینا' بیماروں کو اپنے دم جھاڑے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا' بعض بعض غیب کی خبریں رب العزت کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کو لگا دیا لیکن بنی اسرائیل اپنے کفر اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے اور کہیں مار ڈالتے تھے محض اس بنا پر کہ انبیاء کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و

احکام ان کی قبولیت سے ٹکراتے تھے۔ اس لئے دشمنی پر تل جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ محمد بن کعب اسمٰعیل بن خالد سدی ربیع بن انس عطیہ عوفی اور قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے قرآن شریف میں اور جگہ ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ یعنی اسے لے کر روح امین اترے ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا۔ وہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپؐ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عز وجل حسان کی مدد روح القدوس سے فرما جیسے کہ یہ تیرے نبی کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپؓ نے فرمایا' میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابو ہریرہ تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا؟ کہ اے حسانؓ تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے' اے اللہ تو حسان کی تائید روح القدس سے کر۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' ہاں اللہ کی قسم میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' حسان تم ان مشرکین کی ہجو کرو۔ جبرئیل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت حسان کے شعر میں بھی جبرئیل کو روح القدس کہا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو۔ کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرئیل ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں۔ ان سب نے کہا بیشک (ابن اسحاق) ابن حبان میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔

بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے۔ بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔ بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرئیل ہے' کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت' کسی نے کہا ہے پاک' کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسے فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدوس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے اور جگہ ہے اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب وحکمت' توراۃ وانجیل کے سکھانے کا بیان ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز' علاوہ ازیں روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

قدس سے مراد مقدس ہے جیسے حَاتِمُ جُوْدٍ اور رَجُلُ صِدْقٍ میں روح القدس کہنے میں اور روح منہ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یہ اس لیئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ روح مردوں کی پیٹھوں اور حیض والے رحموں سے بے تعلق رہی ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح لی ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقے کو تم قتل کرتے ہو' جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لئے کہ ان کا حال آیت کے نزول کے وقت بھی یہی رہا چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس وقت اس نے رگ رگ کر جان کاٹ دی۔

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ نے ملعون کر دیا ہے۔ ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے ○ ان کے پاس جب اللہ کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس کے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے۔ اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر ○

غلف کے معنی: ☆☆ (آیت:۸۸) یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں۔ اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے جواب ملا کہ غلاف نہیں بلکہ لعنت الٰہیہ کی مہر لگ گئی ہے' ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ غُلْفٌ کو غُلُفٌ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ الخ یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں اور ہمارے دلوں کے درمیان پردہ ہے' آڑ ہے ان پر مہر لگی ہوئی ہے۔ وہ اسے نہیں سمجھتے' اسی بنا پر وہ نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہوتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ یہ کفار کے دل ہوتے ہیں۔ سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کے قائل' حضرت موسیٰ پر ایمان رکھنے والے' توراۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

انکار کا سبب: ☆☆ (آیت:۸۹) جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ کی سچی کتاب لے کر اللہ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ یا تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم توراۃ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے لیکن جس وقت حضور مبعوث ہوئے' تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں' پہچان بھی لیا' دل سے قائل بھی ہو گئے مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے' حسد کیا اور آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لعنت یافتہ ہو گئے بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے یہ سنتے چلے آتے تھے انہیں ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور کے ساتھ مل کر وہ یہود پر غالب آ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل حضرت بشر بن براء حضرت داؤد بن سلمہ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضور کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے مگر اب جب کہ وہ اوصاف جو تم حضرت کے بیان کرتے تھے' وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔ پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے تو مانتے

تھے۔ منتظر بھی تھے لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ ان کا کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا۔ اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

برا ہو حسد کا: ☆☆ (آیت: ۹۰) مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضورؐ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپؐ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا۔ آپ کی نصرت و امداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی۔ اس وجہ سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا' وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوائے حسد و بغض' تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضورؐ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپ عرب میں سے تھے۔ اس لئے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں۔ وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے۔ وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا۔ دوسرا حضورؐ کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمدؐ کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کے سبب سے' سدیؒ کا خیال ہے کہ پہلا غضب بچھڑے کے پوجنے کی بابت تھا دوسرا غضب حضورؐ کی مخالفت کی بنا پر۔ چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضورؐ کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا' اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تاکہ گناہ کا پورا بدلہ ہو جائے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے' وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے "بولس" نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں' جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو

ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے' کفر کرتے ہیں۔ اچھا ان سے یہ تو دریافت کرو کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا ○ تمہارے پاس تو موسیٰ بھی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا۔ تم ہو ہی ظالم ○

خود پسند یہودی مورد عتاب: ☆☆ (آیت:۹۱-۹۲) یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں۔ قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضورؐ کی تصدیق موجود ہے' جیسے فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ کے انکار کا مطلب توراۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے' پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے' نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے' نفس کے غلام' اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون وغیرہ جو ان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے۔ لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن چاند بن جانا' دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا' بادلوں کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا' پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے' ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا۔ اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ مِنْۢ بَعْدِهٖ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى الخ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گؤسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ یعنی جب انہیں ہوش آیا' نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا اے اللہ یا اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطا نہ بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں

میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی۔ ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو ○ کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو ○ لیکن اپنے کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

صدائے بازگشت: ☆☆ (آیت:۹۳) اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں مخالفتیں، سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا۔ جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا، گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں، کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ کے سامنے تم نے کفر کیا۔ ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ: ☆☆ (آیت:۹۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ۔ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے اسے ہلاک کر دے۔ لیکن ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے۔ اگر یہ لوگ اس اعلان کے ماتحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ روئے زمین پر ایک یہودی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔ اسی طرح جو نصرانی آپ کے پاس آئے تھے، وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کا نام و نشان بھی نہ پاتے (مسند احمد)

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا آخر تک پڑھئے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ یہ کہا کرتے تھے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ ہی جائیں گے اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم تھا۔ اس لئے تیار نہ ہوئی اور اس کا کذب سب پر کھل گیا۔ اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضورؐ کے پاس آئے۔ بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں بیویوں کو لے کر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی سے مباہلہ نہ کرو۔ فوراً برباد ہو جاؤ گے چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا۔ جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے اس کی پوری تفسیر اس آیت کے ساتھ بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح

قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا۔ اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی۔ ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعا کریں اور اس اعلان کے سنتے ہی یہود تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشین گوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز موت طلب نہیں کریں گے۔ اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں تمنی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی تو انہی کو پائے گا۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے زیادہ ہیں۔ ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھٹا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۹۶) پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ یہودی تو ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی انہیں ان عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا مگر انہیں یقین تو تھا لیکن ان کی اپنی سیاہ کاریاں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔ تمام بندوں کے تمام بھلے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

(اے نبی) تم کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل میں پیغام باری اتارا ہے' جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت وخوشخبری دینے والا ہے ○ تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے ○ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے ○

خصومت جبرئیل علیہ السلام موجب کفر وعصیان: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۸) امام جعفر طبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس پر تمام

مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرئیلؑ کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیلؑ کو اپنا دوست بتایا تھا' اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضورؐ سے ہوئی تھی' اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا جو مناظرہ حضورؐ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا' اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبیؐ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کر لو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے۔ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوبؑ کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتایئے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کی سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا' چھوڑ دیا' تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر توراۃ اتاری' بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔ اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا' سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔

آپ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ بنایا۔ انہوں نے کہا' اچھا یہ فرمایئے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے۔ تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو توراۃ دی' بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہماری اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے۔ اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا' میرا اولی جبرئیل ہے۔ وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیلؑ ہمارا دشمن ہے' وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے' اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے' نہ آپ کی مانیں گے۔ ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیلؑ وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں' ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے' اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ

تعالٰی عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپؐ کی آمد کی خبر سنی تو حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور یہ فرمائیے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف۔ آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتلائے ہیں۔ سنو۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں تامل نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعوذ باللہ اعوذ باللہ' وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہؓ جواب تک چھپے ہوئے تھے' باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے۔ اس کے باپ دادے بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے۔ خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا' حضورؐ اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جِبْرُ مِيْكُ' اِسْرَاف کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے' بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں جیسے عربی میں عبداللہ' عبدالرحمٰن' عبدالملک' عبدالقدوس' عبدالسلام' عبدالکافی' عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرئیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل وغیرہ۔

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمرؓ سے ہوئی تھی۔ شعبہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپؓ بہت ناراض ہوئے کہ حضور کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے۔ اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتلایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے۔

میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتی ہے۔ یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور نکلے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبیؐ وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا' میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتلاؤ تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو۔ اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ کی کتاب تم میں موجود ہے۔ ذرا رب کی قسم کھا کر بتاؤ' کیا تم حضور کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے۔ ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا' اس نے کہا اس شخص نے

اتنی سخت قسم دی ہے۔ تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا' حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں۔ ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔ اس لاٹ پادری نے کہا سنئے جناب۔ آپ نے زبردست قسم دی ہے لہذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرئیل ہیں جو نہایت سختی' تنگی' شدت' عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں۔ ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و رافت' تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا' ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا' اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں' جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتا اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن' اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے' نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے' نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو' اس کے فرشتوں' اس کے رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اس کا فر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضور سنائیے۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر' سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے۔ سند متصل نہیں۔ شعبیؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں۔ کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ الخ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک۔ پس ان آیتوں میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی ایک رسول کو بھی نہ مانیں۔ اسی طرح جبرئیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے۔ قرآن فرماتا ہے وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ الخ یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے' یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کی تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوش خبری دیتا ہے جیسے فرمایا هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ فرمایا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے۔ رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں جیسے فرمایا اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے۔ جبرئیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصاً نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے

ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔ حضرت میکائیل بھی کبھی کبھی انبیاء کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی ﷺ کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ جیسے حضرت میکائیل روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور جیسے حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اے اللہ! اے جبرائیل' میکائیل' اسرافیل کے رب' اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے اے ظاہر و باطن کو جاننے والے' اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے۔ اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر' تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ لفظ جبرئیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز بن عمرؒ فرماتے ہیں' فرشتوں میں حضرت جبرئیل کا نام خادم اللہ ہے۔ ابو سلیمانی دارانی یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے' یہ ایک روایت میری روایتوں کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جبرئیل اور میکائیل کے لفظ میں بہت سارے لغت ہیں اور مختلف قرات ہیں جن کے بیان کی مناسب جگہ کتب لغت ہیں۔ ہم کتاب کے حجم کو بڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفاد ان پر موقوف نہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی' اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن' اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ قادر مطلق ہو جائے' اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گذر چکی کہ اللہ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں اور حدیث میں ہی ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں' وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا ○ یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں ○

سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں' نازل فرما دی ہیں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ' ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں' ان کی تحریف و تبدیلی احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا حکمتوں والا کلام کہا

نہیں جا سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوبی نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپؐ کے پاس کوئی ایسی روشن دلیلیں ہیں۔ اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخرالزمان کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ نبذ کا معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو اور عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا' اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا' ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے ○

(آیت:۱۰۱) دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضورؐ کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ یعنی یہ لوگ توراۃ و انجیل میں حضورؐ کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارا پیغمبر ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی برت کر اس طرح اسے چھوڑ دیا جیسے کوئی علم ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِينُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

ع ۱۲

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمانؑ کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمانؑ نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک

آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد و عورت میں جدائی ڈال دیں اور در اصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے تئیں فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے O اگر یہ لوگ ایمان دار متقی بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے O

(آیت: ۱۰۲-۱۰۳) بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضورؐ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپؐ کو شفا ملی۔ توراۃ سے تو حضورؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابوں کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے' نفسانی خواہشیں سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز مَا تَتْلُو الشَّيٰطِيْنُ میں داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو دے جاتے۔ جب حضرت سلیمانؑ کی آزمائش کا وقت آیا' اس وقت ایک شیطان جن آپؑ کی صورت میں آپؑ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی۔ اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا۔ تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے۔ حکومت کرنے لگا۔ ادھر جب حضرت سلیمانؑ واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمانؑ لے گئے۔ آپؑ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو' نجوم' کہانت' شعر و اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں۔ آپؑ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا۔ آپؑ پھر تخت و تاج کے مالک ہوئے۔ عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمانؑ کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے' ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے' اس لئے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں۔ بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمانؑ کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپؑ کو جادوگر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے۔ فرمایا عراق کے کس شہر سے۔ اس نے کہا کوفہ سے۔ پوچھا۔ وہاں کیا خبریں ہیں۔ اس نے کہا۔ وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علیؓ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے۔ آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح نہ کرتیں۔ سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرا لایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے' حضرت سلیمانؑ نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں۔ وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی کا ذکر اس آیت وَاتَّبَعُوْا الخ میں ہے۔

اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا' اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمانؑ

بن داؤدؑ کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمانؑ نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے۔ اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا۔ وہ حضرت سلیمانؑ کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے۔ اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ''عَلٰی'' یہاں پر ''فِیْ'' کے معنی میں ہے یا ''تَتْلُوْا'' متضمن ہے تَکْذِیْبُ کا، یہی اولیٰ اور احسن ہے۔ واللہ اعلم۔

خواجہ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمانؑ کا حضرت موسیٰؑ کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤدؑ اور جالوت کے قصے میں ہے مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے وَمَآ اُنْزِلَ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر ''ما نافیہ ہے'' یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ پر ہے۔ یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے، اس آیت میں تردید ہے۔

ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے۔ تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے۔ قرطبیؒ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے۔ اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں، ان پر کوئی جادو نہیں اترا۔ اس بنا پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو تمہارا خیال جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؒ اسے اس طرح پڑھتے تھے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلِکَیْنِ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس کا زبردست رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''مَا'' معنی میں الَّذِیْ کے ہے اور ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم دی ہے لہٰذا ہاروت ماروت اس فرمان باری تعالیٰ کو بجا لا رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں۔ مَلِکَیْن یعنی دو بادشاہوں کی قرات پر انزال خلق کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ اور فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور کہا وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا یعنی ہم نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کئے، لوہا بنایا، آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ دَآءً یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں، ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے یہاں سب جگہ انزال یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاد یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون بسط وطول کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام

فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے- جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں- حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ کعب احبارؒ حضرت سدیؒ حضرت کلبیؒ یہی فرماتے ہیں-

اب اس حدیث کو سنئے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں- کیسے نافرمان اور سرکش ہیں- ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے- اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو- میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں- پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں- چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا- اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدمؑ کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' زنا نہ کرنا' شراب نہ پینا' اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے حسین و شکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتوں ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا' اس نے کہا' اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں- انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا' وہ چلی گئی' پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے- انہوں نے اسے بھی نہ مانا' وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا- اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا- جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے' سب تم نے کر ڈالے- یہ نادم ہوئے' انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کر و یا عذاب اخروی کو- انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کیے- صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے- مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے- اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی اللہ کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے-

ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثناء سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں- دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا- اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اس سے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے- حضرت نافعؒ نے کہا حضرت اک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپؓ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے- پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی لیکن یہ بھی غریب ہے- حضرت کعبؒ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے اور ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل روایت ہو- واللہ اعلم- صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی اس قسم کی روایتیں بہت کچھ منقول ہیں- بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی- اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی- یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی- بعض مرفوع روایتوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں- ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی- بعض روایتوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں- ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کو اختیار کر لو- انہوں نے دنیا کا عذاب چن لیا چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے-

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے' ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی کی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ

حکم عدل کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا۔ پھر دو کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی۔ جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا' پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کبھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے۔ سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ پہلے پہل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے۔ صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے۔ شام کو آسمان پر چڑھ جاتے۔ پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا الغرض ہاروت ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہدؒ سدیؒ حسنؒ بصریؒ قتادہؒ ابوالعالیہؒ زہریؒ ربیع بن انسؒ مقتل بن حیانؒ وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دارو مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد ابن حبان' بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے پھر ظاہر سے بے جاہٹ اور تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی واللہ اعلم) (فتح البیان)

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے۔ اسے بھی سنئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دومتہ الجندل کی ایک عورت حضورؐ کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپؐ کی تلاش میں آئی اور آپؐ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا' ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا۔ اس نے کہا' جو میں کہوں' وہ کرو۔ وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا میں تیار ہو گئی وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔

میں نے ان سے کہا' انہوں نے کہا' سن ہم تو آزمائش میں ہیں۔ تو جادو نہ سیکھ' اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا میں تو سیکھوں گی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ۔ میں گئی۔ ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی۔ میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے۔ ابھی تو کچھ نہیں بگڑا۔ تیرا ایمان ثابت ہے۔ اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا' مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا۔ جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا۔ واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے

کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھڑسوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ واپس چلی آئی۔ ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے۔ وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا۔ اب جا چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا۔ انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا۔ اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا وہ فوراً اگ آیا۔ میں نے کہا۔ تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے۔ میں نے کہا سوکھ جا وہ بال سوکھ گئے میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا وہ بھی ہو گیا پھر میں نے کہا سوکھ جا تو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المومنین قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روتی پیٹتی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئی کہ حضورؐ سے کہوں لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا۔ اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ سب کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرامؓ بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہؓ نے کہا اب سوا اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو۔ توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گذاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی انکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بنانے میں بالکل نہیں۔ رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''عین'' چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں۔ صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے۔ اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے سَحَرُوٓا اَعۡیُنَ النَّاسِ الخ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی حضرت موسیٰؑ کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپؓ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ زمین ملعون ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور امام صاحب نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو حضرت امام ابوداؤد اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموشی کریں تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین میں نماز مکروہ ہے جیسے کہ ثمودیوں میں نہ جاؤ۔ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف اللہ سے روتے ہوئے جاؤ۔ ہیئت دانوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی اوقیانوس سے ستر درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استوا سے تیئس درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت ماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کفر و ایمان کا علم دے رکھا ہے اس لیئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں۔ جب نہیں مانتا تو وہ اسے کہہ دیتے ہیں اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے۔ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب اللہ اس کے روم روم میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے اِنۡ هِیَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ سمجھے۔ اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) یہ حدیث صحیح

ہے اور اس کی تائید میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں' کوئی کہتا ہے میں نے فلاں کو اس طرح گمراہ کر دیا' کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا' شیطان ان سے کہتا ہے' کچھ نہیں یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا' اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں' یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے۔ ''مرا'' کہتے ہیں اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے' جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا۔ یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی اس کے اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے' وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان وہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے' نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان وتقوی برتتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا' تم پر افسوس ہے' اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا فرمایا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے۔ بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بجالہ بن عبیدؒ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادوگر مرد وعورت کو قتل کر دو چنانچہ ہم نے تین جادوگروں کی گردن ماری۔ صحیح بخاری شریف میں بھی یہ روایت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ حضرت امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تین صحابیوں سے جادوگر کے قتل کا فتوی ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جادوگر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اسمٰعیل بن مسلم ضعیف ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مرفوع مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب بادشاہ کو دکھایا کرتا تھا۔ بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا۔ مہاجرین صحابہ میں سے ایک بزرگ صحابیؓ نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے۔ جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا' آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ' پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر

لوگوں کو سنائی اَفَتَاْ تُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابیؓ نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی' اس لئے بادشاہ نے ناراض ہو کر انہیں قید کر دیا- پھر چھوڑ دیا- امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے فرمان اور حضرت حفصہؓ کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو-

معتزلہ جادو کے وجود کے منکرین وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو' وہ کافر ہے لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں- یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر تنتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے - فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں- اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت ﷺ پر جادو کیا جانا اور آپ پر اس کا اثر ہونا ہے- تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ابھی ابھی گذرا ہے- اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں-

رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں- محققین کا یہی قول ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لئے کہ یہ علم ہوگا تو اس سے معجزے اور جادو میں فرق پوری طرح واضح ہو جائے گا اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو- پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا- رازی کا یہ قول سرتاپا غلط ہے- اگر عقلاً وہ اسے برا نہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برا نہ بتلاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتلانے کے لئے کافی ہے- صحیح حدیث میں ہے جو کسی شخص' کسی جادوگر یا کاہن کے پاس جائے وہ کافر ہو جائے گا-

جادو کے جواز اور عدم جواز کی بحث: ☆☆ سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ لگائی اور اس میں پھونکا' اس نے جادو کیا لہٰذا رازی کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں- آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ ائمہ اسلام میں سے کس نے ایسا کہا ہے؟ پھر هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ آیت کو پیش کرنا بھی نری جرات ہے کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے- اسی آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے پھر ان کا یہ کہنا کہ اسی علم سے کہ اسی سے معجزے کا علم تقابلی حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واہی محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس کا معجزہ ماننے کے لئے جادو جاننا ضروری نہیں ہے- وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں' وہ بھی اسے معجزہ مان گئے- صحابہ' تابعین' ائمہ مسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کوئی ایک بھی جادو جاننا تو کیا جادو کے پاس تک نہ پھٹکا نہ سیکھا نہ سکھایا' نہ کیا نہ کرایا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ جادو کا جاننا واجب ہے اس لئے کہ جادو کے علم سے معجزہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اس لئے اس کا سیکھنا واجب کس قدر مہمل دعویٰ ہے-

جادو کی اقسام: ☆☆ اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابوعبداللہ رازیؒ نے بیان کیا ہے (۱) ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے- وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہی کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقرر الفاظ پڑھا کرتے ہیں

اور انہی کی پرستش کرتے ہیں- اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی- رازیؒ نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام السر المکتوم فی مخاطبه الشمس و النجوم رکھا ہے- ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ- بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے بعد میں اس سے توبہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف لوگوں کو اس علم سے آشنا کرنے اور خود کو اس کا عالم ثابت کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی ورنہ ان کا اپنا اعتقاد یہ تھا جو سراسر کفر ہے- اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

(۲) دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ کے طاقتور لوگوں کا فن ہے' وہم اور خیال کا زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے دیکھئے اگر ایک تنگ پل زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر انسان بہ آسانی چلا جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گذر سکے گا- اس لئے کہ اس وقت خیال ہوگا کہ اب گرا' اب گرا تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا' اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا- حکیموں اور طبیبوں نے بھی مرعوف (جس کو نکسیر بہنے کی بیماری ہو) شخص کو سرخ چیزوں کو دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے- عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے- صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے- اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی- اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر اسے آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے- جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائی گی' وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی' اسی قدر گھٹتا جائے گا' یہ کیفیت کبھی غذا کی کمی سے اور لوگوں کے میل جول سے ترک کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے- کبھی تو قوت کو حاصل کر کے انسان نیکی کے کام یعنی شریعت کے مطابق اس سے کام لیتا ہے- اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں- جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور پڑ جاتا ہے- ایسے لوگوں کے یہ قابل حیرت کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہئے کیونکہ شریعت کے خلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا- آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح حدیثوں میں دجال کی بابت کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ ملعون ومردود ہے-

(۳) تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے-- معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں- ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں- اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں-

(۴) چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا' آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتا ہے- تم نے دیکھا ہوگا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں- وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں- بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا- اسی لئے قرآن میں ہے سَحَرُوٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ الخ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا اور جگہ ہے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا- واللہ اعلم۔

(۵) پانچویں قسم بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی- اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا- اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گذری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا- اسی طرح انسانی

صورت اس کاریگری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زئبق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھنچ آتی ہیں، سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں۔ جو انہیں جانتا ہو وہ ان اسباب وفنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پر اسرار طریقہ سے گرجے کی قندیلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی یا اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب وترہیب کی حدیثیں گھڑ لی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے، وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرند کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو اور پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اس گھونسلے میں لا لا کر رکھ جاتے ہیں اس نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی۔ پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی۔ اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تا کہ ہوا اس سے جائے۔ اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لا لا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے۔ یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت انہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اب کرامت دور دور تک مشہور ہو گئی حالانکہ کوئی کرامت نہ تھی نہ معجزہ تھا۔ صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر رکھا تھا اور ایک لعنتی فرقہ اس پر ریجھا ہوا تھا۔

(۶) چھٹی قسم جادو کی بعض دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی کو دیکھو کہ لوہا کس طرح اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کر کے لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

(۷) ساتویں قسم دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہنا منوا لینا ہے مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں۔ اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اور اس کی طرف سے ایک قسم کا خوف، ڈر، ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو اس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت جو چاہے کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا اسی کو تمبلہ (عام زبان میں اسے معمول) کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل اپنی قوت قیافہ کے ذریعے سے کم عقل شخص کو معلوم کر کے ہی کرتا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم چغلی کرنا، جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا، یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت ودشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے۔ جب اصلاح کے طور پر اور آپس

میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی بات ظاہر کہہ دی جائے جس سے ایک فریق دوسرے فریق سے خوش ہو جائے یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے۔ ان میں بددلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر کی ادھر لے جاتا ہے اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار عرب اور کفار یہود کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوادی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ یہ کام بڑے عالی دماغ' زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ امام رازیؒ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر بین انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں۔ اسی واسطے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحور کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابوجہل نے بدر والے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام مارے خوف کے پھول گئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔ عبد عبداللہ قرطبیؒ کہتے ہیں' ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے' وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابواسحاق' اسفرائنی' شافعی اس کے قائل نہیں اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی' کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

جادو اور شعر: ☆☆ کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطانی کاموں سے بھی لوگ کرتے ہیں۔ کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے بھی جادو کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق کہ بعض بیان جادو ہیں' دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ نے فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لے کر آتے ہو تو ایک اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الاشراف علیٰ مذاہب الاشراف" میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے لیکن ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں۔ جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتلاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے' وہ کافر ہے اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں' وہ بھی کافر ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کا جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا' وہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں' جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔

امام مالک' امام ابوحنیفہ اور ایک مشہور قول میں امام احمدؒ کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے۔ اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ امام احمدؒ کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادوگر

بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید بن اعصم یہودی نے حضورؐ پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ قید کر دی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت زہریؒ کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے۔ یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر۔ اگر وہ کرلے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کرلے تاہم قتل کر دیا جائے۔ اس جادوگر کو جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں' اسے چاروں امام کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے فَلَا تَكْفُرْ امام مالکؒ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوگی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کرلے تو قبول ہوگی۔ اگر اس کے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہرصورت مارا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا جائے۔ جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن مسیب نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری شریف میں ہے' عامر شعبی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلاتے لیکن خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا' مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی اور میں لوگوں پر برائی افشاء کرنے سے ڈرتا ہوں۔

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے۔ پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے' اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کر دیا جائے ان شاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا' یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو' جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۞

اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھتے اور سنتے رہا کرو۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں ۞ نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے حسد کیا ہوا) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے ۞

مسلمانو! کافروں کی صورت' لباس اور زبان میں مشابہت سے بچو! : ☆☆ (آیت: ۱۰۴-۱۰۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے- یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے- جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنئے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعونت اور سرکشی لیتے تھے جیسے اور جگہ بیان ہے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں- اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر اس دین میں طعنہ زنی کے لئے راعنا کہتے ہیں- اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے- اس میں ایمان بہت ہی کم ہے- احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں اور سام کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَيْكُمْ کہا کرو- ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بد دعا ہمارے حق میں مقبول نہیں ہوگی الغرض قول و فعل میں ان سے مشابہت کرنا منع ہے- مسند احمد کی حدیث میں ہے' میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں- میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے لکھی ہے' ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کے خلاف چلا کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے' وہ انہی میں سے ہے- ابوداؤد میں بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے- اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال' لباس' عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں' سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت کی اطلاع دی گئی ہے-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو کیونکہ یا تو کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے ممانعت ہوگی حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں توراۃ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے يٰۤاَيُّهَا الْمَسَاكِيْنَ فرمایا ہے لیکن امت محمدیہ کو يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے معزز خطاب سے یاد فرمایا ہے- رَاعِنَا کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں بروزن عَاطِنَا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کے معنی خلاف کے بھی ہیں یعنی خلاف نہ کہا کر- اس سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی سنیں- انصار نے بھی یہی لفظ حضورؐ کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا جس سے قرآن پاک نے انہیں روک دیا-

حسنؒ فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں (راعن مذاق کی بات کو کہتے ہیں) یعنی تم حضورؐ کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو- ابوصخرؒ کہتے ہیں' جب حضورؐ جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی' وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے- اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی- سدیؒ کہتے ہیں' رفاعہ بن زید یہودی حضرت محمد ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا- مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں' یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے جس پر انہیں روک دیا گیا جیسے سورۂ نساء میں ہے- مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انگور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو وغیرہ- اب اللہ تعالیٰ ان بد باطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تمہیں جو اس کامل نبی کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے' اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں- ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے- وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے-

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں' کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ ○ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین اور آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے؟ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ○

تبدیلی یا تنسیخ - اللہ تعالیٰ مختار کل ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۶-۱۰۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں' نسخ کے معنی بدل کے ہیں- مجاہدؒ فرماتے ہیں' مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے- حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد اور ابوالعالیہؒ اور محمد بن کعب قرظیؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے- ضحاکؒ فرماتے ہیں- بھلا دینے کے معنی ہیں- عطاؒ فرماتے ہیں' چھوڑ دینے کے معنی ہیں- سدی کہتے ہیں' اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت اَلشَّيۡخُ وَالشَّيۡخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارۡجُمُوۡهُمَا الۡبَتَّةَ یعنی زانی مرد وعوت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت لَوۡ كَانَ لِابۡنِ اٰدَمَ وَ ادِيَانِ مِنۡ ذَهَبٍ لَابۡتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں' حلال کو حرام' حرام کو حلال' جائز کو ناجائز' ناجائز کو جائز وغیرہ- امر و نہی' روک اور رخصت' جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے- ہاں جو خبریں دی گئی ہیں' واقعات بیان کئے گئے ہیں' ان میں رد و بدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا-

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا- اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا- علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں- نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلے ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے- نسخ کے احکام اس کی قسمیں' اس کی شرطیں وغیرہ ہیں- اس کے لئے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے- تفصیلات کی بسط کی جگہ نہیں- طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو شخصوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی- اسے وہ پڑھتے رہے- ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن یاد نے ساتھ نہ دیا' گھبرا کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا- آپ نے فرمایا- یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی- دلوں میں سے نکال لی گئی- تم غم نہ کرو- بے فکر ہو جاؤ-

حضرت زہریؒ نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے- اس کے ایک راوی سلیمان بن راقم ضعیف ہیں- ابوبکر انباریؒ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے جیسے قرطبی کا کہنا ہے- نُنۡسِهَا کو نَنۡسَاهَا بھی پڑھا گیا ہے- نَنۡسَاهَا کے معنی موخر کرنے' پیچھے ہٹا دینے کے ہیں- حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں' منسوخ کرتے ہیں- ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں- عبد بن عمیرؒ' مجاہدؒ اور عطاؒ سے مروی ہے' ہم اسے موخر کرتے ہیں اور ملتوی کرتے ہیں- عطیہ عوفی کہتے ہیں- یعنی منسوخ نہیں کرتے- سدیؒ اور ربیعؒ بھی یہی کہتے ہیں- ضحاکؒ فرماتے ہیں' ناسخ کو منسوخ کے پیچھے

رکھتے ہیں۔ ابوالعالیہؒ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں نَنسَاھَا پڑھا اور اس کے معنی موخر ہونے کے بیان کئے۔ نُنسِھا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھالینا چاہتا تھا' وہ نبی ﷺ کو بھلا دیتا تھا۔ اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ننسھا پڑھتے تھے تو ان سے قسم بن ربیعہؒ نے کہا کہ سعید بن مسیب تو ننساھا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا اور فرماتا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ جب بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ علی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ابی سب سے زیادہ اچھے قاری قرآن کے ہیں اور ہم ابی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابی کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' اسے نہیں چھوڑ دوں گا اور فرماتے ہیں مَا نَنْسَخْ الخ یعنی ہم جو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا (بخاری ومسند احمد) اس سے بہتر ہوتا ہے یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الٰہی اس سابقہ چیز میں ہوتی ہے۔

مخلوق میں تغیر و تبدل کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس طرح جسے چاہتا ہے' بناتا ہے' جسے چاہے نیک بختی دیتا ہے۔ جسے چاہے بدبختی دیتا ہے۔ جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے۔ جسے چاہے توفیق دے۔ جسے چاہے بےنصیب کر دے۔ بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے' جسے چاہے حلال جسے چاہے حرام فرما دے۔ جسے چاہے رخصت دے۔ جسے چاہے روک دے۔ وہ حاکم مطلق ہے جیسے چاہے احکام جاری فرمائے۔ کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا' جو چاہے کرے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں۔ کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا' پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا' اب آزمائش ہوتی ہے نیک لوگ اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمربستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بدباطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہئے۔ جو حکم دے' بجالانا چاہئے۔ جس سے روکے' رک جانا چاہئے۔

اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے' اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم ﷺ کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد و تکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں بااختیار ہے' اسی طرح اپنے حکموں میں بھی بااختیار ہے۔ جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے۔ جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے۔ اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے۔ اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدمؑ کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا۔ پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے' سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی

طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں' وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ آپ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے کہ اگلی شریعتیں صرف آپ کے آنے تک ہی تھیں۔ اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہر صورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورۂ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے' نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ فرماتا ہے کُلُّ الطَّعَامِ الخ یعنی سبھی کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور پروردگار کی حکمت بالغہ کا دستور بھی یہی ہے ابو مسلم اصبہانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو بعض نے بہت محنت سے اس کی تردید کی ہے لیکن محض بے سود دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے' ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبۃ اللہ ہوا اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے' پہلے کے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر کے دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے ○

کثرت سوال حجت بازی کے مترادف ہے! ☆☆ (آیت:۱۰۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبیؐ سے فضول سوال نہ کیا کرو۔ یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھو گے تو یہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے میں خوف ہے کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی۔ پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضورؐ سے سوال ہوا کہ ایک

شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے' حضورؐ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص کو ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس' مال کو ضائع کرنے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے' میں جب تک کچھ نہ کہوں' تم بھی نہ پوچھو۔ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے سامنے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضورؐ ہر سال؟ آپؐ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے پھر آپ نے مندرجہ بالا فرمان ارشاد فرمایا حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ جب ہمیں آپ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو حضورؐ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے' چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آ جائے' وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں' میں کوئی سوال حضور سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گذر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور سے سوال کر بیٹھے۔ پھر ہم بھی سن لیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں۔ انہوں نے حضور سے صرف اس بارہ مسئلے پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن پاک میں مذکور ہیں جیسے شراب وغیرہ کا سوال' حرمت والے مہینوں کی بابت کا سوال' یتیموں کی بابت کا سوال وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر'' ام'' یا'' تو بل'' کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے۔ یہ حکم مومن کافر سب کو ہے کیونکہ حضورؐ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند و تیز آواز سے ہلاک کر دیا گیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ یارسول اللہ کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ کو مان لیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے کہا' یارسول اللہ' کاش کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ تھا' آپؐ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں الٰہی نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا۔ سنو۔ بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا' اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اب یا تو دنیا کی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی منظور کرے لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے' پھر استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گذرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے پھر گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں۔ اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو۔ ہاں باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونے والا ہی تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قریشیوں نے حضورؐ سے کہا کہ اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا لیکن پھر مائدہ (آسمانی دستر خوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا، وہی تمہارا بھی ہوگا۔ اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ مراد یہ ہے کہ تکبر، عناد سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت وضلالت میں گھر جاتا ہے۔ اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○ تم نمازیں قائم رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ○

قومی عصبیت باعث شقاوت ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۰) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے۔ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضرتؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ گو ان کی کتاب میں حضورؐ کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضورؐ کی صفتیں جانتے تھے اور آپ کو اچھی طرح پہچانتے تھے، پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سرا سر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ عرب میں آپ کیوں مبعوث ہوئے، کفر وانکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگذر کرتے رہو اور اللہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جیسے اور جگہ فرمایا، تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننی پڑیں گی مگر بعد میں حکم نازل فرما دیا کہ ان مشرکین سے اب دب کر نہ رہو۔ ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب سے درگذر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیتیں اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا۔ اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں بچھ گئیں۔ پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی حفاظت کرو۔ یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا۔ اس سے کوئی

چھوٹا' بڑا' چھپا' کھلا' اچھا' برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ مُبصِر کے بدلے بَصِیر کہا جیسے مُبدِع کے بدلے بَدِیع اور مُولِم کے بدلے اَلِیم۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں سَمِیعٌ بَصِیرٌ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ ع ۱۳

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا یہ صرف ان کی امنگیں ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو ○ سنو جو بھی اپنے تئیں خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے' بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا۔ اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور نہ اداسی ○ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود نہیں۔ حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا ○

شیطان صفت مغرور یہودی: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۳) یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورۂ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گذرا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو۔ انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے' اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے اللہ کے سامنے متوجہ کر دیئے۔ غرض یہ ہے کہ اخلاص اور مطابقت سنت ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو اَسْلَمَ وَجْهَهُ سے مراد خلوص اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے مراد اتباع سنت ہے۔ نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم)۔

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رد کر دیئے

دوسری جگہ فرمایا کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی۔ جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے اس آیت کی تفسیر میں مراد یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد لئے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو۔ مقصود اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔ ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا بھی یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں اور فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا الخ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہوا سے نیک عمل کرنا چاہئے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا۔ آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا' بخران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے۔ اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں تورات میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں تورات کی تصدیق موجود ہے۔ پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا۔ اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا' اس میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے اور بعض نے کہا' مراد اس سے یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں بعض کہتے ہیں' عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریرؒ اس سے عام لوگ مراد لیتے ہیں گویا سب شامل ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ کرے گا۔ جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا اور یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ سورۂ حج میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے اور جگہ ارشاد ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا۔ پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا۔ وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی ان میں جانا چاہئے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں ○

نصاریٰ اور یہودی مکافات عمل کا شکار: ☆☆ (آیت:۱۱۴) اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ

ہیں- دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں- نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے- بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی' بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبتہ اللہ سے روکا تھا- یہاں تک کہ ذی طوی میں آپ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی- باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج وعمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں- حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے- ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبتہ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے- یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے- لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے- ابن زیدؒ اور حضرت عباسؓ کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا' اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے- ان پر تو حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں- وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو اور آپ کے صحابیوںؓ کو مسجد الحرام سے روکا' مکہ سے نکالا- پھر حج وغیرہ سے بھی روک دیا-

امام ابن جریرؒ کا یہ فرمان کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت بٹھا دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور جگہ فرمایا مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا الخ یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں- مشرکوں سے اللہ کی مسجدیں آباد نہیں ہو سکتیں- جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں' جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں- مسجدوں کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز و زکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ ہی سے ڈرنے والے ہیں- یہی لوگ راہ راست والے ہیں- اور جگہ فرمایا هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ ان لوگوں نے بھی کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے بھی روکا اور قربانیوں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا' اگر ہمیں ان مومن مردوں عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ پیس دئے جائیں- اس لئے ہم نے سردست یہ حکم نہیں دیا لیکن یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں- پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مسجدوں کی آبادی حقیقی معنی میں ہے' وہ ہی روک دیئے گئے تو مسجدوں کے اجاڑنے میں کونسی کمی رہ گئی؟ مسجدوں کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت' رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا' اس میں شریعت کا قائم رہنا اور شرک اور ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا' یہ ان کی حقیقی آبادی ہے- پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو' ہم تمہیں غالب کر دیں گے اس وقت یہی کرنا چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اگلے سال ۹ ہجری اعلان کرا دیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے- جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے' وہ قائم ہے- یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے ہوئے اور خوف زدہ مسجد میں آئیں لیکن برخلاف اس کے الٹے یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے چنانچہ یہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔

الحمدللہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسولؐ پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مسجدوں کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی بالخصوص اس جگہ کی اور مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان کفار پر دنیا کی رسوائی بھی آئی' جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا' جلاوطن کیا' ٹھیک اس کا پورا بدلہ انہیں ملا۔ یہ بھی روکے گئے' جلاوطن کئے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت توڑی۔ وہاں بت بٹھائے' غیر اللہ سے دعائیں اور مناجاتیں شروع کر دیں۔ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی' بالخصوص اس صخرہ (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے' اسی طرح جب یہودیوں نے بھی نصرانیوں سے بہت زیادہ ہتک کی تو ان پر ذلت بھی اس وجہ سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدیؑ کے زمانہ کی رسوائی بھی ہے اور جزیہ کی ادائیگی بھی ہے۔ حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ اے اللہ تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔ اس کے راوی بشر بن ارطاۃؓ صحابی ہیں۔ ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور سمائی والا اور بڑے علم والا ہے ○

کعبہ صرف علامت وحدت و سمت ہے۔ اللہ کا جمال و جلال غیر محدود ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۵) اس آیت میں نبی ﷺ اور آپ کے ان اصحابؓ کو تسلی دی جا رہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے تھے اور اپنی مسجد سے روکے گئے۔ حضورؐ مکہ شریف میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تو کعبۃ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا۔ جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ ماہ تک تو ادھر ہی نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت وارد کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا حکم ہے لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ والی آیت نازل ہوئی حضورؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے پھر آیت وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ الخ نازل ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی۔

مدینہ میں جب حضورؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ

ہوااور آپ کو اپنی چاہت دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو' پھر جانا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق مغرب میں جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو' بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو۔ سب جہتیں اللہ کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا تھوڑے بہت جو بھی ہوں' اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا۔ اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد علم اللہ ہو تو صحیح ہے۔ کوئی مکان اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں محصور ہو۔ ایک مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہ روی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہو' ادا کر لیا کرو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا' نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم' ترمذی' نسائی ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری' صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن عمرؓ سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا مشہور فرمان اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو' سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں امام مالکؒ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ابوسعید اصطخریؒ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے بھی یہ روایت ہے امام ابوجعفر طبریؒ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے اٹکل سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی وہ نماز ادا شدہ بتلائی گئی۔ حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں' ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر اترے۔ رات اندھیری تھی۔ لوگوں نے پتھر لے لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی' ہم نے حضورؐ سے ذکر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام صاحب نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیئے تھے تاکہ صبح روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ کی طرف ادا ہوئی یا نہیں؟ صبح معلوم ہوا کہ قبلہ جاننے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضورؐ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی دو راوی ضعیف ہیں۔ یہ روایت دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ حضورؐ نہ تھے۔ یہ بھی سنداً ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول میں سے ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ حدیثیں ہیں

جو اوپر بیان ہوئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور کہا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا۔ نصرانی تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو اے مسلمانو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا حضورؐ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ روایت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے معنی میں یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں' ان کے جنازے کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہئے۔ اور اس کے نہ ماننے والے اس حکم کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا۔ زمین آپ کے لئے سمیٹ لی گئی تھی۔ دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا' اس لئے آپ نے یہاں غائبانہ ادا کی۔ ابن عربی اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو' ابن عربیؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز ان کی شریعت میں نہ ہو' یہ جواب بہت اچھا ہے' تیسری یہ کہ یہ نماز آپ نے اس لئے ادا کی کہ دوسرے لوگوں کی رغبت کا سبب ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ بھی دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بنا پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ وہیں رہتا ہے کیا جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے کیونکہ گو حضورؐ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا لیکن صحابہؓ کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔ اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ نہ ہی ہوا۔ جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں' وہ تو اس صورت میں بھی قائل نہیں ہیں اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو۔ شریعت ان کی بھی اسلام تھی نہ کہ کوئی اور۔ تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور برتقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تاکہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اہل مدینہ' اہل شام' اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابومعشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے ایک اور سند سے بھی وارد کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب' علی ابن ابو طالب' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ملاحظہ ہو دارقطنی' بیہقی وغیرہ۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو' میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ مجھ سے دعا کرو' میں قبول کروں گا' اتری تو لوگوں نے کہا' کس طرف رخ کر کے دعا کریں۔ اس کے جواب میں آیت فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا الخ نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب' گنجائش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے۔ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے وہ زمین وآسمان کا ابتدأً پیدا کرنے والا ہے ○ وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا۔ بس وہ وہیں ہوجاتا ہے ○

اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے' کے دلائل: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۷) یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود ومشرکین کی تردید میں ہے جو اللہ کی اولاد بتاتے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین وآسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ مالک ہے۔ ان کا پیدا کرنے والا' انہیں روزیاں دینے والا' ان کے اندازے مقرر کرنے والا' انہیں قبضہ میں رکھنے والا' ان میں ہر تغیر وتبدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے؟ نہ عزیرؑ اور نہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود ونصاریٰ کا خیال تھا۔ نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا۔ اس لئے کہ دو برابر کی مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت وکبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور۔ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔

یہ لوگ رحمٰن کی اولاد بتاتے ہیں۔ یہ کتنی بے معنی اور بے ہودہ بات اور واہی تم کہتے ہو۔ یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہوجانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہوجانا ممکن ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اللہ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ہی ملکیت ہے۔ زمین وآسمان کی تمام ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت والے دن تنہا تنہا پیش ہونے والی ہے۔ پس غلام اولاد نہیں بن سکتا۔ ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں۔ دوسری جگہ پوری سورت میں اس کی نفی فرمائی۔ ارشاد ہوا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی نہ اولاد ہے نہ ماں باپ۔ اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔ ان آیتوں اور ان جیسی اور آیتوں میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح وتقدیس بیان کی اور اپنا بے نظیر بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے۔ پھر اس کی اولاد بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہوں گی؟

سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے۔ اسے یہ لائق نہ تھا۔ مجھے وہ گالیاں دیتا ہے۔ اسے یہ نہیں چاہئے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند وبالا ہوں اس سے کہ میری اولاد و بیوی ہو۔ یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے۔ صحیحین میں ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں' بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں' لوگ اس کی اولادیں بتائیں اور وہ انہیں رزق وعافیت دیتا رہے۔ پھر

فرمایا- ہر چیز اس کی اطاعت گذار ہے- اس کی غلامی کا اقرار کئے ہوئے ہے' اس کے لئے مخلص' اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں بھی عبادت گذار ہے-- جس کو کہے یوں ہو جاؤ یا اس طرح بن- فوراً وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے -اس طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے- کفار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مطیع ہیں لیکن ہر موجود کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں' قرآن نے اور جگہ فرمایا وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ الخ آسمان و زمین کی کل چیزیں خوشی ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں- ان کے سائے صبح شام جھکتے رہتے ہیں- ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے' وہاں مراد اطاعت ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں- ممکن ہے صحابیؓ کا یا اور کسی کا کلام ہو اس سند سے اور آیتوں کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے- کوئی شخص اس سے دھوکہ میں نہ پڑے- واللہ اعلم-

پھر فرمایا' وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے- لغت میں بدعت کے معنی نو پیدا کرنے' نیا بنانے کے ہیں- حدیث میں ہے' ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے- یہ تو شرعی بدعت ہے- کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتاً ہوتا ہے- شرعاً مراد نہیں ہوتی- جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا' اچھی بدعت ہے- بدیع کا مبتدع سے تصرف کیا گیا ہے جیسے مولم سے الیم اور مسمع سے سمیع معنی مبدع کے انشا اور نو پید کرنے والے کے ہیں- بغیر مثال' بغیر نمونہ اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے بدعتی کو اس لئے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین اللہ میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو- اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عرب مبتدع کہتے ہیں- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے' وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے' ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے- ہر چیز اس کی اطاعت گذاری کی اقراری ہے- سب کا پیدا کرنے والا' بنانے والا' موجود کرنے والا' بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا' ایک وہی رب العٰلمین ہے- اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے- خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں- جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا' اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بے باپ پیدا کر دیا- پھر کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تم خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو- پھر فرمایا- اس اللہ کی قدرت' سلطنت' سطوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہئے' اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح کی اور ایسی ہو جا- وہ اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے فرمایا اِنَّمَآ اَمۡرُہٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ دوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَآ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ اور ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰہُ اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ قَوۡلَۃً فَیَکُوۡنُ

مطلب اس کا ہے کہ ادھر کسی چیز کا اللہ نے ارادہ فرمایا- اس نے کہا' ہو جا' وہیں وہ ہو گیا- اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں- پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں دوسری جگہ صاف صاف فرما دیا اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا- پھر فرمایا- ہو جا- وہ ہو گئے-

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا۔ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔ ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں ○

طلب نظارہ۔ ایک حماقت: ☆☆ (آیت:۱۱۸) رافع بن حریملہ نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی' ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپؐ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا۔ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ الخ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اور جگہ فرمایا وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ الخ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپؐ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے ان زمینوں میں چشمے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا الخ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں' ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔ اور جگہ فرمایا بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ الخ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

آیتیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضورؐ سے صرف تکبر و عناد کی بنا پر ایسی چیزیں طلب کیں۔ اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا۔ ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی بے معنی سوالات کئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ الخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰؑ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰؑ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا۔ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل سابقہ کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا۔ انہوں نے بھی ان کی باتوں کو دہرایا تھا۔ پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کر دی ہیں جن سے رسولؐ کی تصدیق عیاں ہے۔ کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی۔ یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ الخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے۔ گو ان کے پاس تمام آیتیں آ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈراوا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے پرسش نہیں ہوگی O

آپ نصیحت کی حد تک مسئول ہیں: ☆☆ (آیت:۱۱۹) حدیث میں ہے خوشخبری جنت کی اور ڈراوا جہنم سے لَا تُسْئَلُ کی دوسری قرات مَاتُسْئَلُ بھی ہے اور ابن مسعودؓ کی قرات میں لَنْ تُسْئَلَ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا جیسے فرمایا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور فرمایا فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ تو نصیحت کرتا رہ۔ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ الخ ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں۔ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔ تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ ایک قرات اس کی وَلَا تَسْئَالُ بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اے نبیؐ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ پھر آخری دم تک آپؐ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا ابن جریرؒ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال انتابد اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو' تذکرہ میں قرطبیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کے والدین زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپ نے کسی کے سوال پر فرمایا ہے کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔ ان کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن پوچھا کہ میرے باپ کہاں ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضورؐ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرات ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟ ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپؐ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا۔ پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہوگئی تو آپؐ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتلا دیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عطا بن یسارؒ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے تو آپؓ نے فرمایا' ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں' وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں بھی ہے اے نبیؐ ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو نہ بدخلق نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے۔ نہ تو برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے بلکہ معاف اور درگذر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ تیرے دین کو تیری وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں۔ اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی' ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد مزید ہے کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعبؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی ٹھیک یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار ○ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے' وہ نقصان والا ہے ○

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۰-۱۲۱) آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا کے پیچھے لگ جا۔ انہیں دعوت رسالت پہنچا دی۔ دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔ تو اس پر جم جا۔ حدیث شریف میں ہے' میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا۔ ان کی طرف نہ جھکنا۔ ان کی نہ ماننا۔ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں۔ اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کفر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں' امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ واللہ اعلم۔

حق تلاوت سے کیا مراد ہے؟ ☆☆ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے' وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں' قتادہؒ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' حلال و حرام کو جاننا' کلمات کو ان کی جگہ رکھنا' تغیر و تبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا' متشابہ آیتوں پر ایمان لانا' مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباس سے اس کا مطلب حق اتباع بجا لانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا میں' ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں' قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور

اللہ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے - پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کی سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں' وہ قرآن پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ اگر یہ توراۃ وانجیل پر اور اللہ کی ان کی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا اور فرمایا اے اہل کتاب جب تک تم توراۃ وانجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا' اس کو قائم نہ کرلو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو- ان کا قائم کرنا مستلزم ہے' کہ تم اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضورؐ کے ذکر کی صفات' آپ کی تابعداری کا حکم' آپ کی اتباع کی رغبت سب کچھ موجود ہے-

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی امی کی تابعداری کرتے ہیں جس رسولؐ کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراۃ وانجیل میں بھی لکھا دیکھتے ہیں- اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ الخ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے- ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے- اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے اگلی کتاب دی ہے' وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں' ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں- انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا- یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دوسروں کو دیتے ہیں- اور جگہ ارشاد ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ الخ یعنی پڑھے لکھے اور بے پڑھے لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر صرف تبلیغ ہے- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے- اسی لئے یہاں فرمایا کہ ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں' جیسے فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے' اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے- صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں جائے گا-

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۲ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَـمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴

اے اولاد یعقوبؑ میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں' انہیں یاد کرو- میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے ○ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا- نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا- عرض کرنے لگے- میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ○

انتباہ: ☆☆ (آیت: ۱۲۲-۱۲۳) پہلے بھی اسی جیسی آیت شروع سورت میں گذر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے- یہاں

صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔ پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچازاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی' ان میں جس خاتم النبین کو اللہ نے مبعوث فرمایا' ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

امام توحید: ☆☆ (آیت:۱۲۴) اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں۔ جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے حکم اللہ کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جوانمردی دکھائی۔ فرماتا ہے' اے نبی تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعویدار ہیں' ذرا ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر' اسوہ ابراہیمی پر کون قائم ہے۔ وہ یا آپؐ اور آپؐ کے اصحاب؟ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ابراہیمؑ وہ ہیں جنہوں نے پوری وفاداری دکھائی اور جگہ فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ الخ ابراہیمؑ لوگوں کے پیشوا' اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار' مخلص اور نعمت کے شکر گذار تھے جنہیں اللہ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک انجام بنایا تھا۔ پھر ہم نے تیری طرف اے نبیؐ وحی کی کہ تو بھی ابراہیمؑ حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے نہ مشرک تھے بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہو اور یہ نبیؐ اور ایمان والے' ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے ابتلاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔ کلمات سے مراد شریعت' حکم اور ممانعت وغیرہ ہے' کلمات سے مراد کلمات تقدیریہ بھی ہوتی ہے جیسے مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتی ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سے سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے۔ یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا۔ ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج' موچھوں کو کم کرنا' کلی کرنا' ناک صاف کرنا' مسواک کرنا' سر کے بال یا منڈوانا یا رکھوانا تو مانگ نکالنا' ناخن کاٹنا' زیر ناف کے بال کاٹنا' ختنہ کرانا' بغل کے بال کاٹنا' پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا' جمعہ کے دن غسل کرنا' طواف کرنا' صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا' رمی جمار کرنا' طواف افاضہ کرنا وغیرہ۔

مکمل اسلام: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' اس سے مراد پورا اسلام ہے جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورۂ برائت میں ہے اَلتَّآئِبُوْنَ عٰبِدُوْنَ سے مُؤْمِنِيْنَ تک یعنی توبہ کرنا' عبادت کرنا' حمد کرنا' اللہ کی راہ میں پھرنا' رکوع کرنا' سجدہ کرنا' بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنا' ایمان لانا۔ دس کا بیان ''قَدْ اَفْلَحَ'' کے شروع سے يُحَافِظُوْنَ تک ہے اور سورۂ معارج میں ہے یعنی نماز کو خشوع وخضوع سے ادا کرنا' لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا' زکوٰۃ دیتے رہا کرنا' شرمگاہ کی حفاظت کرنا' امانت داری کرنا' وعدہ وفائی کرنا' نماز پر ہمیشگی اور حفاظت کرنا' قیامت کو سچا جاننا' عذابوں سے ڈرتے رہنا' سچی شہادت پر قائم رہنا اور دس کا بیان سورۂ احزاب میں اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ سے عَظِيْمًا تک ہے یعنی اسلام لانا' ایمان رکھنا' قرآن پڑھنا' سچ بولنا' صبر کرنا' عاجزی کرنا' خیرات دینا' روزہ رکھنا' بدکاری سے بچنا' اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا' ان تینوں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمیؑ میں اپنی قوم سے علیحدگی کرنا' بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرنا' پھر راہ اللہ میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا' سہنا' پھر وطن اور گھر بار کو اللہ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا' مہمانداری کرنا' اللہ کی راہ میں جانی اور مالی مصیبت راہ اللہ برداشت کرنا یہاں تک کہ بچہ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے۔ یہ کل احکام خلیل الرحمٰن علیہ السلام بجالائے۔ سورج' چاند اور ستاروں سے بھی آپؑ کی آزمائش ہوئی امامت کے ساتھ' بیت اللہ بنانے کے حکم کے ساتھ' حج کے حکم اور مقام ابراہیم کے ساتھ' بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ' حضرت محمد ﷺ کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل میں تمہیں آزماتا ہوں' دیکھتا ہوں' تم کیا ہو؟ تو آپؑ نے فرمایا' مجھے لوگوں کا امام بنا دے۔ اس کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنا دے۔ یہاں والوں کو پھلوں کی روزیاں دے۔ یہ تمام باتیں عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپؑ کو عطا ہوئیں۔ صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی۔ وہ یہ کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا' ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ کلمات سے مراد اس کے ساتھ کی آیتیں بھی ہیں۔

مؤطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے' سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے' سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے' سب سے پہلی مونچھیں پست کرنے والے' سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے' حضرت ابراہیم ہی ہیں۔ سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ یا یہ کیا ہے؟ جواب ملا' وقار و عزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو اے اللہ اسے اور زیادہ کر۔ سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے' سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے' سب سے پہلے تلوار چلانے والے' سب سے پہلے مسواک کرنے والے' سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے' سب سے پہلے پاجامہ پہننے والے' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' گر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیمؑ نے بھی بنایا تھا اور اگر میں لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ مختلف بزرگوں سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں۔ کسی خاص تخصیص کی کوئی وجہ ہمیں نہیں ملی واللہ اعلم۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں۔ مونچھیں کم کرنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن لینا' پوریاں دھونی' بغل کے بال لینا' زیر ناف کے بال لینا' استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا شاید کلی کرنا تھی۔

صحیحین میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں۔ ختنہ کرانا' موئے (بال) زہار لینا' مونچھیں کم کرنا' ناخن لینا بغل کے بال لینا' ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے سُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَيُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ایک اور روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے لیکن یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کا بیان بھی بے بیان ضعف جائز نہیں متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے تھے جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر کر دی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا۔ وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے گی۔ سورۂ عنکبوت کی آیت میں اس مطلب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ وہاں ہے وَجَعَلۡنَا فِىۡ

ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی- حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے انبیاء اور رسول آئے' وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں' سب آپ ہی کی اولاد میں ہوئیں صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے- ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لی ہے- عہد سے مراد امر ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں- ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیمؑ میں سے ہو' حضرت خلیلؑ کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے- یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ظالم سے کوئی عہد نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے- اس کا عہد توڑ دیا جائے- پورا نہ کیا جائے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ دینے کا عہد نہیں کیا- دنیا میں تو کھا پی رہا ہے اور عیش و عشرت کر رہا ہے- بس یہی ہے عہد سے مراد دین بھی ہے یعنی تیری کل اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ یعنی ان کی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی' اطاعت کے معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہی ہو گی اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں- ابن خویز منداذ مالکیؒ فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ نہ راوی-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ

ہم نے بیت اللہ لوگوں کے لیئے ثواب کی اور امن وامان کی جگہ بنائی- تم مقام ابراہیمؑ کو قبلہ مقرر کر لو ○

شوق زیارت اور بڑھتا ہے : ☆☆ (آیت:۱۲۵) ''مَثَابَةً'' سے مراد بار بار آنا- حج کرنے کے بعد بھی دل میں لگن لگی رہتی ہے- گویا حج کرنے کے بعد بھی ہر بار دل میں ایک بار اور حج کرنے کی تمنا رہتی ہے- دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ بھاگے دوڑے اس کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں- یہی جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا- جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس کے آس پاس تو لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن وامان ہی رہتا- کسی کو کوئی گالی بھی نہیں دیتا- یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی- نیک روحیں اس کی طرف مشتاق ہی رہتی ہیں- گو ہر سال زیارت کریں لیکن پھر بھی شوق زیارت کم نہیں ہوتا ہے- یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے- آپ نے دعا مانگی تھی کہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ الخ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے- یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا- سورۂ مائدہ میں ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گرا دیا جائے- اس گھر کے اس شرف کو دیکھ کر پھر اس کے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے شرف کو خیال فرمایئے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ الخ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیم کو بتا دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا- اور جگہ ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ الخ اللہ جل شانہ کا پہلا گھر مکہ میں ہے جو برکت و ہدایت والا- نشانیوں والا-

مقام ابراہیم والا- امن وامان والا ہے- مقام ابراہیم بھی ہے اور حج کل کا کل بھی ہے مثلاً عرفات' مشعر الحرام' منیٰ' رمی' جمار' صفا' مروہ کا طواف' مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کے لئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا لیکن حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں' یہ غلط ہے- دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ بناتے تھے- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ کی لمبی حدیث میں ہے' جب نبی ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا'

کیا یہی ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مقام ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں' کہا' پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی ہی دیر گذری تھی جو حکم نازل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیمؑ کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرؓ نے پوچھا' یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یہی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں' میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی۔ جو اللہ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا۔ میں نے کہا' حضور کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنا لیتے تو حکم وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوا۔ میں نے کہا' یارسول اللہؐ کاش کہ آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں' اس پر پردے کی آیت اتری۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا۔ اس پر فرمان باری نازل ہوا کہ عَسٰى رَبُّهٗٓ الخ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کی موافقت مروی ہے۔ آپؓ نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضورؐ اس کے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ اس منافق کافر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپؐ نے مجھے ڈانٹ دیا۔ اس پر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ نازل ہوئی اور آپؐ کو ایسوں کے جنازے سے روکا گیا۔

ابن جریج میں روایت ہے آنحضرتؐ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دڑکی چال چلے اور چار پھیرے چل کر کئے۔ پھر مقام ابراہیمؑ کے پیچھے آکر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپؐ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیمؑ سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بنا رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور آپؑ کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی' وہاں لے جاتے تھے۔ اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں۔ اس کا پورا بیان حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس پتھر پر آپؑ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے۔ عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

وَمَوْطِئُ اِبْرٰهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً   عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

یعنی اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہؑ کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا۔ پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے' تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں۔ اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الہ العالمین بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان رساں ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیمؑ پہلے دیوار کعبہ کے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور یہیں وہ پتھر رکھا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایتیں ہیں۔ پھر ایک مرتبہ پانی کے سیلاب میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔ خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا۔ اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اسے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا' واللہ اعلم۔

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا ءَامِنًا وَٱرْزُقْ أَهْلَهُۥ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ مَنْ ءَامَنَ مِنْهُم بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُۥ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُۥٓ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلنَّارِ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو ○ جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں' پھلوں کی روزیاں دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا۔ پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا۔ یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے ○

عہد جو مترادف حکم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۵-۱۲۸) یہاں عہد سے مراد وہ حکم ہے جس میں کہا گیا گندی اور نجس اور بری چیزوں سے پاک رکھنا۔ عہد کا تعدیہ الیٰ سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا۔ پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بتوں سے بچانا' غیر اللہ کی عبادت نہ ہونے دینا' لغو کاموں' فضول بکواس' جھوٹی باتوں' شرک و کفر' ہنسی اور مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔ طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں۔ دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں۔ اس تقدیر پر عَاکِفِیْن کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کوئی کسی وقت جنبی ہو جائے۔ ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہئے۔ ابن عمرؓ انہیں بھی عَاکِفِیْن کہتے تھے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سویا کرتے تھے۔ وہ جوان اور کنوارے تھے۔ رُکَّعِ السُّجُوْدِ سے مراد نمازی ہیں۔ پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی۔ دوسرے اس لئے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں خلوص کی بات رکھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا الخ اس آیت میں بھی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف؟ امام مالکؒ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے اس کی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنا اور خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح بے انصافی ہے اور اسی لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ۠ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما۔ تو سننے اور جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گذار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

دردناک عذاب چکھائیں گے۔ مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی تردید بھی اس آیت میں ہوگئی کہ اگر وہ ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما کی افضیلت' بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھرانے کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے' جب وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت اللہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر ان نبیوں کی تابعداری کے دعوے کے باوجود کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس گھر کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مسجدوں کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح شام اس کی تسبیح اس کے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی ہے کہ مسجدیں اسی کام کے لئے ہیں اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مسجدوں کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سنداً غریب ہے۔ بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا۔ حرا۔ طور سینا۔ طور زیتا۔ جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور فرمایا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں شکار نہ کھیلا جائے۔ یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور ﷺ اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں' ہمارے شہر میں' ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔ اے اللہ ابراہیمؑ تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے۔ میں بھی تیرا بندہ' تیرا رسول ہوں۔ انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے کی تھی۔ آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ابوطلحہؓ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لئے لے آؤ۔ ابوطلحہ مجھے لے کر حاضر ہوئے۔ اب میں سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپ باہر سے آ رہے

تھے۔ جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپؐ نے فرمایا' یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یااللہ میں اس کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے۔ اور روایت میں ہے' یااللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے' اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے اور روایت میں ہے' مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں۔ اسی مضمون کی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے' مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے اور بھی بہت سی ہیں۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ شریف کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے۔ بعض کہتے ہیں خلیل اللہ کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے' تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے۔ اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں۔ میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال تھا۔ اب وہ حرام ہی حرام ہے۔ سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔ اس کا شکار نہ بھگایا جائے۔ اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ جو پہنچوائی جائے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپؐ نے اثنائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباسؓ کے سوال پر آپ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدویؓ نے عمر بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا' جسے میرے کانوں نے سنا' دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضورؐ کو اس وقت دیکھا۔ آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم کیا ہے۔ لوگوں نے نہیں کیا' کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس کی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے لیکن عمر (بن سعید) نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری مسلم)۔

ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ سمجھے۔ تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی۔ جس طرح آنحضرتؐ نبی تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیمؑ نے آپ کی نبوت کی دعا کی کہ وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' میرے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ بن مریمؑ کی بشارت اور میری ماں کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟ ☆☆ اس بات کا بیان کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جیسا کہ جمہور کا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے۔ مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا

ہے جیسے کہ فرمایا وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا اور جگہ ارشاد ہے اَوَلَمْ يَرَوْا الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا۔ لوگ اس کے آس پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پرامن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ شریف میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم) آپ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی۔ اس لیئے کہا کہ اے اللہ یا اس جگہ کو امن والا شہر بنا' سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی۔ جب بیت اللہ شریف تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاقؑ جو حضرت اسمٰعیلؑ سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لئے اس دعا کے آخر میں ان کی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا۔

وَمَنْ كَفَرَ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعض نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے تو اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر' اس میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی بری اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے کا یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والی نسلوں کی روزی طلب کرتے ہوئے صرف ایماندار اولاد کے لئے کہا۔ ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی دیتا ہوں جیسے اور جگہ ہے كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ الخ یعنی ہم انہیں اور ان کو بھی فائدہ دیں گے۔ تیرے رب کی بخشش محدود نہیں۔

اور جگہ ہے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ فلاح نہیں پاتے۔ دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھالیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے۔ جب یہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم انہیں یونہی سا فائدہ پہنچا کر سخت غلیظ عذابوں کی طرف بے قرار کریں گے۔ اور جگہ ہے لَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ الخ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر ٹیکے لگائے بیٹھے رہتے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیوی فوائد ہیں۔ آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے۔ یہاں ڈھیل پالیں گے لیکن وہاں سخت پکڑ ہوگی۔ جیسے اور جگہ ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ الخ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی۔ پھر پکڑ لیا۔ انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے صحیحین کی حدیث میں ہے' گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ اس جملہ کو حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں شامل کرنا شاذ قرأت کی بنا پر ہے جو ساتوں قاریوں کی قرأت کے خلاف ہے اور ترکیب سیاق و سباق بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ قال کی ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے اور اس شاذ قرأت کی بنا پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیمؑ ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے۔ واللہ اعلم۔

قواعد جمع ہے قَاعِدَةٌ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبیؐ اپنے والوں کو بنائے ابراہیمی کی خبر دو' ایک قرأت

میں وَاِسْمٰعِیْلُ کے بعد وَیَقُوْلَانِ بھی ہے۔ اسی کی دلالت میں آگے لفظ مُسْلِمَیْنِ بھی ہے۔ دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت وہیب بن ورد جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو بہت روتے اور فرماتے آہ! خلیل الرحمٰن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر اللہ کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس کا گھر اس کے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خوف ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے۔ سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ وہ نیک کام کرتے ہیں۔ صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف اللہ سے کانپتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ قبول نہ ہوں۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت سے بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیمؑ اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسماعیلؑ کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت مائی سارہؓ کو ان کا نقش قدم نہ ملے۔ انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جبکہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

سناٹے کی آغوش میں زندگی: ☆☆ اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا۔ اور سنسان بیابان تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا۔ یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے۔ جب خلیل اللہؑ نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی ہاجرہ نے آواز دی' اے خلیل اللہ' ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں یکہ وتنہا چھوڑ کر' جہاں ہمارا کوئی مونس و ہمدم نہیں' آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی' منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہؓ کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں' اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا' اللہ تعالیٰ کو' کہا اے خلیل اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے' یہ سن کر ام اسمٰعیلؑ کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں۔ پھر تشریف لے جایئے۔ وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہؓ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ الخ اله العالمین میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گذاری کریں۔ آپ تو یہ دعا کر کے حکم اللہ بجا لا کر اپنی اہل و عیال کو سپرد اللہ کر کے چلے گئے۔

ادھر حضرت ہاجرہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں۔ جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا۔ اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے نہ پانی کا گھونٹ' خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا۔ ماں ممتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے' کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے۔ معلوم ہے کہ کسی انسان کا گذر اس بھیانک جنگل میں نہیں۔ میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں۔ کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا۔

آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا' اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں۔ اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں۔ اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں۔ ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' صفا مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں' اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہؓ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرئیلؑ کو پاتی ہیں۔

حضرت جبرئیلؑ پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں' میں ہاجرہ ہوں۔ میں حضرت ابراہیمؑ کے لڑکے کی ماں ہوں۔ فرشتہ پوچھتا ہے۔ ابراہیمؑ تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا۔ اے غیبی شخص' آواز تو میں نے سن لی۔ کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی۔ وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا۔ مشک بھر کر پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہ کر نکل نہ جائے' آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ام اسمٰعیلؑ پر رحم کرے۔ اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا۔ اب حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بے فکر رہو۔ اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا۔ جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہ اب یہیں رہ پڑیں۔ زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں۔ بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی۔ اِدھر ادھر سے پانی گذر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا۔ ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے' یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا۔ ہماری آمدورفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی۔ یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے۔ یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے۔ اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسمٰعیلؑ سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں۔ پانی کی جگہ ہے۔ آپؑ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں' ہاجرہ تو چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا۔

حضرت اسمٰعیلؑ بھی بڑے ہو گئے۔ ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی۔ مائی ہاجرہ علیہا السلام کا انتقال یہیں ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپؑ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔ ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے۔ یہاں آئے تو حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر نہ ملے۔ اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے۔ بڑی تنگی اور سختی ہے۔ فرمایا اچھا تمہارے خاوند آویں تو

انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہؑ جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھنے لگے کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا' ہاں ایسی ایسی شکل وشباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا' میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گذران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گذر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا' ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں' میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ آپ فرمانے لگے۔ بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ (چونکہ تم نے ناشکری کی) میں تم کو الگ کر دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ باجازت الٰہی یہاں آئے۔ اب کی مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیحؑ سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں۔ آپ آئیے تشریف رکھئے۔ جو کچھ حاضر ہے تناول فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گذر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا' الحمدللہ۔ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کیلئے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے۔ اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گذر کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں۔ ازاں بعد حضرت اسمٰعیلؑ آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے۔ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گذار ہو)

تعمیر کعبہ: ☆☆ پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسمٰعیلؑ کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا' حضرت اسمٰعیلؑ باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور باادب ملے۔ جب باپ بیٹے ملے تو خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا' اے اسماعیل مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا' ابا جان جو حکم ہوا ہو' اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں۔ کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے۔ کہنے لگے بہت بہتر۔ اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں۔ حضرت اسمٰعیل پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم چنتے جاتے تھے۔ جب یہ دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمانا۔ تو سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے۔ کہیں مختصراً اور کہیں مفصلاً۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہؑ کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا' اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔ اوپر کی لمبی روایت بروایت حضرت علیؓ بھی مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ علیہ السلام نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیمؑ جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے' وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو' کمی زیادتی نہ ہو' اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے لیکن پہلی روایت ہی ٹھیک ہے اور اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھدی تھی لیکن بنایا

بعد میں اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؓ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ حضرت ابراہیمؑ گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے۔ کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے وغیرہ۔ اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے' وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لاؤ۔ آپ پتھر ڈھونڈ لائے تو دیکھا کہ آپؑ اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں' پوچھا یہ پتھر کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرئیلؑ آسمان سے لے کر آئے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے' وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی۔ یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' کعبۃ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیل آرمینیہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرئیلؑ ہند سے لائے تھے۔ اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدمؑ نے بنا کی۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے تھے۔ اس وقت ان کا قد لمبا تھا۔ زمین میں آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح' نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے۔ جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہوگئیں تو آپ گھبرانے لگے۔ حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آپؑ چلے۔ جہاں جہاں آپ کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک یاقوت جنت سے اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا۔ حضرت آدمؑ یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے۔ گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوحؑ کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدمؑ نے یہ گھر حرا طور زیتا جبل لبنان طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن ان تمام روایتوں میں تفاوت ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایتوں میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بتانے کے لئے حضرت جبرئیلؑ چلے تھے۔ اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کس دور عمالیق کی آبادی تھی۔ یہاں آپ حضرت ام اسماعیلؑ کو اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک چھپر تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیں گواہی دیں گی۔ پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں' ذوالقرنین خوش ہوگئے اور کہنے لگے' میں نے مان لیا۔ الرزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہؑ اور ذبیح اللہؑ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں۔ یہ قَاعِدَۃٌ کی جمع ہے۔ قرآن میں اور جگہ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ بھی آیا ہے۔ اس کا مفرد بھی قاعد ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا' کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیمؑ سے گھٹا دیا میں نے کہا حضورؐ آپ اسے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں۔ فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس کے دوستونوں کو چھوتے

نہ تھے صحیح مسلم شریف میں ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ اے عائشہؓ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ میں اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے چنانچہ ابن زبیرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بنائے ابراہیمی پر بناتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے۔

نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا۔ اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو۔ اس بناء میں خود حضور بھی شریک تھے۔ آپ کی عمر پینتیس (۳۵) سال کی تھی اور پتھر آپ بھی اٹھاتے تھے۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی' اس وقت قریش نے کعبۃ اللہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا۔ ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں۔ چھت نہ تھی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے بیچ میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مال ''دویک'' کے پاس ملا تھا جو خزائمہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا۔ ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے۔ ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں' وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھی۔ یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں۔ اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی جو قبطی قبیلہ میں سے تھا' کو چھت کا کام سونپا۔ یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے۔ بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بڑا اژدھا تھا۔ جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا۔ یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا۔ وہ اسے پکڑ کر لے اڑا۔ قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے۔ لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کو گرا کر اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریشیوں سے خطاب کر کے کہا' سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال خرچ کرے۔ اس میں زنا کاری کا روپیہ' سودی بیوپار کا روپیہ' ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا بعض لوگ کہتے ہیں' یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا' اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور زہرہ بنائیں۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم بنائیں۔ قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنو جمح اور سہم بنائیں۔ حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب بنائیں۔ یہ مقرر کر کے اب بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لئے چلے لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی کہ اسے ڈھانا شروع کرے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کہا۔ لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں۔ ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا۔ قریشیوں نے کہا۔ بس اب چھوڑ دو اور رات بھر کا انتظار کرو۔ اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا اللہ کو ناپسند نہیں۔ پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی۔ اب سب آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے۔ یہاں سبز

پھر اسی بناء رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے۔ ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا۔ اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر ان کی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں۔ اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھر کو اسی طرح رہنے دیا۔

پھر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بنی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی۔ فرقے آپس میں کھچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے ایک طشتری میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے۔ اسی طرح چار پانچ دن گذر گئے۔ پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے' کہا سنو لوگو' تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو۔ لیکن پھر منصف بنانے میں بھی اختلاف ہوگا۔ اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے۔ ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے۔ ہم آپؐ کے حکم پر رضامند ہیں۔ یہ تو امین ہیں۔ یہ تو محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ۔ وہ لے آئے۔ آپؐ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا۔ ہر قبیلہ کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے۔ اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اٹھا لیا۔ جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ کے نبیؐ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اسی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع و اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا اور اس طرح اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا۔ حضورؐ پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی۔ ابن اسحاقؒ مورخ فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا۔ قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا۔ پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔

کعبہ کی یہی عمارت رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیرؓ کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث سنی تھی' اسی کے مطابق حضور کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا۔ حطیم اندر شامل کر لیا۔ مشرق و مغرب دو دروازے رکھے۔ ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا۔ یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے۔ اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنا لیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے۔ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا۔ ازاں بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ کیا کعبۃ اللہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں یا جو ٹوٹا ہوا ہے' اس کی اصلاح کر لیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اسی کی مرمت کر دیں- باقی سب پرانا ہی رہنے دیں- آپ نے فرمایا- اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا تو وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک اسے نئے سرے سے نہ بناتا پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا- پھر جو سمجھ میں آئے گا' وہ کروں گا- تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑی جائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کی جائے چنانچہ یہ حکم دے دیا لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی- ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا' اس پر عذاب نازل ہو گا لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا- جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا- اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا-

اب بناء بیت اللہ شروع ہوئی- حضرت عبداللہ نے فرمایا' میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا' وہ کہتی تھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا- ایک آنے کا اور ایک جانے کا' حضرت عبداللہؓ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا' اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا- ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے- میرے پاس کافی روپیہ ہے- پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضورؐ کی تمنا پوری نہ کروں چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم اندر لے لیا اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا- اب جو اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا' ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے' ٹھیک حضرت ابراہیمؑ کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو اور حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو- حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو تڑوا کر پھر اسی بناء پر بنا دیا لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں- ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی- اس لئے انہوں نے اسے تڑوا دیا- جب انہیں حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑاتے چنانچہ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبیداللہؓ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا' میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی عبداللہ بن زبیرؓ نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی ہو گی- حارثؓ نے کہا ضرور سنی تھی- خود میں نے بھی ام المومنین سے سنا ہے' پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہؓ تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا- اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے ان کی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نیو بتا دوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اس کی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپؐ نے حضرت صدیقہؓ کو حطیم میں سے قریباً سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اس کے دروازے بنا دیتا- ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا- ایک مشرق رخ رکھتا- دوسرا مغرب رخ- جانتی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے؟ آپ نے عرض کی حضورؐ مجھے خبر نہیں' فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے

چاہیں داخل نہ ہونے دیں۔ جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے۔ وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اسے ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اے حارث خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے۔ پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہؓ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارثؓ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے۔ میں نے بھی حضرت صدیقہ سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر کے بنائے ہوئے کے مطابق بنا دوں۔ امام مالک نے فرمایا۔ آپ ایسا نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ کعبہ بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے۔ جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کرے گا۔ حضور فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی' وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے۔ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج و عمرہ کرو گے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا لے یعنی مخلص بنا لے۔ مطیع بنا لے۔ موجود ہر شر سے بچا۔ ریا کاری سے محفوظ رکھ۔ خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع فرماتے ہیں' مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا قَدْ فَعَلْتُ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی۔ قرآن میں ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ یعنی موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت حق و عدل پر تھی لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لئے یہ دعا گو عام طور پر دوسروں پر بھی مشتمل ہو اس لئے کہ اس کے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ لیکن اس سے آپ کی رسالت خاص نہیں ہوتی بلکہ آپ کی رسالت عام ہے۔ عرب و عجم سب کے لئے جیسے قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے' ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول

اللہ ﷺ فرماتے ہیں' انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری رہتے ہیں۔ صدقہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)۔ پھر آپؑ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج وذبح وغیرہ سکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لے کر کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد صفا پر آتے ہیں۔ پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں۔ پھر منیٰ کی طرف لے چلے۔ عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر پڑھ کر اسے کنکر مارو۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث ناامید ہو کر چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا۔ یہاں سے آپؑ کو مشعر الحرام میں لائے۔ پھر عرفات میں پہنچایا۔ پھر تین مرتبہ پوچھا' کہو سمجھ لیا۔ آپؑ نے فرمایا۔ ہاں دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ ع ۸ ۱۵

اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے۔ انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل: ☆☆ (آیت:۱۲۹) اہل حرم کے لئے یہ دعا بھی ہے کہ آپؑ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں" میں اللہ جل شانہ کے نزدیک خاتم النبین اس وقت سے ہوں جبکہ آدمؑ بھی مٹی کی صورت میں تھے' میں تمہیں اپنا ابتدائی امر بتاؤں۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ابوامامہؓ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ اپنی نبوت کا شروع تو ہمیں بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا" میرے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰؑ نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہو گا۔ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا' لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا۔ بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید منارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری ومسلم میں ہے' میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔ ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آ جائے۔ صحیح بخاری میں کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابوالعالیہؒ سے مروی ہے کہ یہ بھی اسی مقبول دعا کا ایک حصہ ہے کہ یہ پیغمبر آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ اور مقاتلؒ بن حیان اور ابومالکؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا' یعنی طاعت واخلاص سکھانا' بھلائیاں کرانا' برائیوں سے بچانا' اطاعت الٰہی کر کے رضائے رب حاصل کرنا' نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے

محفوظ رہنا۔ اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت وعدل وعلم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ۭ

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو۔ ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے تھا ○ جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا' مان لے انہوں نے کہا' میں نے رب العالمین کی مان لی ○ اسی کی وصیت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا ہے۔ خبردار تم مسلمان ہی مرنا ○

توحید کے دعوے اور مشرکین کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۲) ان آیتوں میں بھی مشرکین کی تردید ہے کہ جو اپنے آپ کو دین ابراہیمیؑ پر بتاتے تھے حالانکہ کامل مشرک تھے جبکہ حضرت خلیل اللہ کے موحدوں کے امام تھے۔ توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے' عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ہر غیر اللہ سے جو خدا مانا جاتا ہو' وہ دل سے نفرت کرتے تھے اور ان سب سے بیزار تھے۔ اسی بنا پر قوم سے الگ ہوئے۔ وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پروانہ کی اور صاف کہہ دیا کہ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ میں بیزار ہوں' اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں۔ میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں۔ وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ الخ ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بنا پر استغفار کی تھی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

ابراہیمؑ بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیم مخلص اور مطیع امت تھے۔ مشرک ہرگز نہ تھے رب کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ اللہ رب کعبہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے۔ دنیا کے بھلے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ ان آیتوں کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ' اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی' خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا گیا۔ وہ آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہیں۔ ان کے مسلک وملت کو چھوڑ کر ضلالت وگمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہوگا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے جیسے اور جگہ ہے مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک بلکہ موحد مسلمان اور مخلص تھے۔ ان سے دوستی رکھنے والے صرف وہی ہیں جو ان کے فرماں بردار ہوئے اور یہ نبی اور

ایمان دار اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا۔ اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیمؑ و یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو بھی کی۔ ھا کی ضمیر کا مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے۔ دیکھئے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اور جگہ ہے وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيۡ عَقِبِهٖ ہم نے اس کلمہ کو ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا بعض سلف نے ''وَيَعۡقُوۡبَ'' بھی پڑھا تو بنیہ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ خلیل اللہ نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیریؒ کہتے ہیں ''حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ مجرد دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ہے فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ یعنی ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب خفض کو ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے۔ پس اگر حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورۂ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی اور اسی آیت میں ہے۔ ہم نے اسے اسحاقؑ دیا اور یعقوبؑ زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کونسی مسجد پہلی تعمیر کی گئی؟ آپؐ نے فرمایا مسجد حرام پوچھا پھر فرمایا مسجد بیت المقدس میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ ''حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی درمیانی مدت سے متعلق یہ بیان ہے'' حالانکہ یہ قول بالکل الٹ ہے۔ ان دونوں نبیوں کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ الرحمٰن تو اس مسجد کے مجدد تھے۔ موجد نہ تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی جیسے عنقریب ذکر آئے گا۔ وصیت اس امر کی ہوتی ہے جب تک زندہ رہو مسلمان ہو کر رہو تاکہ موت بھی اسی پر آئے۔

موت اور ہمارے اعمال: ☆☆ عموماً انسان زندگی میں جن اعمال پر رہتا ہے اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے اس پر اٹھے گا بھی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے۔ بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت میں ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے برے ظاہری ہوتے ہیں۔ حقیقی نہیں ہوتے چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں۔ قرآن کہتا ہے سخاوت تقویٰ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کرنے والے کو ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

کیا حضرت یعقوبؑ کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی۔ جو معبود ایک ہی ہے۔ ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے ○ یہ جماعت تو گذر چکی جو انہوں نے کیا' وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے' ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے ○

ازلی اور ابدی مستحق عبادت اللہ وحدہ لاشریک: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۴) مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھی اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھی' دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے لڑکے اور حضرت اسحٰقؑ حضرت ابراہیمؑ کے۔ حضرت اسماعیلؑ کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ چچا ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ حسن بصریؒ' طاؤسؒ اور عطاؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور بہت سے سلف وخلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور ایک مشہور روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ بھائیوں بہنوں کو بھی وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت زید بن ثابتؓ اور سلف وخلف کی ایک جماعت کا مذہب بھی یہی ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم اس کی اطاعت گذاری' فرمانبرداری اور خشوع وخضوع میں مشغول رہا کریں گے جیسے اور جگہ ہے وَلَهٗٓ اَسْلَمَ الخ زمین وآسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اس کی مطیع ہے' اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء کا دین یہی اسلام رہا ہے۔ اگرچہ احکام میں اختلاف رہے ہیں جیسے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں ''ہم علاتی بھائی ہیں' ہمارا دین ایک ہے۔ پھر فرماتا ہے'' یہ امت جو گذر چکی تمہیں ان کی طرف نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے' ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ' تم ان

کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث شریف میں ہے جس کا عمل اچھا نہ ہوگا اس کا نسب اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

یہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ ملت ابراہیمی والے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے ○

(آیت: ۱۳۵) عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہمیں ہیں۔ تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے اخلاص والے حج والے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے۔ یہ سب معنی حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○

اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب! ☆☆ (آیت: ۱۳۶) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر اترا اس پر تو وہ تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر اترا اس پر بھی اجمالاً ایمان لائیں۔ ان اگلے انبیاء کرام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوںؑ کا مجمل ذکر کر دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر جائیں۔ جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کو نہیں مانتے تھے۔ ان سب کو فتوی ملا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب توراۃ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو۔ کہہ دیا کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ نبی ﷺ صبح کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں یہ آیت اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا پوری آیت اور دوسری رکعت میں آیت اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ پڑھا کرتے تھے۔

اسباط حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زمخشریؒ نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوبؑ کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں

کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ الخ اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ سبط کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، محمد علیہم الصلوۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن و حدیث ہی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ
وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
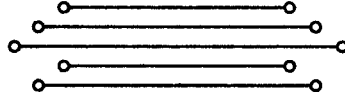
اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے تجھ کو عنقریب کفایت کرے گا۔ وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○ رنگ دیا اللہ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے زیادہ اچھا رنگ کس کا ہوگا۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ○ کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ○

شرط نجات: ☆☆ (آیت: ۱۳۷-۱۳۸) یعنی اے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لئے کافی ہوگا، وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن نعیمؒ کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا قرآن بھیجا گیا۔ زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا۔ اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑھا تھا فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافعؒ نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے جیسے فطرة الله میں مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو۔ اس پر چمٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں، یہ بدل ہے مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں۔ یہ صدر موکد ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے وَعْدَ اللّٰهِ ایک مرفوع حدیث ہے، بنی اسرائیل نے کہا،

اے رسول اللہؐ کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو' آواز آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں- یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جب کہ اس کی اسناد صحیح ہوں-

مشرکین کے اعمال سے بیزاری: ☆☆ (آیت:۱۳۹-۱۴۰) مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی کو دے رہا ہے کہ "تم ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص' اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے- ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے- ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایت ہیں اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ الخ یعنی "اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے- تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں" اور جگہ ارشاد ہے فَاِنْ حَآجُّوْكَ الخ "اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے' میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے"- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ الخ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے؟ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیمؑ (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا-

پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے تمہارے لئے- ہم تم سے بیزار' تم ہم سے الگ- ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں- پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی' نہ نصرانی' تم اے یہودیو اور اے نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے- اللہ نے تو صاف فرما دیا مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے- ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی' اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے- محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں- ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاق' یعقوب وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا-

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ع ۱۶

یہ امت ہے جو گذر چکی جو انہوں نے کیا' ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے- تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے ○

(آیت:۱۴۱) پھر فرمایا' تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں- اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے- وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا- یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی- تم جب ان کے نقش قدم پر نہ چلو تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے- ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بداعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں' جو کرے سو بھرے- تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء کو جھٹلایا' بالخصوص اے وہ لوگو جو نبی آخر الزمانؐ کے مبارک زمانہ میں ہو- تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے- تم نے تو اس نبی کو جھٹلایا جو سید الانبیاءؑ ہیں' جو ختم المرسلینؑ ہیں' جو رسول رب العالمینؑ ہیں- جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے- جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے- اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود سلام آپؐ پر نازل ہوں اور آپؐ کے سوا تمام انبیاء کرام پر بھی-

تفسیر ابن کثیر
۲
پارہ نمبر
چند اہم مضامین کی فہرست

سَیَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا۔ تو کہہ دے کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کرے O

تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی: ☆☆ (آیت:۱۴۲) بیوقوفوں سے مراد یہاں مشرکین عرب اور علماء یہود اور منافقین وغیرہ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپ کی چاہت یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپؐ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔ آپ کے ساتھ نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا' وہاں جماعت رکوع میں تھی۔ اس نے ان سے کہا' اللہ کی قسم میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے۔ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ' وَمَا کَانَ اللّٰهُ الخ یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضورؐ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت قَدْ نَرٰی الخ نازل ہوئی اور کعبہ قبلہ مقرر ہوا۔ لوگوں نے اگلے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا جس پر فرمان مَا کَانَ اللّٰهُ الخ نازل ہوا اور ان کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب بعض بے وقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا' جس پر یہ آیتیں' سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ نازل ہوئیں۔ شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جڑ دیا جس کا جواب ملا کہ مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صخرہ کی طرف آپ کا منہ ہوتا تھا' لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا۔ بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضورؐ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد کئی ماہ تک اسی طرف آپ نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ حضرت ابوسعید بن معلیٰ فرماتے ہیں' میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے' دو رکعت ادا کر چکے تھے۔ پھر باقی کی دو رکعتیں آپؐ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں' اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلمؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر

پہنچی- بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے- ناگاہ کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچا چکا ہو اس لئے کہ ان حضرات کو عصر' مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا واللہ اعلم- اب باطل پرست کمزور عقیدہ والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے' کبھی اسے قبلہ کہتا ہے' کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے- انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو' اسی طرف اس کا منہ ہے- بھلائی اسی میں نہیں آ گئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے- جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے' یہ متوجہ ہو جاتے ہیں- اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں- اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے- ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں' اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمان علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں- مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِـــعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے' اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

(آیت:۱۴۳) پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں- وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لئے انہیں شریعت بھی کامل' راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا' هُوَ اجْتَبٰىكُمْ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی- تمہارے باپ ابراہیمؑ کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے- اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر-

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا' ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا' تمہاری امت انکار کرتی ہے۔ تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے کہ ہاں محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ الخ کا ہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا (بخاری ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے' قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی' وہ انکار کریں گے' نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں' کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت۔ پس محمد ﷺ اور آپ کی امت بلائی جائے گی۔ ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں' ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان وَ كَذٰلِكَ الخ کا مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی عدلاً آیا ہے۔

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے' ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔

مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا نیک آدمی تھا بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہر داری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بدزبان اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کے لئے واجب ہوگئی محمد بن کعب اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول سچے ہیں۔ دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے وَ كَذٰلِكَ الخ مسند احمد میں ہے' ابوالاسودؒ فرماتے ہیں' میں مدینہ میں آیا' یہاں بیماری تھی لوگ بکثرت مر رہے تھے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپؓ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپؓ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی میں نے کہا امیر المومنین کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہ کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اسے جنت میں داخل کرتا ہے ہم نے کہا حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی ہم نے کہا اگر دو ہوں آپ نے فرمایا دو بھی پھر ہم نے ایک کی بابت کا سوال نہ کیا ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحان تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا

کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے' یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے' جو رسول اللہ کے سچے پیروکار ہیں' جو جانتے ہیں کہ حضور جو فرمائیں سچ ہے' جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے' اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے' جو چاہے مٹائے' جو چاہے باقی رکھے' اس کا ہر کام' ہر حکم حکمت سے پر ہے' ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا درد اٹھا۔ قران کریم میں اور جگہ ہے وَاِذَا مَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ الخ یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں' اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے۔ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى یعنی ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپا ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لئے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے۔ اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ثابت ہوئی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف و رحیم ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی' اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا' بتاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے' اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ‌ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰٮهَا‌ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَـعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف پھیرا کرو' اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں

جو یہ کرتے ہیں O

خشوع وخضوع ضروری ہے: ☆☆ (آیت:۱۴۴) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے۔ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت قَدْ نَرٰی الخ نازل ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہؒ' مجاہدؒ' عکرمہ' سعید بن جبیرؒ' قتادہ' ربیع بن انس وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریج میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابونعیم میں بروایت براء مروی ہے کہ حضورؐ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا' وہ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا' میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے' اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ نسائی میں حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضورؐ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضورؐ نے یہ آیت قد نری الخ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں کہ منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضورؐ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضورؐ نے کعبہ کی طرف ادا کی' وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوۃ وسطی ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں روایت نویل بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی' اس

گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں۔ آپؐ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا' یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد عورتیں بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں' ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو' ادھر جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں' وہ اندازے سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعیؒ' احمدؒ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہو گا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٥؁

تو اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجودیکہ تیرے پاس علم آ چکا' پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

کفر و عناد زدہ یہودی: ☆☆ (آیت: ۱۴۵) یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ رسول کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس یہ تمام آیتیں آ جائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

پھر اپنے نبی کی اس استقامت پر بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی

سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آ جائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں۔ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے' نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آ جانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ع ۱۷ / ۱

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے۔ خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○ ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ تم نیکیوں کی طرف دوڑ دوڑ جہاں کہیں بھی تم ہو گے' اللہ تمہیں لے آئے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۴۷) ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت عرب دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے اس نے کہا ہاں حضور آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے' پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیلؑ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپؐ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضورؐ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں' وہ تمام صفات آپؐ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے' پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں' پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

سچا قبلہ: ☆☆ (آیت: ۱۴۸) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے۔ نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر

اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُوَلِّيْهَا کی دوسری قرات مُوَلَّاهَا ہے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً الخ یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر۔ یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ○ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ○

تین بار نزول حکم: ☆☆ (آیت:۱۴۹-۱۵۰) یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے پہلے حکم میں تو آنحضورؐ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا اس حکم سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضورؐ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہوگئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا تا کہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے۔ وہ جانتے تھے کہ امت کی طرف پہچان کعبہ کی رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے اور یہ بات بھی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر

ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا متبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپؐ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں' وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں' تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا اشرف اور تمہاری فضیلت بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو' میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ☆☆ (آیت: ۱۵۱-۱۵۲) یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا' جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا' جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا' دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے' وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے' دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضورؐ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا' تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگان سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے۔ ناشکری نہ کی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ○

جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی' شرابی' چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں' مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے' میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے' میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو اور جگہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے' مسند احمد میں ہے کہ عمر بن حصین ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

صلوٰۃ و صبر بہترین وسیلہ اور شہدا کا ذکر: ☆☆ (آیت:۱۵۳-۱۵۴) شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے' ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہو گا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہو گا تو یہ موقعہ صبر کا ہے' حدیث میں ہے' مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہے' اسے راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے' رنج پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے' جیسے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ڈر رکھنے والوں پر بہت آسان ہے' حدیث میں ہے' جب کوئی کام حضورؐ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں' حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر' اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر' یہ صبر پہلے سے بڑا ہے' تیسری قسم صبر کی مصیبت' درد اور دکھ پر یہ بھی واجب ہے' جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے' حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا' چاہے انسان پر شاق گزرے' طبیعت کے خلاف ہو' جی نہ چاہے' یہ بھی ایک صبر ہے دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبعی میلان اس طرف ہو' خواہش نفس اکسا رہی ہو' امام زین العابدینؒ

فرماتے ہیں' قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو یہ کہیں گے جنت میں' وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا' کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے' پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے' مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جمے رہے' فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔

یہی قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ' پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پا رہے ہیں' صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی' چگتی' اڑتی پھرتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو کہا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں' رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنتی درختوں پر رہتی اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت' کرامت' عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۱۵۵ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۱۵۶ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۱۵۷

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے' دشمن کے ڈر سے' بھوک پیاس سے' مال جان اور پھلوں کی کمی سے' صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

وفائے عہد کے لئے آزمائش لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا

کرتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے جیسے فرمایا ہے وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں گے۔ اور جگہ ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ الخ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف کچھ بھوک کچھ مال کی کمی کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیروں خویش و اقارب دوست و احباب کی موت کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمالیتا ہے صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے بھوک سے مراد روزوں کی بھوک مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں پھلوں سے مراد اولاد ہے لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے وہ کون لوگ ہیں۔ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰه پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میرے خاوند حضرت ابو سلمہؓ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ أجُرۡنِیۡ فِیۡ مُصِيۡبَتِیۡ وَاخۡلُفۡ لِیۡ خَيۡرًا مِّنۡهَا یعنی اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضور تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھوڈالے کھال رکھ دی اور حضور سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپؐ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے کہا حضورؐ یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضور کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں تیسرے بال بچوں والی ہوں آپؐ نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کردے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا حضورؐ مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا فالحمد للہ۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو یا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے حضرت ابو سنانؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلحہ خولانیؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے

دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ نے تیری تعریف کی اور انا للہ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے O

صفا اور مروہ کا طواف: ☆☆ (آیت:۱۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہؒ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپؓ نے فرمایا' بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو اَنْ لَّا یَطَّوَّفَ بِهِمَا ہوتا سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مسلسل (ایک جگہ کا نام) کے پاس مناۃ بت تھا۔ اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا' وہ صفا ومروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا' اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضورؐ سے صفا ومروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا۔ اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری ومسلم) ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے۔ میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا ومروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا ومروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضورؐ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری' ''اساف'' بت صفا پر تھا اور ''نائلہ'' مروہ پر' مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ''اساف'' اور ''نائلہ'' دو مرد وعورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا' قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا ومروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃؓ فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ صفا ومروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپؐ کے آگے آگے تھے اور آپؐ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہمد آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو' اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔

یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے' امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ثوریؒ شعبیؒ ابن سیرینؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عتبیہ میں بھی روایت ہے۔ ان کی دلیل مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ہے' لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا و مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو پس آپؐ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا' وہ واجب ہو گیا' اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جنہیں حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھائے تھے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہؒ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی تب ام اسمٰعیلؑ نہایت بیقراری' بے بسی' ڈر خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں یہاں تک کہ آپ کا غم' وہم' رنج و کرب' تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت' خضوع و خشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی' نیکی' فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہؒ کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے' نفلی حج و عمرے میں بھی صفا و مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدردان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے' نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے' نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔ ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے فالحمد و الشکر للہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں' ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں' میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں' ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵۹-۱۶۲) اس میں زبردست دھمکی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپا لیا کرتے ہیں' اہل کتاب نے نعت نبیؐ کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے' ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی' اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں' ہر چیز لعنت بھیجتی ہے' صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے' اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں' حضورؐ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں سوائے جن و انس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔

حضرت عطاؒ فرماتے ہیں لَاعِنُوْنَ سے مراد تمام جانور اور کل جن وانس ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے' بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر با زبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کرلیں اور جو چھپایا تھا' اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ وہ اللہ تواب والرحیم قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو' وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرلے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبیؐ التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں' توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو گی' نہ کبھی موقوف ہو گا بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب میں رہیں گے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

حضرت ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہما فرماتے ہیں' قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ

کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابوبکر بن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔

بعض نے اس حدیث سے یہ بھی دلیل لی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا' اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا' اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے' اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے واللہ اعلم۔

ع ۲۱

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○ آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا' عقلمندوں کے لئے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

اکیلا حکمران: ☆☆ (آیت:۱۶۳) یعنی حکمرانی میں وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' نہ اس جیسا کوئی ہے' وہ واحد اور احد ہے' وہ فرد اور صمد ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے' سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گذر چکی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے' ایک یہ آیت' دوسری آیت الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس کے بعد اس توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔ اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

ٹھوس دلائل: ☆☆ (آیت:۱۶۴) مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرمانروائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی' لطافت کشادگی' جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو' پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے' جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے' جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سربہ فلک پہاڑ ہیں' جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں' جس میں انواع واقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں' جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے' جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا' رات گئی دن آیا' دن گیا رات آ گئی' نہ وہ اس پر سبقت کرے' نہ یہ اس پر' ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے' کبھی دن بڑے کبھی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے' کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال واسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں' جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں'

یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' چاروں طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کارآمد جانوروں کو پیدا کر' ان سب کی حفاظت کرنا' انہیں روزیاں پہنچانا' ان کے لئے سونے' بیٹھنے' چرنے' چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پورب پچھم چلانا' کبھی ٹھنڈی' کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو' آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے' نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب' آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت وَاِلٰهُكُمْ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے' ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے' بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ع ۲۰

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے' ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ یہ

مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت ہیں ○ (تو ہرگز شرک نہ کرتے) جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور تابع دار لوگ کہنے لگیں گے' کاش کہ ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○

محبت الٰہ اپنی پسند ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۶۵-۱۶۷) اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے' یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہئے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے۔ بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں' میں نے پوچھا' یارسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا' ایمان دار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں' ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور سے التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں' نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں' انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کا عذاب بھی بڑا بھاری ہے۔

جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک وکفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا' وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے۔ فرشتے کہیں گے' اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں' انہی پر ایمان رکھتے تھے' اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے' وہ سب کے سب قیامت کے دن سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔

اسی طرح اور جگہ ہے وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے' وہ جواب دیں گے' کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں' تمہارے کفرانہ احکام' تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب دل سے نادم ہونگے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَقِّ الخ یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو' نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں' نہ تم میری۔

تمہارے اگلے شرک سے میرا کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے- پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گی رشتے ٹوٹ جائیں گے-

اور بلا دلیل باتیں ماننے والے' بے وجہ اعتقاد رکھنے والے' پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت ویاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے' نہ ان کی طرف التفات کریں' نہ ان کی باتیں مانیں' نہ انہیں شریک اللہ سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں- حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اسی لئے یہاں فرمایا- اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا- ان پر حسرت وافسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے- جیسے اور جگہ ہے وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ الخ یعنی ان کے اعمال برباد ہیں- ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودا ہوتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ○

روزی دینے والا کون؟ ☆☆ (آیت: ۱۶۸-۱۶۹) اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے- فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں' جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں' نہ صحت کو' نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں' میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں- صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے' اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے- میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا-

حضورؐ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا' حضورؐ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے- آپؐ نے فرمایا' اے سعد پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا- قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے- حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے- اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی- جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے- جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو' اسکی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں

اور جگہ فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ الخ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکاوا شامل ہوتا ہے شعبیؒ فرماتے ہیں' ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؒ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈھا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا آپ نے فرمایا' کھاؤ' اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں۔ میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں' آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

ابو رافعؒ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے' اب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا' عاصم اور ابن عمر نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے' وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے برابر دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زنا کاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا لہٰذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ انہیں عقل نہیں ○

گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۷۰-۱۷۱) یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں' جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے' ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔

پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے' صرف آواز کانوں

میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کے راہ چلنے سے اندھی ہے عقل وفہم سے دور ہے۔ جیسے اور جگہ ہے صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے خدا چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔ پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

حلال اور حرام کیا ہے؟: ☆☆ (آیت: ۱۷۲-۱۷۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ اور فرمایا يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کے ہیں اس لئے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کر دیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو۔ یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائے تاہم حلال ہے۔ قرآن کہتا ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ الخ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہؓ کا اسے کھانا پھر حضورؐ کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا۔ یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی کلیجی اور تلی۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا ان شاء اللہ۔

مسئلہ: ☆☆ مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک

جزو ہے امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل ہونے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھا لینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے باغ اور عاد کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ڈاکو راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو۔ اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھا لے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ☆☆ ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہئے مردار نہ کھائے۔ پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شرجیل غزیؓ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی

اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا' نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھا لے لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے۔ اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں خدا کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اسکے لئے حلال ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے' وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو' یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

ع ۹

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے یہ لوگ عذاب آگ کا کیا کچھ برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں کا) باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپا لیا۔ اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

بدترین لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۶) یعنی جو یہودی نبیؐ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں' چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں' وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔ انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضورؐ کی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو توراۃ میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپؐ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا۔ وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے ظاہر ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں خود حضورؐ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپؐ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا' بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی' ان لوگوں نے حضورؐ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے

والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کماتے ہو۔ اللہ کی باتوں کو چھپا کر۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں' ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے' وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا' ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔ حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ زانی بڈھا' جھوٹا بادشاہ' متکبر فقیر۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی' انہیں چاہئے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور کی نسبت تھیں' انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپا لیا اور خود بھی آپؐ کے ساتھ کفر کیا اور آپؐ کی تکذیب کی ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں' ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لئے۔ پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو نابود کرنے کے لئے اتری تھی' انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبیؐ سے دشمنی کی' آپ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا فی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر' قیامت کے دن پر' فرشتوں پر' کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے۔ قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے' غلاموں کو آزاد کرے۔ نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ کی ادائیگی کرے۔ جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگ دستی' دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

ایمان کا ایک پہلو: ☆☆ (آیت:۱۷۷) اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ حضورؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا سنو۔ نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابو ذرؓ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابو ذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرما دی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا' سن ایک شخص نے یہی سوال حضور سے کیا۔ آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرما دی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے (ابن مردویہ)

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر سنئے' مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعت فرمان الٰہی ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو۔ اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ [1] یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو' یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض اور احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس کے لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے۔ ایمان کی حقیقت تو عمل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے' فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں' تمام بھلائیوں کا عامل ہو' حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا' اس نے کامل اسلام پا لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی' اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے۔ فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں۔ یہ مانتا ہے کل آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی' تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت پر مشتمل ہے' وہ مانتا ہے۔ اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے باوجود یکہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو (بخاری و مسلم) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَاٰتَى الْمَالَ

عَلٰی حُبِّہٖ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے- اصل میں یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے- قرآن کریم میں سورہ دھر میں فرمایا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ- اور جگہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پا سکتے- اور جگہ فرمایا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں- پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے' دوسروں کو دے دی اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا-

ذَوِی الْقُرْبٰی انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں- حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہیا یک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں- قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے- یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو- نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت و طاقت ہو- حدیث شریف میں ہے' بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے' پینے' پہننے اوڑھنے' رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں- صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور انہیں کوئی کچھ دے دے-

ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں- یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں- اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت الٰہی میں سفر کر رہا ہو' اسے جانے آنے کا خرچ دینا' مہمان بھی اسی حکم میں ہے- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی- سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں- انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے- حضورؐ فرماتے ہیں' سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد) فی الرقاب سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقررہ قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا- ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں انما الصدقات کی تفسیر میں بیان ہوگی ان شاء اللہ- حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اس حدیث کا ایک راوی ابوحمزہ میمون اعور ضعیف ہے-

پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع' سجدے' اطمینان اور آرام' خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت کا حکم ہے اور زکوٰۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور رذیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

زَكّٰهَا یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیڑنے (لت پت کرنے والا) تباہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى الخ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔ پس یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے جیسے اور جگہ ہے يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الخ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے' جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت' بدن کی بیماری کے وقت' لڑائی کے موقعہ پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ثابت قدم رہنے والے اور فولادی چٹان کی طرح جم جانے والے' صِابِرِيْنَ کا نصب بطور مدح کے ہے' ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے' ہمارا بھروسہ اسی پر ہے' پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں' ان کا ظاہر و باطن' قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گذار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾

ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے' غلام غلام کے بدلے' عورت عورت کے بدلے' جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے' اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے' اسے دردناک عذاب ہوگا ○ عقلمندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ○

قصاص کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۷۸-۱۷۹) یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت۔ اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور خدا کا حکم بدل دیا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا۔ اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا' وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بھی اس آیت کو النفس بالنفس سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ ☆ مسئلہ ☆ امام ابو حنیفہؒ' امام ثوریؒ' امام ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت ابراہیم نخعیؒ' حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ' علی بن مدینی ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے' ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے' ہم بھی اس کی ناک کٹا دیں گے اور جو اسے خصی کرے' اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے۔ اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ لا يقتل مسلم بكافر مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے' اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ: ☆☆ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاؒ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں النفس بالنفس موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے المسلمون تتكا فاد مائهم یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصتہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: ☆☆ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے

خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں' ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے۔ زیادہ قتل نہ کئے جائیں حضرت معاذؓ' حضرت ابن زبیرؓ' عبدالملک بن مروان زہری' ابن سیرین' حبیب بن ابی ثابتؒ سے بھی یہ قول مروی ہے ابن المنذر رفرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے۔ حیل حجت نہ کرے۔

مسئلہ: ☆☆ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگذر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن' قتادہ' زہرہ ابن شبرمہ' لیث اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں قصاص سے درگذر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں۔ قصاص' دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی۔ دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں' اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے' اس کے لئے سخت درد ناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے' وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی' پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل وخون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت وبلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن وامان سکون وسلام رہے گا۔ تقویٰ کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپؓ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا۔ اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی۔ پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ الخ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، سعید بن میسبؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرینؒ، عکرمہؒ، زید بن اسلمؒ، ربیع بن انسؒ، قتادہؒ، سدیؒ، مقاتل بن حیانؒ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ، شریحؒ، ضحاکؒ اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہا کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، مسروقؒ، طاؤسؒ، ضحاکؒ، مسلم بن یسار اور علاء بن زیادؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؒ، ربیع بن انسؒ، قتادہؒ اور مقاتل بن حیانؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہا کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہیں۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے

نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے۔

پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالا جماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب وفرض ہے۔ ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃ اٹھ گیا۔ باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گذارے۔ راوی حدیث حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے فرماتے ہیں' اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک واحسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خیرا سے مراد یہاں مال ہے۔ اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت' وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مر گیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا' یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا' وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے' اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی (80) دینار بتلاتے ہیں۔ قتادہ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے۔ وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپؐ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ نہیں۔ کہا۔ ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آ جائیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔

مسند احمد میں ہے حنظلہ بن حذیم بن حنفیہؒ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جو ان کے ہاں پلتے تھے' سو اونٹوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضورؐ تک پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو۔ ورنہ پندرہ۔ ورنہ بیس۔ ورنہ پچیس دو۔ ورنہ تیس دو۔ ورنہ پینتیس دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔

پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپا لے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے۔ میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی۔ نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ حیف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت وشفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شروع کے مطابق پوری ہو۔ ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہگار کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے' اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔

امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں' ان سے آگے نہ بڑھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ ○ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو ○

روداد روزہ اور صلوٰۃ : ☆☆ (آیت: ۱۸۳-۱۸۴) اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو' روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس

سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے۔ ردی اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو' یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے' روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اے جوانو تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو' وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو' وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق وشوق سے اس الٰہی فریضہ کو بجا لائے' پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ' عطاؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضورؐ کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا' عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں' ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو' اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا۔ گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' مجاہدؒ' طاؤسؒ' مقاتلؒ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر ''قَدْ نَرٰی'' والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپؐ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے۔ پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زیدؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قد قامت الصلوٰۃ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہیں۔ کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں۔ وہ

جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں۔ وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضورؐ کے ساتھ مل جاتا' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضورؐ کو جس حال میں پاؤں گا' اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے' اسے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے۔ تم بھی اب یونہی کیا کرو' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔ روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔ اول جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے' جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔ پھر یہ آیت اتری فمن شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو' وہ روزہ رکھا کرے' پس جو شخص مقیم ہو' مسافر نہ ہو' تندرست ہو' بیمار نہ ہو' اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو' اسے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا' عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا۔ سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ پھر صرمہؓ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضورؐ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ سے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورے کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا۔ جو چاہتا رکھ لیتا۔ جو نہ چاہتا نہ رکھتا' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ کا مطلب حضرت معاذؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا' جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا' افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی' حضرت ابن عمرؓ بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ منسوخ نہیں۔ مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں' میں عطار حمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا۔ دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا' اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے' حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو' اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہو گا۔ ہاں ایسے بوڑھے بڑے' معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو۔ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں۔ ہمیں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے۔ نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام

شافعیؒ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے' اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے' مسند ابو یعلی میں ہے کہ جب حضرت انسؓ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو' علماء میں سخت اختلاف ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں' بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں' بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمد للہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن اور ماہ رمضان: ☆☆ (آیت: ۱۸۵) ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ' انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارھویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں' ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے' ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپؐ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا' پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپؐ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی مروی ہے

کہ آدھی رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترا۔ بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا۔ اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں' کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا الخ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔ پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے' ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے' بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے۔ شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' رمضان نہ کہو' یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو' حضرت مجاہدؒ اور محمد بن کعبؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ وہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے' اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے' کوئی شخص اپنے گھر ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی' وہ اٹھ گئی' اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لئے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے جائیں' اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے' رمضان شریف کا مہینہ آ جائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے لیکن یہ قول غریب ہے' ابو محمد بن حزمؒ نے اپنی کتاب محلی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے۔ کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (متفق علیہ) (۲) صحابہؓ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے' یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے' بعض روزے سے ہوتے تھے' بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا۔ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' صحیحین میں ہے' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے۔ تیسرا مسئلہ۔ ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر

میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضورؐ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے' اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں' ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں' تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا' نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا' اس پر سایہ کیا گیا ہے' پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضورؐ یہ روزے سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے' اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ۔ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے' ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں۔ خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ' اختیار ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو۔ اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو' بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے' عربی عروہ کہتے ہیں' ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپؐ تشریف لائے۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضورؐ نے فرمایا' اللہ کا دین آسانیوں والا ہے' تین مرتبہ یہی فرمایا' مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو آسانی کرو' سختی نہ کرو' تسکین دو' نفرت نہ دلاؤ۔

صحیحین کی حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا' نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا' سختیاں نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا۔ اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

محجن بن ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپؐ اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے نہ سناؤ۔ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی

کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت' نعمت' ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے جیسے اور جگہ حج کے موقع پر فرمایا فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الخ یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو' اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے' سورج کے ڈوبنے سے پہلے' رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد' تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصبہانی ظاہریؒ کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس میں صیغہ امر کا ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتلاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گذار بندے بن جاؤ۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے' میں قبول کرتا ہوں۔ پس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

دعا اور اللہ مجیب الدعوات: ☆☆ (آیت:۱۸۶) ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کرلیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریج) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت' ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جا رہے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آ کر فرمانے لگے' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے' اے عبداللہ بن قیسؓ' جنت کا خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے' میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے' میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں' میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے۔ فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ جوتقوی واحسان وخلوص والے لوگ ہوں' ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا' نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے' اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو' نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضورؐ پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مسند احمد)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے' اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹلتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے' اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطا مالک) بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے' صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ نامقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے' یہ جلدی کرنا ہے' ابوجعفر طبریؒ کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہؓ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں۔ بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے دعا کی کہ الٰہ العالمین عائشہؓ کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے' مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوں' الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں' حمد ونعمت اور ملک تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں' میری گواہی ہے کہ تو نرالا' یکتا' بے مثل اور ایک ہی ہے۔ تو پاک ہے۔ بیوی' بچوں سے دور ہے' تیرا ہم پلہ کوئی نہیں' تیری کفو کا کوئی نہیں۔ تجھ جیسا کوئی نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا' تیری ملاقات حق' جنت' دوزخ' قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے' اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا۔ کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا۔ مشترک

کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں تیرا کام دعا کرنا' میرا کام قبول کرنا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی) ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابیؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم انی اسئلك برحمتك اللتی وسعت کل شی ان تغفرلی یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے' تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار شخص اور مظلوم' اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے میری عزت کی قسم' میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں (مسند' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ)

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا' وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو' تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگذر فرما لیا' اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے گا۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو' یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو' اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ○

رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں: ☆☆ (آیت:۱۸۷) ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا' جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہؓ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔ رفث سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ' عطا' مجاہد' سعید بن جبیر' طاؤس' سالم بن عبداللہ' عمرو بن دینار' حسن' قتادہ' زہری' ضحاک' ابراہیم نخعی' سدی' عطا خراسانی' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انس لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ

جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا۔ اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہو گا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں۔ وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹ کیسے گذرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیسؓ بھوک کے مارے بیہوش ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی۔ پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا۔ عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے ہوشیار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدیؐ میں اپنا قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپ دیر تک مجلس نبویؐ میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا ما کتب اللہ سے مراد اولاد ہے۔ بعضوں نے کہا جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے' قتادہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جب من الفجر کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی' کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے' مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکئے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو حضرتؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے' یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مطلب حضورؐ کے امر قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔ اگر تیرے تکیہ تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے' صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

بخاری شریف میں حضرت عدیؓ کا اسی طرح کا سوال اور آپؐ کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو۔ اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا

برکت ہے۔ اسے نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد) اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے۔ ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے گی' تب تک بھلائی میں رہے گی (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے' مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو' یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا' ہو گئی' کوئی کہتا تھا' نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' ابن مسعودؓ' حضرت حذیفہؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے' جیسے محمد بن صادق بن حسین' ابومجلز' ابراہیم نخعی' ابوالضحیٰ' ابووائل وغیرہ' شاگردان ابن مسعودؓ عطا' حسن' حاکم بن عیینہ' مجاہد' عروہ بن زبیر' ابوالشعثاء' جابر بن زید کا بھی یہی مذہب ہے۔ اعمش اور جابر بن رشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' ہم نے ان سب کی اسنادیں اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں ولله الحمد' ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں حیط کا لفظ موجود ہے' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا کرو۔ وہ رات باقی ہوتے ہی اذان دیا کرتے ہیں۔ تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان نہ سن لو۔ وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے' مسند احمد میں حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے۔ کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے' دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے' ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے' ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے' دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے موذن حضرت بلالؓ تھے' یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے' فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی) ایک مرسل حدیث میں ہے فجر دو ہیں ایک تو بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے۔ اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے' اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں

کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے' وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہوسکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے' یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: ☆☆ چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق کا مقرر کیا ہے' اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا' وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے۔ اس پر کوئی حرج نہیں چاروں اماموں اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرامؒ کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جماع کرتے۔ صبح کے وقت جنبی اٹھتے۔ پھر غسل کر کے روزہ رکھتے' آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے۔ نہ قضا کرتے تھے صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپؐ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ ہم تو آپ جیسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ واللہ مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقوی کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرط شیخین پر ہے' جیسے کہ ظاہر ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں' وہ نبی ﷺ سے' نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ ہے' وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں' اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالمؒ' عطاؒ' ہشام بن عروہؒ اور حسن بصریؒ یہی کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو' اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح صادق ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہؒ' طاؤسؒ اور حسنؒ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں' ابراہیم نخعیؒ یہی کہتے ہیں خواجہ حسن بصریؒ سے بھی ایک روایت ہے' بعض کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں' اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے' بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں لا کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے' بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب ادھر سے

رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے' بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے' خیر سے رہیں گے' مسند احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں' امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلٰی فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے۔ تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سی حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔ مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات گذارتا ہوں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپؐ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا۔ پھر چاند دکھائی دیا تو آپؐ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپؐ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے' اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے۔

لها احاديث من ذكراك تشغلها عن الشراب وتلهيها عن الزاد

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ۔ جو ملنا ہی چاہے تو سحری تک ملا لے۔ لوگوں نے کہا۔ آپؐ تو ملا دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہؓ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا آؤ تم بھی کھا لو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟ (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضورؐ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا نہ کہ ناجائز بتلانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' آپؐ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامر اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے' اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے' یہ بھی مروی

ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تا کہ پہلے غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں' مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے۔ اس اثناء میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست' چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے' ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا' رہی رات تو جو چاہے کھالیجو نہ چاہے نہ کھائے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو' خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں' اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے' حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے۔ وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے' اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں۔ بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام کے آخر میں بیان کئے ہیں وللہ الحمد والمنۃ چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے' اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں' آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کو وفات آئی۔ آپ کے بعد امہات المومنینؓ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا' اس لئے حضورؐ ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ سنو۔ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپؐ نے فرمایا۔ شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہؓ حضورؐ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپؐ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں۔ واللہ اعلم۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس و کنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں سر مبارک میری طرف جھکا دیا کرتے تھے۔ میں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپؐ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کام جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض وہ سب ہماری حد بندیاں ہیں۔ خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان سے

تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی' اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رافت و رحمت کرنے والا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

منصف' انصاف اور مدعی: ☆☆ (آیت: ۱۸۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے' حضرت مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' مجاہد' حسن' قتادہ' سدی' مقاتل بن حیان' عبدالرحمن بن زید اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر' صحیحین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں انسان ہوں۔ میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں۔ شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو۔ میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں' وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں' فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنا لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گذار کر نا جائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعوؤں کو ثابت نہ کیا کرو' حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لوگو سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے۔ ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو۔ یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا' اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

چاند اور مہ وسال: ☆☆ (آیت:۱۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی معیاد معلوم ہو جاتی ہے' عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے' حج کا وقت معلوم ہوتا ہے' مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے' اسے دیکھ کر روزے رکھو' اسے دیکھ کر عید مناؤ' اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو' اس روایت کو حضرت امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے' یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لئے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن باقی کے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک باغ سے اس کے دروازے سے نکلے۔ آپ کے ایک انصار صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے۔ اس پر لوگوں نے حضرت سے کہا یا رسول اللہؐ۔ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضورؐ کو جس طرح کرتے دیکھا' کیا' مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے' پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں' اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا' عطاؒ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجا لانا' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا' اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے ○ والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو' کافروں کا بدلہ یہی ہے ○ اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آ جائے۔ اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ○

حکم جہاد اور شرائط: ☆☆ (آیت: ۱۹۰-۱۹۳) حضرت ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں۔ جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی بلکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلام رحمتہ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں' تم بھی ان سے لڑو' جیسے اور جگہ فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا' انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلاوطن کرنے کا ہے' تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہئے۔ پھر فرمایا تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو' ناک کان وغیرہ نہ کاٹو' خیانت اور چوری نہ کرو' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو' ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے لائق ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں' درویشوں اور تارک دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے' صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو۔ بدعہدی سے بچو' ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو' بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں' قتل نہ کرو۔ مسند احمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' کفار سے لڑو' ظلم و زیادتی نہ کرو' دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو' درویشوں کو قتل نہ کرو' صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوے میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضورؐ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا' مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک' تین' پانچ' سات' نو گیارہ' مثالیں دیں۔ ایک تو ظاہر کر دی۔ باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا

کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب ان لوگوں نے ان پر ظلم وزیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا۔ یہ حدیث اسناداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم وزیادتی شروع کر دی۔ فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم وزیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے چونکہ جہاد کے احکام میں بہ ظاہر قتل وخون ہوتا ہے' اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ ادھر اگر قتل وخون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک وکفر ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے' ابو مالکؒ فرماتے ہیں' تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے صحیحین میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک با حرمت ہی ہے۔ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں۔ اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں۔ آپؐ کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپؐ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضورؐ نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے۔ وہ امن میں ہے۔ جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے۔ وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تا کہ یہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحابؓ سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے ان کے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی اور آپؐ نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس وقت میں ہے کہ وھو الذی کَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا' گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو' باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دنیا پر ظاہر ہو جائے جیسے صحیحین میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے' ایک شخص حمیت وغیرت قومی سے لڑتا ہے' ایک شخص ریاکاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمایئے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو۔ اس کے دین کا بول بالا ہو' بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں ہے' مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں' ان کی جان ومال کا تحفظ میرے ذمہ ہو گا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک وکفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتال کرے گا' وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یہی

معنی ہیں حضرت مجاہدؒ کے اس قول کے کہ جو لڑیں' ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ وجدال ہو۔ یہاں لفظ عدوان جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے' وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے۔ حقیقتاً وہ زیادتی نہیں جیسے فرمایا فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کرلو اور جگہ ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کئے گئے ہو' پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا "بدلے" کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا و عذاب نہیں۔ حضرت عکرمہؓ اور حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے' اصلی ظالم وہی ہے جو لا الہ الا اللہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر کر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں' آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپؓ نے فرمایا' سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تاکہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰنؓ آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو۔ ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں۔ آپ نے فرمایا بھتیجے سنو اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ اس نے کہا' کیا قرآن پاک کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو۔ اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے' اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تاوقتیکہ یہ کہ فتنہ مٹ جائے۔ آپ نے فرمایا ہم نے حضور کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ جو اسلام قبول کرتا تھا' اس پر فتنہ آ پڑتا تھا' یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمایئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے' فرمایا عثمان کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا گو تم اس معافی سے برا مناؤ اور علیؓ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں۔ جو تم پر زیادتی کرے' تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

بیعت رضوان: ☆☆ (آیت:۱۹۴) ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے صحابہ کرامؓ سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپؐ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی آپؐ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آ جاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضورؐ کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپؐ نے اپنے چودہ سو صحابہؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپؐ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا۔ وہ ہوا اسی طرح آپؐ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ بالآخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپؐ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپؐ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپؐ کا ذوالقعدہ میں ہوا۔ یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے۔

پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو' یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب وسزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت وشان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی' لیکن امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے۔ عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک واحسان کرو' اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے O

حق جہاد کیا ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۹۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے' حضرت ابو عمرانؒ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو' یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا' اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے' ہم نے حضورؐ کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ وجہاد میں شریک رہے۔ آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپؐ کی خدمت میں لگے رہے۔ آپؐ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے۔ اب بحمد اللہ

اسلام پھیل گیا۔ مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا۔ لڑائی ختم ہوگئی۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی' نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور پیسہ تجارت میں مشغول ہو جانا' یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدؓ تھے' حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گھر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ اے نبیؐ اللہ کی راہ میں لڑتا رہ۔ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے۔ اسی کو تکلیف دے' یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ) ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا' یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور ازدشنوہ قبیلہ کا ایک آدمی جرات کر کے دشمنوں میں گھس گیا۔ ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاک بن ابو جبیرہؒ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں' پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے۔ تھلکة سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبیؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضورؐ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے۔ اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے' اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے' حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو۔ یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے' پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے خواہ صدقہ دے دے خواہ قربانی کر لے ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے وہ جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں' یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

حج اور عمرہ کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱۹۶) اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا' پھر جہاد کا بیان ہوا' اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کرو' ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے' تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ گو عمرے کی واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فللہ الحمد و المنتہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ تمہارا سفر صرف حج و عمرے کی غرض سے ہو' میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو۔ تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کرتا چلوں۔ گو اس طرح بھی حج و عمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں' پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں' ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے۔ ایک سن ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ سن ۷ ہجری میں عمر القضاء' تیسرا ذوالقعدہ سن ۸ ہجری میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ سن ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ' ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپؐ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا۔ ہاں آپؐ نے ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے' یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانیؓ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں' حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مارلے اور بیت اللہ کا طواف کرلے اور صفا ومروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہوگیا' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں' حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے' حضرت عبداللہؓ کی قرات یہ ہے واتموا الحج والعمرة الی البیت عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہوگیا' حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت ابن عباسؓ کی قرات بھی یہی تھی' حضرت علقمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں' ابراہیمؒ سے مروی ہے واقیموا الحج والعمرة الی البیت حضرت شعبیؒ کی قرات میں والعمرة ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ عمرہ واجب نہیں۔ گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے' بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرے دونوں کو جمع کیا' اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا' جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے' ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہوگیا۔ ابو محمد بن ابی حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ یارسول اللہؐ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضورؐ نے پوچھا۔ وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا' یارسول اللہؐ میں موجود ہوں' فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوب مل کر غسل کرلو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے' وہی عمرے میں بھی کر' یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض روایتوں میں غسل کا ور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں اس کا نام یعلی بن امیہؓ آیا ہے۔ دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا' اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو' کرڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا کہ یہ آیت سن ۶ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور حضورؐ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کرڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے' سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اول مرتبہ حضورؐ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپؐ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہوگئے۔ بعض نے سر منڈوالیا۔ بعض نے کچھ بال کتروالئے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپؐ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لئے یہی دعا کی' تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کردی' سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے۔ صحابہؓ کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم سے باہر تھا۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کردے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طاؤس' زہری اور زید بن اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہوجائے یا لنگڑا لولا ہوجائے تو وہ حلال ہوگیا۔ وہ اگلے سال حج کرلے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے بھی فرمایا۔ سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ' ابن زبیرؓ' علقمہؒ' سعید بن میسبؒ' عروہ بن زبیرؒ' مجاہد' نخعی' عطا' مقاتل بن حیانؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہوجانا اور لنگڑا لولا ہوجانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ ہر مصیبت وایذا کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں' صحیحین کی ایک حدیث میں ہے

کہ حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضورؐ میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہوگی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں' اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے' امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے' حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اونٹ ہو گائے ہو' بکری ہو' بھیڑ ہو' ان کے نر ہوں ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا۔ اس میں کسی صحابیؓ سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں۔ گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں' صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو' اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ' اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری' حضرت عروہؒ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے' یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ' گائے' بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے' صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔

پھر فرمایا' جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے' تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ' اس کا عطف وَاَتِمُّوا الْحَجَّ الخ پر ہے' فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ پر نہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپؐ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج وعمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو' بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپؐ تو احرام میں ہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے۔ جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفے کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضورؐ کے پاس لے گئے۔ جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا' تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو؟ میں نے کہا' حضورؐ میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا

جاؤ۔ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا۔ یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہوگئی تھیں۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے نسک یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے۔ اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے' حضرت علیؓ' محمد بن کعب' علقمہ' ابراہیم' مجاہد' عطا' سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے' ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تینوں مسئلے بتلا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو' عمل کرو کافی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' جہاں دو تین صورتیں لفظ ''او'' کے ساتھ بیان ہوئی ہوں' وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔

حضرت مجاہد' عکرمہ' عطا' طاؤس' حسن' حمید' اعرج' ابراہیم نخعی اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ چاروں اماموں اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے' روزے تین ہیں۔ صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم ہے۔ چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے' پروردگار رحمٰن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا اور حضور علیہ السلام کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا' پھر تین روزے رکھنے کا' سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں۔ فالحمدللہ۔

سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے' حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے۔ روزے دس ہیں' صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا۔ ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسنؒ اور عکرمہؒ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے۔ قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے' ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہا کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے' طاؤسؒ فرماتے ہیں' یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے۔

ایک اور روایت میں ہے' ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں' فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کو نکلے۔ آپؓ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ میں ابو جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے۔ میں نے اسے جگایا۔ دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے۔ ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے۔ وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے پوچھا۔ کیا حال ہے؟ جناب حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو۔ پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا' تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے' خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ

احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو' اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے' جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں' آپؐ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپؐ کے ساتھ تھے' پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنی درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے۔ گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ)

اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے' عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا۔ پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی' نہ حضورؐ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا' امام بخاریؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے' حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج و عمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ سے صراحتاً مروی ہے۔ پھر فرمایا جو شخص قربانی نہ کر سکے' وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے۔ یہ پورے دس ہو جائیں گے یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو' وہ روزے رکھ لے' تین تو ایام حج میں اور بقیہ بعد میں' علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے' حضرت عطاؒ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤس' مجاہدؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں' حضرت شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں' ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے' حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں' ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے' ایک یوم الترویہ کا' ایک عرفہ کا' حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آ جائیں تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ (بخاری) امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہ مروی ہے' حضرت عکرمہ' حسن بصری اور عروہ بن زبیر رحمھم اللہ سے بھی شامل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ پھر سات روزے لوٹنے کے وقت۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ۔ پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہدؒ اور عطاؒ یہی کہتے ہیں' یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے۔ ابن عمرؓ یہی فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں' بخاری شریف کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی' ذوالحلیفہ سے آپؐ نے قربانی ساتھ لے لی تھی۔ عمرے کے پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تمتع کیا۔ بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی۔

بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ شریف پہنچ کر آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے' وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں' وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا و مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے' سر کے بال منڈوا لے یا

کترواے۔ پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے (بخاری مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔ پھر فرمایا' یہ پورے دس ہیں۔ یہ فرمان تاکید کے لئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کانوں سے سنا۔ ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو اور جگہ ہے وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں' اور جگہ ہے "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس اور اس کے ساتھ پوری اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا' پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے' ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام وکمال کرنے کا اور کاملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے' یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے۔ باہر والوں کے لئے تمتع ہے۔ تم کو تو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا۔ پھر عمرے کا احرام باندھ لیا' حضرت طاؤسؒ کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر رہوں' وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں' مکحولؒ بھی یہی فرماتے ہیں' تو عرفات والوں کا' مزدلفہ والوں کا' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے' زہریؒ فرماتے ہیں' مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب' وہ تو تمتع کر سکتا ہے۔ اور لوگ نہیں کر سکتے' حضرت عطاءؒ دو دن بھی فرماتے ہیں' امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو' ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے۔ ان کے علاوہ سب مسافر اور ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے احکام بجالاؤ۔ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭؔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں۔ جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے' گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے' تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو' سب سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو O

احرام کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱۹۷) عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے۔ ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں' پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے' گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے' امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد' امام اسحٰق' امام ابراہیم نخعی' امام ثوری' امام لیث اللہ تعالیٰ ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے' فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا' ہاں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت عطا' مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل الحج اشھر معلومت ہے۔ عربی داں حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا' وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی' انہوں نے ابن جریجؒ سے سنا اور انہیں عمر بن عطاءؒ نے کہا' ان سے عکرمہؒ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحج اشھر معلومات اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔

ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے' صحیح ابن خزیمہؒ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابیؓ کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسولؐ ہوگیا اور صحابیؓ بھی یہاں وہ صحابیؓ ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں۔ اس کی اسناد بھی اچھی ہے لیکن شافعیؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں' یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابیؓ کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ اشھر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں' شوال' ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریرؒ میں بھی ہے' مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکمؒ اسے صحیح بتلاتے ہیں' حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے' حضرت عطا' حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت ابن سیرین' حضرت مکحول' حضرت قتادہ' حضرت ضحاک بن مزاحم' حضرت ربیع بن انس' حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں' حضرت امام شافعی' امام ابو حنیفہ' امام احمد بن حنبل' ابو یوسف اور ابو ثور رحمتہ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے' امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اشھر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہوسکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے' میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے' قرآن میں بھی ہے فمن تعجل فی یومین حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے' امام مالکؒ امام شافعیؒ کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے' ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے' ابن شہابؒ عطاؒ' جابر بن عبداللہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ طاؤس' مجاہد' عروہ' ربیع اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے' کیونکہ اس کا راوی حسین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے' بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہوسکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں' امام ابن جریرؒ بھی ان اقوال کا یہی مطلب

بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گذرتے ہی جاتا رہا' محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو' قاسم بن محمدؒ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔ فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاءؒ فرماتے ہیں' فرض سے مراد احرام ہے ابراہیم اور ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں' احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے' بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے' احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا' بوسہ لینا' ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے' فحش باتیں کرنا' دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا' اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر' اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے' چھیڑ چھاڑ کرنا' مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں' مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ بدزبانی ہے جیسے حدیث میں ہے' مسلمان کو گولی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے' اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اور اسے ہم المناک عذاب کریں گے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا' بال منڈوانا یا کتروانا' ناخن لینا وغیرہ' حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیحین میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے' نہ رفث کرے' نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں کمی زیادتی نہ کرو' موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم

میں اور جگہ فرمادی گئی ہے' اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے- پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمیؑ پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں وقت حج' ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کردی ہیں- اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے- بس یہ جھگڑے اب میٹ دو- واللہ اعلم- یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو' نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ' نہ کسی کو گالیاں دو- بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے- حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں' ہاں مارے نہیں- لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں-

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماءؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں- حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکرؓ کے خادم کے پاس تھا- حضرت صدیقؓ اس کا انتظار کر رہے تھے- تھوڑی دیر میں وہ آ گیا- اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا- حضرت کل رات کو گم ہو گیا- آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا- یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا- نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے' بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا' اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولی ہے- واللہ اعلم-

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں' اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں- پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے- چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لوگ بلا خرچ ''سفر'' حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے- پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے- جس پر یہ حکم ہوا' حضرت عکرمہؒ حضرت عینیہؒ بھی یہی فرماتے ہیں' بخاری' نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے- اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو- آٹا ستو وغیرہ توشے ہیں- ساتھ لے لو- دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمرؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے' آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے-

چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف خدا لے کر جاؤ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ- پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے' یعنی خشوع وخضوع' طاعت و تقوی کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو' بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے' ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے- یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابیؓ نے حضور

سے کہا' یارسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں- آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہیئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے (ابن ابی حاتم)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو یعنی میرے عذابوں سے' میری پکڑ دھکڑ سے' میری گرفت سے' میری سزاؤں سے ڈرو دب کر میرے احکام کی تعمیل کرو' میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تا کہ نجات پا سکو- یہ ہی عقلی امتیاز ہے-

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ١٩٨

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں- جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو- اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

تجارت اور حج: ☆☆ (آیت:۱۹۸) صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز نامی بازار تھے- اسلام کے بعد صحابہ کرامؓ ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لئے خرید و فروخت حلال ہے' ابن عباسؓ کی قرات میں من ربکم کے بعد فی مواسم الحج کا لفظ بھی ہے' ابن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے- دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو امامہ تیمیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں- کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپؓ نے فرمایا' سنو ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت لیس علیکم جناح الخ لے کر اترے اور حضورؐ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو- تمہارا حج ہو گیا' مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی- بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا؟ عرفات کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیث' اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے- اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا' عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے- تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا- جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا' اس نے حج کو پا لیا' منیٰ کے تین

دنوں میں جلدی یا دیر کی جاسکتی ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں' ٹھہرنے کا وقت عرفے کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے' نبی ﷺ حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو' حضرت امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے' اس نے حج پالیا' حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ میں طی کی پہاڑیوں سے آرہا ہوں۔ اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں۔ کیا میرا حج ہوگیا؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو' اس کا حج پورا ہوگیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہوگیا (مسند احمد و سنن) امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عرفت' کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا عرفت' میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہوگیا' حضرت عطاءؒ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابومجلزؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ عرفات کا نام "مشعر الحرام" "مشعر الاقصیٰ" اور "الال" بھی ہے' اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے' ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے' اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضورؐ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا' پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہوگئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپؐ نے وہاں سے کوچ کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد امابعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے۔ دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے۔ وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکمؒ نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے' اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسورؓ نے حضور کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں' حضرت معرور بن سویدؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے۔ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے' ہم واضح روشنی میں لوٹے' صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے۔ جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپؐ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو۔ نرمی' اطمینان' سکون

اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے' مزدلفہ میں آ کر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی- اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں- مغرب کے فرضوں اور عشا کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے- پھر لیٹ گئے' صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی- پھر قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے- قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا' سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپؐ یہاں سے روانہ ہو گئے' حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے- فرمایا' درمیانہ اور دھیمی چال سے سواری چلا رہے تھے- ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں- عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ' عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں- جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں' سائل کہاں ہے- یہ ہے مشعر الحرام' آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے- پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ' آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے- اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے' حضرت عطاءؒ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے- آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے' پھر مزدلفہ شروع ہو گیا- وادی محسر تک جہاں چاہو' ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تا کہ راستے سے یکسوئی ہو جائے' مشاعر کہتے ہیں' ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے' سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعیؒ کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے- بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہؓ بن مضرس سے اس معنی کی مروی ہے' بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے' اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی' امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے- اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ ہرج نہیں- پس یہ تین قول ہوئے' ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے- واللہ اعلم- (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں- واللہ اعلم مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے- ہاں وادی محسر نہیں' مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ رشدق نے جبیرؓ بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں- واللہ اعلم-

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہؑ کی اس سنت کو واضح کر دیا- حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے یعنی اس ہدایت سے پہلے' اس قرآن سے پہلے' اس رسولؐ سے پہلے' فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی فالحمد للہ

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

قریش سے خطاب اور معمول نبوی ﷺ: ☆☆ (آیت:۱۹۹) ''ثم'' یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تا کہ ترتیب ہو جائے' گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تا کہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے' اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں' اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے۔ باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں' تم وہیں سے لوٹا کرو' حضرت ابن عباسؓ' حضرت مجاہدؒ' حضرت عطاؒ' حضرت قتادہؒ حضرت سدیؒ وغیرہ یہی فرماتے ہیں' امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں' مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں' ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں' مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریرؒ) آپؐ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شرما صنعت ابوء لك بنعمتك علی وابوء بذ بذ نبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے' اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہوگا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول اللہؐ مجھے کوئی دعا سکھائیے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ پڑھو۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم○ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ

نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھلائی دے ○ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

تکمیل حج کے بعد: ☆☆ (آیت: ۲۰۰-۲۰۲) یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو' اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے' دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت میں حج کے موقع پر ٹھہرتے وقت کوئی کہتا تھا' میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا' کوئی کہتا تھا' وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا۔ سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں' بڑائیاں' عظمتیں اور عزتیں بیان کرو' اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے' غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو' اسی لئے ''اَوْ اَشَدَّ'' پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے' یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ اَوْ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اور اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور اَوْ اَدْنٰی میں' ان تمام مقامات میں لفظ ''اَوْ'' ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ ''مخبر عنہ'' کی تحقیق کے لئے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے' ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلب کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں' حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی' اس سال بارشیں اچھی برسا تاکہ غلے اچھے پیدا ہوں۔ اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کی تعریفیں کی گئیں' اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے' اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت' راحت' آسانی' تندرستی' گھربار' بیوی بچے' روزی' علم' عمل' اچھی سواریاں' نوکر چاکر' لونڈی' غلام' عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آ گئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا' گھبراہٹ سے نجات پانا' نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا' سرخرو ہونا' بالآخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آ گیا' پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب' گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ' قاسمؒ فرماتے ہیں' جسے شکر اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا' اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا' بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث میں ربنا سے پہلے اللھم بھی ہے۔ حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپؓ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے' اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابتؒ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں۔ آپ نے یہی دعا اللھم اتنا فی الدنیا الخ پڑھی۔ پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو۔ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں (ابن ابی حاتم) آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے۔ صرف

ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپؐ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا۔ ہاں میری یہ دعا تھی کہ الٰہی جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال' آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ربنا اتنا (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (احمد) رکن نبی جح اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ فرماتے ہیں' میں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرتا ہوں' دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے۔ تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو ربنا اتنا پڑھا کرو (ابن مردویہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے۔ اس اجرت پر وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقعہ پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپؓ نے فرمایا ہاں بلکہ تو تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے اولئك لهم نصيب (مستدرک حاکم)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو' دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے' اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ○

ایام تشریق: ☆☆ (آیت: ۲۰۳) ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں' ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد الله اكبر الله اكبر کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' عرفے کا دن' قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد) اور حدیث میں ہے' ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات ساری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں' اور یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ منی کے دن تین ہیں۔ دو دن میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں' ابن جریرؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں' حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن حذافہؓ کو بھیجا کہ وہ منی میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں۔ یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں' ایک اور مرسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں' اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن سحیمؓ تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں۔ دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی

دس سے تیرہ تک۔ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰؓ عطاءؒ مجاہدؒ عکرمہؒ سعید بن جبیرؒ ابو مالکؒ ابراہیم نخعیؒ یحییٰ بن ابی کثیرؒ حسنؒ قتادہؒ سدیؒ زہریؒ ربیع بن انسؒ ضحاکؒ مقاتل بن حیانؒ عطا خراسانیؒ امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' یہ تین دن ہیں' دسویں' گیارھویں اور بارھویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی اللہ کا ذکر مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے' یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک' اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا' اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف' صفا و مروہ کی سعی' شیطانوں کو کنکریاں مارنی' یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے' اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔ پھر وہی سمیٹ لے گا۔ پھر اسی کی طرف حشر ہوگا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے ○ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے ○

دل بھیڑیوں کے اور کھال انسانوں کی: ☆☆ (آیت: ۲۰۴-۲۰۵) سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا۔ ظاہر میں مسلمان تھا' لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں من یشری والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ والی آیت نازل ہوئی' بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے' قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے' حضرت نوف بکالی جو توراۃ و انجیل کے بھی عالم تھے' فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں۔ ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں

لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے قرظیؒ کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے۔ پڑھئے آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ حضرت سعید نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعبؒ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سبعد کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا سنئے۔ آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن محیصن کی قرات میں یشھد اللہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں لیکن جمہور کی قرات يُشْهِدُ اللّٰهَ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے صحیح معنی آیت کے یہی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زیدؒ اور مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

''الد'' کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا جیسے اور جگہ ہے وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے بیوفائی کرے جب جھگڑا کرے گالیاں بکے ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

نماز اور ہماری رفتار: ☆☆ سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى الخ اور فرمان ہے فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت و وقار کے ساتھ آؤ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

منافقوں کا مزید تعارف: ☆☆ (آیت:۲۰۶-۲۰۷) غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہدؒ سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں' ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ ونصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے واذا تتلی علیھم ایاتنا بینات تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں' سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو۔ کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کون؟: ☆☆ منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں' یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے۔ اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے' آپؓ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی' جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت آپؓ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی' آپؓ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے۔ آخر بتلاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا' آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے' آپ کے پاس مال نہ تھا' یہ سب مال یہیں کمایا۔ اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپؓ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا۔ آپؓ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا۔ جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے' میں تم کو چھیدتا رہوں گا' اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے' پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو۔ پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں۔ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی' آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے مبارک باد دی' اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنتہ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ وانجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایماندارو اس خرید فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے' حضرت ہشام بن عامرؓ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ وتنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت من یشری کی تلاوت کر کے سنادی۔

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آ جانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

مکمل اطاعت ہی مقصود ہے: ☆☆ (آیت ۲۰۸-۲۰۹) اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبیؐ کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کُل احکام کو بجالائیں۔ کُل ممنوعات سے بچ جائیں۔ کامل شریعت پر عمل کریں۔ سِلْم سے مراد اسلام ہے۔ اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ کافتہ کے معنی سب کے سب پورے پورے، عکرمہؒ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اسد بن عبیدؓ ثقلبہؓ وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضورؐ سے گزارش کی، ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت کی اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو لیکن اس میں حضرت عبداللہؓ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے۔ انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں، بعض مفسرین نے ''کافتہ'' کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدیؐ دین میں پوری طرح آ جاؤ۔ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو۔ توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو۔ شیطان کی نہ مانو۔ وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور اللہ پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے، نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے، نہ اس پر کوئی غالب ہے۔ اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے۔ اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ ٱلْغَمَامِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ۝٢١٠

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

تذکرۂ شفاعت: ☆☆ (آیت ۲۱۰) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کئے کو بھگت لے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے کلا اذا دکت الارض الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ الخ یعنی کیا

انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے یا اس کی بعض نشانیاں آ جائیں۔ اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے' امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں' مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے۔ آپؐ جواب دیں گے' میں تیار ہوں' میں ہی اس کا اہل ہوں۔ پھر آپؐ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا۔ دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آ جائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آ جائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تشریف لائے گا۔ فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے۔ ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی سبحان ذی الملک والملکوت' سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان الحی الذی لا یموت' سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت' سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح' سبوح قدوس سبحان ربنا الاعلی' سبحان ذی السلطان والعظمۃ' سبحانہ سبحانہ ابدا ابدا○ حافظ ابو بکر بن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا۔ جس کا وقت مقرر ہے۔ وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی۔ ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔ نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں' زبیر بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر وزبرجد والا ہوگا' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا' ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا' چنانچہ بعض قراتوں میں یوں بھی ہے ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ جیسے اور جگہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائکتہ تنزیلا○ یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے ○ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

احسان فراموش بنی اسرائیل اور ترغیب صدقات: ☆☆ (آیت:۲۱۱-۲۱۲) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لئے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی۔ پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے الم تر الی الذین بدلوا نعمة الله کفرا الخ کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرارگاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے بلکہ جو ایمان دار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں' یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے۔ جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے' حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر' میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا راہ اللہ میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے وما انفقتم من شئی یخلفه تم جو کچھ خرچ کرو' اللہ اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے' اللہ تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو عزت عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے بخیل کے مال کو برباد کر۔ ایک اور حدیث میں ہے' انسان کہتا رہتا ہے' میرا مال' میرا مال حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا لیا! وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا! وہ بوسیدہ ہو گیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا' اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے' اسے تو تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو' دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو' دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا۔ پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک : ☆☆ (آیت: ۲۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے۔ پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرات بھی یوں ہے کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا فبعث الخ ابی بن کعب کی قرات بھی یہی ہے۔ قتادہؒ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام حضرت مجاہدؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا۔ ان کے ساتھ اللہ کتاب بھی تھی تا کہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض تعصب وضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی۔ لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی۔ یہ کُل کے کُل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا ہے۔ ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا۔ یہود نے بھی ان میں سے بعض کی نماز رکوع ہے اور سجدہ نہیں۔ بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدؐ کی نماز سکون و وقار والی ہے۔ نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدؐ کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے۔ کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے۔ نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے۔ پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی۔ نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچا لئے گئے اور انہیں روح اللہ کلمۃ اللہ اور نبی حق مانا۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہو گی یہاں تک کہ امت نوح پر بھی ان کی شہادت ہو گی۔ قوم ہود قوم صالح قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہو گا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں واللہ

یھدی الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ولیکونوا شھداء علی الناس یوم القیامته الخ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے' گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی۔ وہ جسے چاہے راہ استقامت سجھا دیتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض عالم الغیب والشھادة انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اھدنی لما اختلف فیه من الحق باذنك انك تھدی من تشاء الی صراط مستقیم○ یعنی اے اللہ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عزوجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اله العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا۔ تو جسے چاہے راہ راست دکھلا دیتا ہے' حضورؐ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ولا تجعله متلبسا علینا فنضل واجعلنا للمتقین اماما○ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا۔ ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں اے اللہ ہمیں نیکوکار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے○

ہم سب کو آزمائش سے گزرنا ہے: ☆☆ (آیت:۲۱۴) مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا۔ انہیں بھی بیماریاں' مصیبتیں پہنچیں' باساء کے معنی فقیری اور ضراء کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے۔ (زلزلو) ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے' ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یارسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر مکمل دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلاخوف و خطر صنعاء سے حضرموت تک سوار تنہا سفر کرنے لگے گا۔ اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو گا البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی

کرتے ہو۔ قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے الم۝ حسب الناس ان یترکوا الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے تو اگلوں کی بھی آزمائش کی۔ سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکھار کر رہیں گے چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش ہوئی۔ یوم الاحزاب یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے فرمان ہے اذ جائوکم من فوقکم الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ دل حلقوں تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافق اور ڈھل مل یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔ ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا' ہاں۔ پوچھا۔ پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے۔ کبھی وہ غالب رہے ہے تو ہرقل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔

مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ومضی مثل الاولین۝ الخ اگلے مومنوں نے مع نبیوںؑ کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی نزدیک ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فان مع العسر یسرا۝ ان مع العسر یسرا۝ الخ یقیناً سختی کی ساتھ آسانی ہے' برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں۔ تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تم جو کچھ بھلائی کرو گے' اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۝

نفلی خیرات: ☆☆ (آیت: ۲۱۵) مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبیؐ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں۔ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے۔ پھر قریبی لوگوں سے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں باجوں تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ تم محض بے خبر ہو ○

جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول: ☆☆ (آیت:۲۱۶) دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ سب پر فرض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حدیث میں ہے' فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ یہ حکم آپؐ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرمایا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی' ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ' ممکن ہے زخمی ہو جاؤ' پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے۔ تم برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ ان کے مال' ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے تک بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہی تمہارے لئے برا ہو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی۔ تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کونسا برا ہے۔ وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو۔ تم اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر ہر حکم کو خندہ پیشانی سے مان لیا کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۚ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۚ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا' اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا' یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں' ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے ○ ایمان لانے والے' ہجرت کرنے والے' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حضرمی کا قتل: ☆☆ (آیت: ۲۱۷-۲۱۸) رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضورؐ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے۔ آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو' اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہؓ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبیؐ پڑھا اور انا للہ الخ' پڑھ کر کہا' میں نے حضورؐ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخری کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے۔ انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسرؓ' حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت عتبہؓ بن غزوان سلمی' حضرت سہیلؓ بن بیضاء' اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی رضی اللہ

تعالیٰ عنہم تھے۔بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ جحشؓ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان' عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہؓ کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدیوں کو اور مال غنیمت لے کر واپس آئی مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال وقتال کرتے ہیں مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخری کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو۔ تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی کے ہاتھ فتح کروایا انہیں ان آیتوں میں لاجواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا' یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا۔ گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخری کی آخری رات جانتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے۔ آٹھویں حضرت رباب اسدیؓ تھے انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضورؐ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دو دن چل کر حضورؐ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ۔ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے' وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرغ کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں' نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے۔ مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکار نبویؐ میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضور کے اس قول وفعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور

اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا سننا شروع کیا۔

ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہؓ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال وقتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا عَمَّرَتِ الْحَرْبُ لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی اس کے باپ کا نام حضرمی تھا۔ اس سے انہوں نے فال لی کہ حضرت الحرب وقت لڑائی آ پہنچا' قاتل کا نام واقدؓ تھا جس سے انہوں نے کہا وَقَدَتِ الْحَرْبُ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم دین اللہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج و افسوس سے نجات پائی اور حضورؐ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا قریشیوں نے پھر آپؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جب آ جائیں تب آؤ' مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر بیر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہاں عثمان بن عبداللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضورؐ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابہؓ کی چشمک کی بناء پر' کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا' سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں' جب حضورؐ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا کفار کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے اس پر یہ آیت یَسْئَلُوْنَكَ الخ نازل ہوئی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحش نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبداللہؓ بن جحش کے ہیں جو اس مختصر لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۰﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے گو لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو ○ امور دینی اور دنیوی' کو اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں' تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے۔ تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

حرمت شراب کیوں: ☆☆ (آیت:۲۱۹-۲۲۰) جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا' یا اللہ تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ الخ' نازل ہوئی حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ! اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما۔ اس پر سورۂ نساء کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی الخ' نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی یا اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر۔

اس پر سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ اتری' جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ پڑے تو آپ بول اٹھے اِنْتَهَیْنَا اِنْتَهَیْنَا ہم رک گئے ہم باز آئے ملاحظہ ہو مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی وغیرہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو میسرہ ہے جن کا نام عمر بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں' اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ کے اِنْتَهَیْنَا اِنْتَهَیْنَا کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابو ہریرہؓ والی اور روایتیں سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورۂ مائدہ میں ہی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو جوئے بازی کے گناہ کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے۔ ''شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں'' اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے' ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے' جیت ہو جائے لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا' ہوش حواس کا بیکار ہونا ضروری ہے' ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔ یہ آیت گویا شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی گو اس میں صاف صاف حرمت بیان ہوئی تھی' اسی لئے حضرت عمرؓ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو چنانچہ آخر کار سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں۔ اے مسلمانو اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آ جاؤ شیطان کی تمنا

ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا اب تم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاءاللہ سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعیؒ فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہوگئی۔

عفو اور اس کی وضاحتیں: ☆☆ قُلِ الْعَفْوَ کی ایک قرات قُلِ الْعَفْوُ بھی ہے اور دونوں قراتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بندھی بیٹھ سکتے ہیں' حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضورؐ ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ راہ اللہ دیں جس کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں' ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کرو' ربیعؒ کہتے ہیں' افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' حضورؐ میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اپنے کام میں لاؤ کہا۔ میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو' کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے۔ فرمایا تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا' اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر پھر تو اپنے بال بچوں پر پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر پھر تو اور حاجت مندوں پر اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے' اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو' اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں' زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے' اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسن نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' واللہ جو غور و تدبر کرے گا' جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کا مال اور ہماری ذمہ داری: ☆☆ پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے۔ تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے' یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔

اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا۔ دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضورؐ سے عرض کی جس پر یہ آیت قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ الخ' نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یتیم کے ذرا اور اس کے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ الخ' سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا' وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیا بلکہ یتیم کا نگران اگر تنگدست' مسکین محتاج ہو تو مطابق دستور اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقت ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲۱

ع ۲۷ ۵ ۱۱

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں' تم نکاح نہ کرو ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں' ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلا رہا ہے۔ وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

پاک دامن عورتیں: ☆☆ (آیت:۲۲۱) بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ الخ یعنی تم سے پہلے جو لوگ کتاب اللہ دیئے گئے ہیں' ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں' ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے' حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں

مخصوص ہیں۔ مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیر، مکحول، حسن، ضحاک، قتادہ، زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے جیسے بھی کہہ لیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں، ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المومنین، آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپؓ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریرؒ میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی، امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰؑ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں، مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے۔ یہ فرمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے۔ ان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے پوچھا۔ اس کا کیا خیال ہے کہا حضورؐ وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبداللہ پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یا رسول اللہ، قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تاکہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے غلام مسلم مرد بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے' ایک تو مال' دوسرے حسب نسب۔ تیسرے جمال و خوبصورتی' چوتھے دین' تم دینداری ٹٹولو مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ' نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو چاہے حبشی غلام ہو' پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول' ان کی صحبت' محبت دنیا' حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی' اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں' ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو' ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو ○

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۲۲-۲۲۳) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضورؐ پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ

حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو' یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد) حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی۔ آپ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ادھر آؤ میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں۔ آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم از واجہ واصحابہ وسلم۔

حضرت مسروقؒ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَعَلٰی اَھْلِہٖ حضرت عائشہؓ نے جواب دے کر مَرْحَبًا مَرْحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں اور تو قائمقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمایئے آدمی کے لئے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر) اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ حسن اور عکرمہؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے' مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا' اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی' آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں' میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی۔ نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہمد ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہمد باندھ لیں (بخاری) اس طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضورؐ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا' تہمد کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ' حضرت ابن عباسؓ حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت شریحؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تا کہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ

رہے- حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے تو بہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں' اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے' وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے- ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار- مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار-

دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں- صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں- جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں' ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں- گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے- یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں' ان کے قریب نہ جاؤ' یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے' پھر نزدیکی حلال ہے-

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے- حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے' وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے- اس کے بعد یہ فرمان ''ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ'' اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو- امام ابن حزم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے- اس کی دلیل لفظ فَأْتُوهُنَّ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں- علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے- ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے-

بعض کہتے ہیں' یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے' یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے- لیکن یہ غور طلب بات ہے- دلیل سے جو بات ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر یعنی پہلے منع ہو' پھر حکم ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی' ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا جیسے قرآن کریم میں ہے فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو- اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو- اور جگہ ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں- غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے- یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے' مدت حیض گذر جائے' پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے- ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے- اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے- ہاں امام ابوحنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں- وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو واللہ اعلم-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ یَطْھُرْنَ کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے- اور تَطَھَّرْنَ سے مراد غسل کرنا ہے- حضرت مجاہدؒ حضرت عکرمہ حضرت حسنؒ حضرت مقاتل بن حیان حضرت لیث بن سعدؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں- پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے' مراد اس سے آگے کی جگہ ہے- حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے- اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں- صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے' اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے- اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنی حرام ہے- اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاء اللہ- یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں' اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں' گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں' حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے- اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنا لیتا ہے- پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ میں تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے- ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی- ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن ایک ہی رہے- ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں- آپؐ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہے آئے- ہاں اس کے منہ پر نہ مار' زیادہ برا نہ کہہ' اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا' ایک ہی گھر میں رہ (احمد و سنن)- ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے- اس پر یہ حکم نازل ہوا- مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضورؐ سے یہ پوچھا تھا- طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الٹا کر کے مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی-

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابطؒ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے' فرمایا' بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو' پوچھ لو' کہا- فرمائیے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو' مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے- جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں' تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی- ام سلمہ نے بٹھایا کہا ابھی آنحضرت ﷺ آ جائیں گے- جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنینؓ نے آپؐ سے پوچھا' آپؐ نے فرمایا' انصاریہ عورت کو بلا لو- پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا- جگہ ایک ہی ہو-

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میں تو ہلاک ہو گیا- آپؐ نے پوچھا' کیا بات ہے- کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی' آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا- اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے فرمایا

سامنے سے آ' پیچھے سے آ' اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ' اور پاخانہ کی جگہ نہ آ - انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اللہ بخشے' انہیں کچھ وہم سا ہو گیا - بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی - ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے - اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی - بات بڑھتے بڑھتے حضورؐ تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا - پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو -

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا - اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا) ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؒ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؒ سے فرمایا' جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا' نہیں' فرمایا' یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے - ایک روایت میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا' ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی - لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے - دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں' وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے وطی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا' لوگ جھوٹ کہتے ہیں' پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے - اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے - وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی - ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے -

تو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں - ایک روایت میں ہے' لوگو شرم و حیا کرو' اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا' عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی نہ کرو - دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے' اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا (ترمذی) - حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپؓ سے آ کر کہا کہ میں نے اَنّٰى شِئْتُمْ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر لیکن جگہ وہی ایک ہو - ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے' وہ چھوٹا لوطی ہے (مسند احمد) ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے - حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم -

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ- ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے- لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں- مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے سے وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے' اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد کے اوپر اتری ہے صلی اللہ علیہ وسلم- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں- ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث میں اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے- ایک اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے- حضرت ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے- دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا' تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی پس صحیح حدیثوں سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے- یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام کہتے ہیں چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' کیا مسلمان بھی ایسا کرسکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے- پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں- امام مالکؒ سوان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے- اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو- بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو- سائل نے کہا' حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں- آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں- مجھ پر تہمت باندھتے ہیں- امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے-

امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیب' ابوسلمہ' عکرمہ' طاؤس' عطا' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' مجاہد حسن وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے- گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہ بلکہ امام مالک سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں- عبد الرحمٰن بن قاسم کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا- پھر نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ پڑھ کر فرمایا' خود یہ لفظ حرث ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں- کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا- گو امام مالک سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے واللہ اعلم- ٹھیک اسی طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے-

پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی ممنوعات سے بچو- نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب

کتاب لے گا ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّیۡطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیۡطٰنَ مَارَزَقۡتَنَا یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچا لے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں' اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور کفارہ: ☆☆ (آیت:۲۲۴-۲۲۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ جیسے اور جگہ ہے وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَالسَّعَۃِ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں' وہ قرابت داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں۔ انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگذر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری خودخواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھا لے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے' وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ جمہور کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے عبدالرحمن سرداری' امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھا لے' اور اس کے خلاف بھی بھلائی دیکھ تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس نیک کام کو کر لے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھا لے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کر لے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں ہی ہے نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھا لے اور نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' کل کی کل صحیح حدیثوں میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرے۔ ابن عباسؓ' سعید بن مسیب' مسروق اور شعبی بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے

جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں' ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' جو شخص لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے' وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور گا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں' ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت کے لفظ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ہیں' ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں۔ ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو' پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپؓ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہؓ اور تابعینؒ نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے' یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم' اس کا تیر نشانے پر لگے گا۔ کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضورؐ اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے۔ وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پرواہ نہ کرے۔ اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے' ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا' اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا' اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناطوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو' اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں' اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھا لو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں' ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے۔ پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلا اوراس کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۲۶-۲۲۷) ایلا کہتے ہیں "قسم" کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دوصورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اوراس درمیان عورت بھی صبر کرے۔ اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کرسکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں' جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اورانتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اوراگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کرلے یا طلاق دے دے اور حاکم اس خاوند کوان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ "ایلا" خاص ہے بیویوں کیلئے لونڈیوں کے لئے نہیں' یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں۔ اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے' اسے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق نہیں پڑ جائے گی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے۔ گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گذرنے کے طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی (مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی' بعض کہتے ہیں بائن ہوگی جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباس اور ابوالشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے یا طلاق دے۔ مؤطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر اوپر صحابیوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے' چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا' پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ بن زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر اوپر دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ دار قطنی میں ہے' حضرت ابو صالح فرماتے ہیں' میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا سب نے یہی جواب عنایت فرمایا۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابوالدرداء' حضرت ام المومنین عائشہ

صدیقہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب' حضرت عمر بن عبد العزیز' حضرت مجاہد' حضرت طاؤس' حضرت محمد بن کعب' حضرت قاسم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک ' حضرت امام شافعی' حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے' امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیث' اسحٰق بن راہویہ' ابوعبید' ابوثور' داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم آپ اس کی طرف سے طلاق دے دے گا اور یہ طلاق رجعی ہو گی۔ عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے' اس کی مناسبت میں موطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور فرمایا' بتلاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپؓ نے فرمایا' اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾

ع ۸ / ۱۲

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں۔ انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی ایسے ہی حق ہیں جیسے ان پر ہیں۔ اچھائی کے ساتھ۔ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت:۲۲۸) ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں' حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں۔ پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے۔ وہ دو حیض عدت گذارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے وہ دو حیض گذارے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس کے راوی

حضرت مظاہر ضعیف ہیں' یہ حدیث ترمذی' ابوداؤداور ابن ماجہ میں بھی ہے۔امام حافظ دارقطنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔اسی طرح خود خلیفتہ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے۔ بلکہ صحابہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں۔محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔حضرت عروہؒ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہؓ کی دوسری بھتیجی ہیں' اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپؓ نے فرمایا' اقراء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء وفقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگئی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا) امام مالکؒ فرماتے ہیں' ہمارے نزدیک بھی متحقق امر یہی ہے۔ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالم' قاسمؒ عروہؒ سلیمان بن یسار' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' ابان بن عثمان' عطا' قتادہ' زہری اور باقی ساتوں فقہا کا بھی یہی قول ہے۔امام مالکؒ' امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔داؤد اور ابوثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے' وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروع سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی حالت ہے۔اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہوگیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے' بتیس دن اور دو لحظہ ہیں' عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمایئے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہوگیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی' حضرت صدیق اکبر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابو درداء' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت معاذ' حضرت ابی بن کعب' حضرت موسیٰ اشعری' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔سعید بن مسیب' علقمہ' اسود' ابراہیم' مجاہد' عطا' طاؤس'

سعید بن جبیرؒ عکرمہؒ محمد بن سیرینؒ حسنؒ قتادہؒ شعبیؒ ربیعؒ مقاتل بن حیانؒ سدیؒ مکحولؒ ضحاکؒ عطا خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ ثوریؒ اوزاعیؒ ابن ابی لیلیٰؒ ابن شبرمہؒ حسن بن صالحؒ ابوعبید اور اسحٰق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لغتاً قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں۔ حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو۔ ابوعمر بن علا کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابوعمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہا کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔

پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں حمل ہو تو اور حیض آئے تو پھر فرمایا اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا اور اسے چھپا نہ لیں۔ اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ اس کے منہ پر نہ مارو اسے گالیاں نہ دو اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی اخلاقی حیثیت سے بھی مرتبہ کی

حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی غرض دنیوی اور اخری فضیلت کے ہر اعتبار سے۔ جیسے اور جگہ ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔـا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی۔ خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں ○

رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع: ☆☆ (آیت:۲۲۹) اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی، عدت گذرنے کے قریب آئی، رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی۔ اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دے دوں گا۔ پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو۔ اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گذر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو اس پر کوئی ظلم نہ کرو نہ اسے ضرر نقصان پہنچاؤ، ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ میں، جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا، اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے

ہوئے میں سے کچھ لے لو۔ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے' جیسے فرمایا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نااتفاقی بڑھ جائے' عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجالاتی ہو' ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے' اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولی جائز ٹھہرے گا۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں' سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا مالک میں ہے کہ حبیبہ بن سہل انصاریہ' حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہؓ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا' کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بن سہل ہوں فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضورؐ میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ جب ثابتؓ آئے' آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا حضورؐ میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے' وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں آپ نے حضرت ثابت کو فرمایا۔ سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ آزاد ہو گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے جب انہیں یہ فرمایا' اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں' آپ نے فرمایا' ہاں۔ کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے' وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت نے طلاق دے دی۔ بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ وغضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا' وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرتؐ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے۔ حضورؐ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو۔ حبیبہ نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں اور

روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ حضورؐ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے فِیۡ مَا افۡتَدَتۡ بِہٖ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا' اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گذری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا' اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے' اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے' حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں' اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے' ربیع بنت معوذ بن عفرا فرماتی ہیں' میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے' ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے' لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے' یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ' ابن عباسؓ' مجاہدؒ' عکرمہ' ابراہیم نخعی' قبیصہ بن ذویب' حسن بن صالح عثمان رحمھم اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں' امام مالک' لیث' امام شافعی اور ابو ثور کا مذہب بھی یہی ہے' امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے' واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہو گا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو لے لے تو قضاء جائز ہو گا۔ امام احمد ابو عبید اور اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں' سعید بن مسیب' عطا عمرو بن شعیب' زہری' طاؤس' حسن' شعبی' حماد بن ابو سلیمان اور ربیع بن انسؓ کا بھی یہی مذہب ہے عمر اور حاکم کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے گا کا لفظ جو قرآن میں ہے' اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے' اس میں سے کچھ نہ لو۔ ربیع کی قرات میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں' پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے' حضرت عکرمہؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو آیت کے اول آخر طلاق کا ذکر ہے۔ پہلے دو طلاقوں کا۔ پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمرؓ' طاؤس' عکرمہ' احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ' ابو ثور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض

دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلائق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے- ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم-

حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عمرؓ' سعید بن مسیب' حسن' عطا' شریح' شعبی' ابراہیم' جابر بن زید' مالک' ابو حنفیہ ان کے ساتھی ثوری' اوزاعی' ابوعثمان بتی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے- امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے- ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی- اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی- امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل وشہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں-

مسئلہ: ☆☆ امام ابوحنیفہ' شافعی' احمد' اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے- عمر علی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن مسیب' سلیمان بن یسار' عروہ' سالم' ابوسلمہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن شہاب' حسن' شعبی' ابراہیم نخعی' ابوعیاض' خلاس بن عمرو' قتادہ' سفیان ثوری' اوزاعی' لیث بن سعد اور ابوعبید رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی فرمان ہے- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے- دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ ہے ابن عمرؓ گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے- ابن عباسؓ' عکرمہؓ' امان بن عثمانؓ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں' جو خلع کو فسخ کہتے ہیں' ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو- ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی صاحبہ کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گذارنے کا حکم دیا تھا- ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گذارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں- ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو- مریم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا' اس کی متابعت حضرت امیرالمومنین نے کی-

مسئلہ: ☆☆ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے- عبداللہ بن ابی اوفی' ماہان حنفی' سعید اور زہری کا قول ہے کہ اگر واپس کیا پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے- بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے- سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں' اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے- داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں- ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں- عبدالبر ایک فرقہ کا یہ قول بھی حکایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے-

مسئلہ: ☆☆ اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں- ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہوگئی ہے- ابن عباسؓ' ابن زبیرؓ' عکرمہؓ' جابر بن زید' حسن بصری' شافعی' احمد' اسحاق ابوثور کا یہی قول ہے- دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ

نہیں- یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے- تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی- ابوحنیفہ ان کے اصحاب ثوری' اوزاعی' سعید بن مسیب' شریح' طاؤس ابراہیم' زہری' حاکم' حکم اور حماد کا یہی قول ہے- ابن مسعود اور ابوالدرداء سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں- پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں- صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو- فرائض کو ضائع نہ کرو' محارم کی بے حرمتی نہ کرو' جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں' تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے- اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں- مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی' ان سے تجاوز نہ کرو- اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے- حضورؐ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا' اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے-

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرلے- پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے- یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے ○

(آیت: ۲۳۰) پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو' ہم بستری ہو' پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے- پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گو وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں- اکثر فقہا میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ مجرد (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں- ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے- وہ دوسرا نکاح کرتی ہے- وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے- تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے- آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر سے خود امام سعید بن مسیب ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے خود آپؐ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا- آپؐ سے پوچھا گیا مگر آپؐ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری وسلم) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحب تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا

نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت ماب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کے نہیں۔ مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے پہلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس۔ بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو' احرام کی حالت میں نہ ہو' اعتکاف کی حالت میں نہ ہو اور حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو' محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ مسیلہ سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ''عسیلہ'' سے مراد جماع ہے اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے گودنے والی' گدوانے والی' بال ملانے والی' ملوانے والی عورتیں ملعون' حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سود خور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' صحابہؓ کا عمل اسی پر ہے' عمرؓ عثمانؓ اور ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے' تابعین فقہا بھی یہی کہتے ہیں' علی ابن مسعود اور ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے۔ ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے' ایک حدیث میں ہے' میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے' اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو۔ جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپؓ نے فرمایا' ہرگز نہیں' ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا' اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے

دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گذر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکروفریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا۔ اس سے ہم بستری بھی ہوئی۔ پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی۔ پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے ازسرنو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم وزیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

آئین طلاق کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۱) مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عمدگی کے ساتھ لوٹائے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف، جھگڑے، دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دے دی۔ عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر لیا۔ یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا' کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی۔ میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ اس کا ایک یہ بھی مطلب کیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لئے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی

کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے- پھر کہدے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا- ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی' پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا' اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ) حسن بصری فرماتے ہیں' لوگ طلاق دے دیتے' آزاد کر دیتے' نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا' اس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں' وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم)- یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے- ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں' دل لگی سے ہوں تو تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی- نکاح' طلاق اور رجعت- امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں' اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے- ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں' کتاب اور سنت سکھائی حکم بھی کئے' منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ- جو کام کرو اور جو نہ کرو' ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے-

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں- یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو- اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے- اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

ورثاء کے لئے طلاق کی مزید آئینی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۲) اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گذر جائے' پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں- اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا- چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی- نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے- وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں- دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں- گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں- ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں' فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ- یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے- صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میری بہن کا منگیتر میرے پاس آتا تھا میں نے نکاح کر دیا اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی- پھر عدت گذرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا- اس پر یہ آیت اتری جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا' نکاح پر آمادہ ہو گئے- اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا- ان کا نام

جمیل بنت یسارؓ تھا ان کے خاوند کا نام ابوالبداح تھا بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسارؓ بتایا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر یہ فرمایا' یہ نصیحت و وعظ کے لئے ہے۔ جنہیں شریعت پر ایمان ہو' اللہ کا ڈر ہو اور قیامت کا خوف ہو' انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں' انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں۔ شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو' شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۳۳

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوا لینے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مسئلہ رضاعت: ☆☆ (آیت: ۲۳۳) یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے اس کے بعد دودھ کی پلائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔

ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے' وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہؓ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی

جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ الخ' دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تین ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت جابرؓ' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھم' حضرت سعید بن المسیب حضرت عطا اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ' امام احمدؒ امام اسحٰقؒ' امام ثوریؒ' امام ابو یوسفؒ' امام محمدؒ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالکؒ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے' امام اوزاعیؒ سے بھی یہ روایت ہے' اگر کسی بچے کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔ امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں۔ عطا اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ جس شخص کا کسی کے گھر آنا جانا کہیں ضروری جانتیں' وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابوحذیفہؓ کے مولی تھے' آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں ساتوں فقیہوں کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا مسئلہ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان و نفقہ بچوں کے والد پر ہے اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں۔ نہ تو زیادہ ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں۔ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گذران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ

سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے - حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے - حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے -

سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا - یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی - حضرت علقمہؒ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت بغیر دوسرے کی رضامندی کے ناکافی ہو گی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے - خیال فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے - سورۃ طلاق میں فرمایا فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ الخ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو - یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں - اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے -

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں - جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں - اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

خاوند کے انتقال کے بعد: ☆☆ (آیت:۲۳۴) اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے - دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا - فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے - جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ رسول اس سے بری ہیں - میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گذارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا - یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا - حضرت

عبداللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گذرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسنابل بن بعلبک نے یہ دیکھ کر فرمایا' کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں' تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا' اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں۔ اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے' اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے' دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب' ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں' اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں' دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے' اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے' حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا' لوگو سنت نبویؐ کو ہم پر خلط ملط نہ کرو اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے' چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بنؒ مسیبؒ' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ بن سیرینؒ' ابن عیاض زہریؒ اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے' یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعیؒ اسحاقؒ بن راہویہ اور احمدؒ بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں- ابوحنیفہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں- تین حیض عدت گذارے' حضرت علی' ابن مسعود' عطا اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے-

امام مالک امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے- ابن عمرؓ شعبی' مکحول' لیث' ابوعبید' ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے- حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے- امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گذارے' امام شافعیؒ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں- واللہ اعلم (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گذارے واللہ اعلم)

ازاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے- صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اُسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے- ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے[1] ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں- کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں- آپ نے فرمایا- نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا- آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں- حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے- وہ بدترین کپڑے پہنتی' خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بسی رہتی تھی- سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا- یہ تھی جاہلیت کی رسم- پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں- حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ- مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑ کیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے- ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں- فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں- کیونکہ آیت میں عام حکم ہے- ہاں ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں- اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے- ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو- پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے- امام ابو حنیفہ اور ثوری کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے- امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تصفیہ کا یہ موقع نہیں واللہ الموفق بالصواب۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں- یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے- حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے-

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارتاً کنایتاً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح: ☆☆ (آیت: ۲۳۵) مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا۔ میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں' اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو' عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں' جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا۔ عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کا مانگا تھا' نکاح کرا دیا' ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش' ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ ہے تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں' نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پہ عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے' پس یہ سب اقوال آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ' جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں' اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی' اب آیا عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے' اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا۔ اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کے اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس

فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے' امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپؒ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے' حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو' برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق بمطابق دستور اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کب اور کتنا؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۶) عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد "مس" سے نکاح ہے' دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا' اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے' اسی لئے حکم ہوا کہ مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کمی چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے' حضرت شعبی فرماتے ہیں' درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا' دوپٹہ' لحاف اور چادر دے دے۔ شریح فرماتے ہیں' پانچ سو درہم دے' ابن سیرین فرماتے ہیں' غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہمانے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوا دی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے' وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ الخ' پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اس طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ الخ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں' پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضورؐ کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں' سعید بن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصری کا قول یہی ہے- امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے- واللہ اعلم- بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَکَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَکُمۡ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا فَمَتِّعُوۡهُنَّ وَ سَرِّحُوۡهُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں- جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو- سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوب ہو چکی ہے- حضرت سہل بن سعد اور ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیہ بنت شرحبیل سے نکاح کیا- جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا- آپؐ نے ابو اسید سے فرمایا' اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو- تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا- اگر مقرر نہ ہوا ہو- اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا- ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی' حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے-

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے- ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو' یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تخیر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص سورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق- حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں' اپنی طاقت کے برابر دے دے' اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے-

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِیۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو- یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو- یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

مزید وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲۳۷) اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا' وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا- اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں- واللہ اعلم- اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے' آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے' لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے' گو ہم بستری نہ ہوئی ہو- امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے- لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا' امام شافعیؒ فرماتے ہیں' میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں' امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے- پھر فرماتا ہے' کہا اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے- اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے- بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے' محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں-

پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے- ایک حدیث میں ہے' اس سے مراد خاوند ہے' حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں- فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے- اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے- امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے' امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے' اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں' اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں' دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی- ابن عباس علقمہ' حسن' عطا' طاؤس' زہری' ربیعہ' زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ' محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے- امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے- اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے- گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو' عکرمہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے- گو وہ عورت سمجھدار ہو' حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے-

پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے- اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے' آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو- اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ' ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا- مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو- برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے

داموں اس کی چیز خرید تے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے' میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی' ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں' اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں' میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی' اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی' ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۸-۲۳۹) اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو' رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے (بخاری و مسلم) حضرت ام فروہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے' اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں۔

پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے' سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے' ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہیں' جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں' پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے۔ جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے' دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی' ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' بصرے میں' میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ پھر میں نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا' جابر بن عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ تابعینؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے

بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر' عصر- بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے' ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے- وہاں بھی یہ مسئلہ چھڑا- لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا- آپؓ نے فرمایا' یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں' اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہؓ پر اور کوئی نہ تھی- اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو ہیں- آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ عصر ہے- پھر دو اور شخصوں نے پوچھا' آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے' پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' آپ نے فرمایا یہ ظہر ہے' آپؐ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے' بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے' کوئی نیند میں ہوتا' کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپؐ نے فرمایا' یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا' لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے- حضرت عمرؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے- امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے-

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے' اکثر علماء' صحابہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے' جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی' بلکہ جمہور لوگوں کا' حافظ ابومحمد عبدالمومن دمیاطیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطی ہے- اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوۃ وسطی عصر کی نماز ہے- حضرت عمر' علی' ابن مسعود' ابوایوب' عبداللہ بن عمرو' سمرہ بن جندب' ابوہریرہ' ابوسعید' حفصہ ' ام حبیبہ' ام سلمہ' ابن عمر' ابن عباس' عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے' امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے- امام ابوحنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے' ابو یوسف' محمد سے بھی یہی مروی ہے- ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین- اس قول کی دلیل سنئے- رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا- اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)-

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضورؐ سے یہ سنا- اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے' (2) اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے- حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا' ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابوہاشم بن عتبہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے- اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپؐ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا- آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ- ایک شخص نے کہا مجھ سے سنئے- مجھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا- آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا' دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز' پھر اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر فرمایا' یہ ہوئی ظہر کی' پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا' یہ ہے مغرب کی نماز' پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا' یہ ہوئی عشاء

کی نماز' پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی' میں نے کہا بیچ کی' فرمایا' اور نماز کون سی باقی رہی' میں نے کہا عصر کی فرمایا' بس یہی صلوۃ وسطی ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے' غرض صلوۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے' جن میں سے کوئی حسن ہے۔ کوئی صحیح ہے۔ کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضورؐ کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانہ تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے۔ ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو' سنو' جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی' اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا' ادا کی' پھر فرمایا' یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا' سنو' اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے' اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حافظوا تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے والصلوۃ الوسطی کے بعد وصلوۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (مسند احمد) روایت میں وھی صلوۃ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضورؐ کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جب آپ کے قرآن کے کاتب تھے' اسی طرح یہ آیت لکھوائی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں' میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا' یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مدنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے کہ صلوۃ الوسطی اور ہے اور صلوۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے۔ رہا واؤ سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو' عاطفہ ہو جیسے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ میں اور وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اور جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے' سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں' فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے' واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں۔ بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے' علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضورؐ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیقؒ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی' پس اس بناء پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی روایت والی یا تو لفظا منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں' اس سے مراد مغرب کی نماز ہے' ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے' بعض اور حضرات کا قول بھی یہ ہے' اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں' بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے' یہ مبہم ہے۔ جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے' بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے' بعض کہتے ہیں' جمعہ کی نماز ہے' کوئی کہتا ہے صلوٰۃ خوف مراد ہے' کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے' کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحٰی مراد ہے' بعض کہتے ہیں' ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لئے کہ یہ دلیلیں مختلف ہیں' وجہ ترجیح معلوم نہیں' کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہؓ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا' جس طرح حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں اس طرح مختلف تھے' پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطٰی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطٰی نماز عصر ہے امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمہما اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کل ماقلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی ممایصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلد ونی یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولی ہے۔ خبردار میری تقلید نہ کرنا' امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارودؒ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں' کہا' آپ نے فرمایا' اذا صحح الحدیث و قلت قولا فانا راجع عن قولی و قائل بذالك یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو' میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے۔ جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمھم اللہ و رضی عنھم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطٰی کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فالحمدللہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں' علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔

پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع' ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت ابن مسعود کے سلام کا جواب حضورؐ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت

معاویہ بن حکمؓ سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا' نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہئے' یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کرلیا کرتے تھے' جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی علیہ السلام کو سلام کرتے تھے آپؐ نماز میں ہوتے۔ پھر بھی جواب دیتے' جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور گو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا' اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے مجھے فرمایا۔ عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا' اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے' اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے' حضرت ابن مسعود والی روایت جو ابو یعلی میں ہے' اس میں ہے کہ حضورؐ کے جواب نہ دینے سے پہلے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وعليك السلام ايها المسلم و رحمة الله نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا' اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب و آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی' یعنی میدان جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو' سوار' پیدل' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو' ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں' میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے' مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر ہو' عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا' صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی علیہ السلام کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم)

امام احمد فرماتے ہیں' یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو' جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں' اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں' تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ازاں بعد حضرت امام المحدثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمادیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جبکہ نماز عصر کا وقت گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تا کہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپؐ نے انہیں کچھ ڈانٹا نہ انہیں' پس اس سے حضرت امام بخاری یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے' وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری' امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں' ہوسکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو' جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا' جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِیَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَی الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۴۰﴾

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے' پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○

بیوگان کے قیام کا مسئلہ: ☆☆ (آیت: ۲۴۰) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت' اس سے پہلے کی آیت اور اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت منسوخ ہو چکی ہے' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپؓ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں آپؓ نے فرمایا' بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے' یہاں بھی موجود ہی رہے گی۔ ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان ونفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَكَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ الخ' نے اسے منسوخ کر دیا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے۔ عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں وصیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الخ اس کا نصب فلتو صوا لھن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیۃ کی قرات یہی ہے یعنی کتب علیکم وصیۃ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

امام بن تیمیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہؓ بنت مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں آپؐ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی۔ ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپؓ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلے سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۷ / ۱۵

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے ○ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

(آیت: ۲۴۱-۲۴۲) مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال وحرام اور فرائض وحدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تا کہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے' اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

موت اور زندگی: ☆☆ (آیت: ۲۴۳-۲۴۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے' بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں' یہ لوگ ذروردان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں' اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے' وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے' اتفاق سے ایک نبیؑ اللہ کا وہاں سے گزر ہوا' ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' ایک چٹیل' صاف اور ہوا دار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گزر چکی' ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا' اسی جگہ بستی بس گئی۔ تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا' ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست' رگیں' پٹھے بھی جوڑ لو چنانچہ اس نبیؑ اللہ کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے' اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالآخر حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ- حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی- پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا-[2] پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچاسکا' اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے- اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں' رزق نہ بڑھے نہ گھٹے' موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے- اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے' ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو- اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں' الٰہ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی- کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں- اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا' اللہ کی تلوار' اسلام کے پشت پناہ ابو سلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے' لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا- سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر' تلوار' نیزہ' برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں- میدان جنگ میں نہ رہا-

اللہ کی راہ میں خرچ کرو: ☆☆ پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے' حدیث نزول میں بھی ہے' کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے- آپؐ نے فرمایا' ہاں- فرمایا اپنا ہاتھ دیجئے- پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا' حضورؐ میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں' اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ- میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (ابن ابی حاتم) قرض حسنہ سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے- پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا چوگنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ الخ' یعنی اللہ کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے- اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی- ان شاء اللہ تعالیٰ- حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو عثمان نہدیؒ پوچھتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے- آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کیا کرتے ہو' میں نے نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدیؒ فرماتے ہیں' مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا' آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں- میں نے ان سے کہا' اللہ کی قسم سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں' میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی' پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھ لوں- چنانچہ میں وہاں سے چلا- یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں- میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی- میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' واہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے- پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے' اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد و هو على كل شئى قدير پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے مثل الذين الخ' کی آیت جب اتری تو حضورؐ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما۔ پس مَنْ ذَالَّذِیْ الخ' کی آیت اتری۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبارؓ سے ایک شخص نے کہا' میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ قل هو الله الخ کو ایک دفعہ پڑھے' اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بلکہ بیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی۔ پھر فرمایا' رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کر۔ وہ جسے دے' اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے' اس میں بھی مصلحت ہے' تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰؑ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو' انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے' اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے O

بنی اسرائیل پر ایک اور احسان: ☆☆ (آیت: ۲۴۶) جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ سدیؒ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعونؑ ہیں' مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن حلقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابو ہاشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں' واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھر میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے۔ ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی' ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے' خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی' نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی' جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ
قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے' تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی' نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے' بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

خوئے بد را بہانہ بسیار: ☆☆ (آیت: ۲۴۷) مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الٰہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے۔ ایک لشکری تھے' شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں۔ مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے۔ کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے' پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبویؐ کے سامنے ان سے یہ ہوئی' پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں۔ یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے۔ پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور' شکیل وجمیل وشجاع اور بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم' شکیل' قوی' طاقتور' بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ

تعالیٰ ہی ہے۔ ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ وہ علم وحکمت والا' رافت ورحمت والا ہے' اس سے کس کی مجال ہے کہ سوال کرے؟ جو چاہے کرے۔ سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے' وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے' وہ علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے' یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت: ☆☆ (آیت:۲۴۸) نبی علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت بابرکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار وعزت ودلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توریت کی تختیاں رکھی تھیں' کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی۔ ہوا بھی تھی۔ دو سر تھے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی' وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی۔ اللہ کی طرف سے۔ جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی' وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں' اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا' اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبیؑ کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا' تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی' انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی۔ ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں۔ دو

نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں' اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے' لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پی لیا' حضرت طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے' آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا' بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

نہر الشریعہ: ☆☆ (آیت:۲۴۹) اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعہ تھا' طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پیئے۔ اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے' پیاس کی شدت تھی۔ نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا۔ ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس بجھانے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' اسی ہزار میں سے چھتر ہزار نے پانی پی لیا۔ صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے۔ صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی۔ وعظ کہے۔ فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے' بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی

بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے۔ تم صبر کرو۔ طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو۔ اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو مملکت وحکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل وکرم کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں' بالیقین تو رسولوں میں سے ہے ○

جالوت مارا گیا: ☆☆ (آیت:۲۵۰-۲۵۲) یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر وثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے' اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر جالوت کو قتل کر و گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا چنانچہ حضرت داؤدؑ نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے' اپنے اس نبی کو سکھائے۔
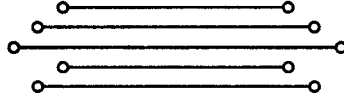
پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے' توڑ دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی' ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے' میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے۔ تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی' اس حدیث کے راوی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے' حضرت حسنؒ بھی انہی ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے دفع کرتا ہے' وہی سچا حاکم ہے۔ اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے' وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی تمہیں معلوم ہوئیں۔ تم میرے سچے رسول ہو۔ میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی۔ فالحمدللہ

الحمدللہ تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین الہ الحق آمین۔

تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست

۳
پارہ نمبر

یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی اور بعض کے درجے بلند کئے‘ اور ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی‘ اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے‘ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

ذکر مدارج الانبیاء: ☆☆ (آیت:۲۵۳) یہاں وضاحت ہو رہی ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں‘ جیسے اور جگہ فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت داؤدؑ کو ہم نے زبور دی‘ یہاں بھی اسی کا ذکر کر کے فرماتا ہے‘ ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ اور حضرت آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کسی نبی کو آپ نے الگ الگ کس آسمان میں پایا جو ان کے مرتبوں کے کم و بیش ہونے کی دلیل ہے‘ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا‘ قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تو مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث‘ کیا ہمارے نبی محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبویؐ میں آ کر اس کی شکایت کی‘ آپؐ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو‘ قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے‘ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچا لئے گئے۔ پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو‘ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں‘ ممکن ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم نہ ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے۔ اس لئے آپ نے منع فرما دیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے‘ اپنے خیال اور ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جسے جو فضیلت دے تم مان لو تمہارا

کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیلیں اور پھر ایسی حجتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا کہ آپ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے ان کی تائید کی۔ پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضا و قدر کا نمونہ ہیں ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت' کافر ہی ظالم ہیں O اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O

آج کے صدقات قیامت کے دن شریک غم ہوں گے: ☆☆ (آیت:۲۵۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور پھر فرماتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے نہ کسی کا نسب اور دوستی و محبت کچھ کام آ سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہو گا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا' کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور پکے ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں' عطا بن دینار کہتے ہیں' شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔

عظیم تر آیت تعارف الٰہ بزبان الٰہ: ☆☆ (آیت:۲۵۵) یہ آیت آیت الکرسی ہے' جو بڑی عظمت والی آیت ہے' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے آپ جواب دیتے ہیں' اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے' آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں' بار بار کے سوال پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی' حضور ﷺ فرماتے ہیں' ابوالمنذر اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس کی زبان ہو گی

اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں' حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں میرے ہاں ایک کھجور کی بوری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں' ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا' میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا' میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا' میں نے کہا تو انسان ہے یا جن اس نے کہا میں جن ہوں' میں نے کہا' ذرا اپنا ہاتھ تو دے' اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے' میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہی ہے۔ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت طاقت والا میں ہی ہوں' میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا۔ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے' ہم نے کہا' پھر ہم کیوں محروم رہیں۔ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدیؐ میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا' آپؐ نے فرمایا' خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابویعلی) ایک بار مہاجرین کے پاس آپؐ گئے تو ایک شخص نے کہا' حضور قرآن کی آیت کون سی بہت بڑی ہے' آپؐ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی)

آپ نے ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک سے پوچھا' کیا تم نے نکاح کر لیا' اس نے کہا' حضرت میرے پاس مال نہیں' اس لئے نکاح نہیں کیا' آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ یاد نہیں اس نے کہا وہ تو یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا' کہا قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ یاد نہیں کہا ہاں وہ بھی یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' پھر پوچھا کیا اِذَا زُلْزِلَتِ بھی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' کیا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ بھی یاد ہے کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی یہ' کیا آیت الکرسی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا (مسند احمد) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں آ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا نہیں فرمایا اٹھو۔ نماز ادا کر لو۔ میں نے نماز پڑھی۔ پھر آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا۔ ابوذر شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ' میں نے کہا حضور کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں میں نے کہا حضورؐ کی نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا وہ سراسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ' میں نے کہا حضور روزہ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ کے نزدیک زیادتی ہے' میں نے کہا صدقہ۔ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا' میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کون سا ہے۔ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا حضرت آدم علیہ السلام میں نے کہا وہ نبی تھے فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے' میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بڑی بہت جماعت' ایک روایت میں تین سو پندرہ کا لفظ ہے' میں نے پوچھا۔ حضور آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے۔ فرمایا آیت الکرسی اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم الخ (مسند احمد)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی آپ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ اجیبی رسول اللہ جب وہ آیا میں نے یہی کہا پھر اسے چھوڑ دیا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آ ؤں گا۔ آپ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا' میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا' میں نے حضور سے ذکر کیا اور آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا' آخری مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا' اس نے کہا چھوڑ دے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے' میں نے کہا اچھا بتاؤ۔ کہا وہ آیت الکرسی ہے میں نے آ کر

حضور سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے (مسند احمد)

صحیح بخاری شریف میں کتاب فضائل القرآن اور کتاب الوکالہ اور صفتہ ابلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا' تیسری مرتبہ اس نے بتایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ کی طرف سے تجھ پر حافظ مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور مٹھی بھر وہ لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازے کھولے' کہنا سبحان من سخرك محمد شیطان نے یہ عذر بتایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا' حضرت ابیؓ بن کعب کا' حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا اور حضرت ابو ہریرہؓ کا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں' ایک انسان کی ایک جن سے ملاقات ہوئی' جن نے کہا' مجھ سے کشتی کرے گا' اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے' کشتی ہوئی اور اس آدمی نے جن کو گرا دیا' اس شخص نے جن سے کہا' تو تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے کہا میں تو ان سب میں سے قوی ہوں' پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس شخص نے گرا دیا تو جن نے کہا جو آیت میں نے سکھانے کے لئے کہا تھا' وہ آیت الکرسی ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جس شخص سے کشتی ہوئی تھی وہ شخص حضرت عمرؓ تھے (کتاب الغریب) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے' وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے وہ آیت آیت الکرسی ہے (مستدرک حاکم)۔ ترمذی میں ہے' ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے (ابن مردویہ)۔ حضورؐ فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے' وہ قبول فرماتا ہے' وہ تین سورتوں میں ہے' سورہ بقرہ' سورہ آل عمران اور سورہ طٰہٰ (ابن مردویہ) ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں' سورہ بقرہ کی آیت آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہٰ کی آیت وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ہے اور حدیث میں ہے' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے' اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے (ابن مردویہ) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب عمل الیوم و اللیلہ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابوالفرج بن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقوں کا عمل دوں گا جس عمل کی پابندی صرف انبیاء اور صدیقین سے ہی ہوتی ہے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا طے کر لیا ہو' لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے' جو شخص سورۂ حم المومن کو الیہ المصیر تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا' وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں اور دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مدنظر ہے' ہم نے انہیں وارد نہیں کیا۔

اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں' پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ کل مخلوق کا وہی ایک اللہ ہے' دوسرے جملے میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے قیوم کی دوسری قرات قیام بھی ہے۔ پس تمام موجودات اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے' کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں' جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر' ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر' دل کے ہر خطرے سے وہ واقف' مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے کبھی باہر نہیں' یہی پوری ''قیومیت'' ہے۔ اونگھ' غفلت' نیند اور بے خبری سے اس کی ذات مکمل پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو چار باتیں بتائیں فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے' وہ ترازو کا حافظ ہے' جس کے لئے چاہے جھکا دے' جس کے لئے چاہے نہ جھکائے۔ دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف لے جائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں' اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچے۔

عبدالرزاق میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں' انہوں نے یہی کیا۔ تین راتوں تک سونے نہ دیا' اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں' آپ نے انہیں تھام لیا لیکن جاگے ہوئے تھے نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی' آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک آخر ایک مرتبہ ایسا جھکولا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں گویا انہیں بتایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سوئے تو زمین وآسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے۔ لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ جل شانہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ ذوالجلال والاکرام جاگتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بوتلیں پکڑوائی گئیں اور وہ بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضورؐ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ یعنی زمین وآسمان کی کل چیزیں رحمٰن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں' ان سب کو رب العالمین نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے' ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہوگی' کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے' جیسے ارشاد ہے وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی سے ہو۔ اور جگہ ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے

مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو- پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے' حدیث شفاعت میں بھی ہے کہ میں اللہ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے' پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' شفاعت کرو' منظور کی جائے گی' آپ فرماتے ہیں' پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا- وہ اللہ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسے اور جگہ فرشتوں کا قول ہے کہ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الخ' ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے- ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے-

کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم منقول ہے' دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے' ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں' خود ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے' حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں' ابو مالکؒ فرماتے ہیں' کرسی عرش کے نیچے ہے' سدیؒ کہتے ہیں' آسمان و زمین کرسی کے جوف میں اور کرسی عرش کے سامنے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تو بھی کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں- ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں اور حدیث میں ہے کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں' ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے' ایک عورت نے آ کر حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے' آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے' وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچرا رہی ہے- گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے' کسی میں ارسال ہے' کوئی موقوف ہے- کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے' کسی میں حذف ہے اور ان میں سب سے زیادہ غریب حضرت جبیرؓ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے- اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے' ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم- مسلمانوں کے ہیئت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں اور جس پر نواں آسمان ہے' اور جسے فلک اثیر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے- حسن بصریؒ فرماتے ہیں' کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے' اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار احادیث میں وارد ہوا ہے- علامہ ابن جریرؒ تو اس بارے میں حضرت عمرؓ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم-

پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے- وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار' تمام چیزوں پر نگہبان' کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں' تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر' متواضع' ذلیل' پست محتاج اور فقیر' وہ غنی' وہ حمید' وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا' کوئی اس پر حاکم نہیں- باز پرس کرنے والا نہیں' ہر چیز پر وہ غالب' ہر چیز کا حافظ اور مالک' وہ علو' بلندی اور رفعت والا' وہ عظمت' بڑائی اور کبریائی والا' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا' پالنے پوسنے والا' وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے' اسی لئے فرمایا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ بلندی اور عظمت والا وہی ہے- یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات و

صفات باری میں وارد ہوئی ہیں' ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں' ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں' ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے' اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا' جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○

جبر اور دعوت اسلام: ☆☆ (آیت ۲۵۶) یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو' اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی' اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں۔ پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا' جس کا سینہ کھلا ہوا' دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی' وہ تو خود بخود اس کا والا و شیدا ہو جائے گا' ہاں اندھے دل والے' بہرے کانوں والے' پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے۔ پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے' یہودیوں کے سپرد کر دیں گے' اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین کے انصار بنے' یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسل علیہا السلام نے یہ حکم فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے' اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے' ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینؓ نامی تھا جس کے دولڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا۔ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں۔ ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں' اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے' جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے۔ ان کے باپ نے حضورؐ سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بناؤں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کا غلام اسبق نصرانی تھا۔ آپؓ اس پر اسلام پیش کرتے' وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی۔ اسلام جبر سے روکتا ہے' علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ و تبدیل توراۃ وانجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے تھے اور اب وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں' بعض اور کہتے ہیں آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا۔ تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے' اگر کوئی انکار کرے تو بے شک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ الخ عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے۔ یا تو تم اس

سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے- اور جگہ ہے' اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر' اور جگہ ہے' ایماندار و اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو' تم میں وہ گھر جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے- صحیح حدیث میں ہے' تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں' یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں' پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں-

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضورؐ نے کہا' مسلمان ہو جا- اس نے کہا' حضرت میرا دل نہیں مانتا' آپؐ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو- یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپؐ نے اسے مجبور کیا- مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ تو پڑھ لے' پھر ایک دن وہ بھی آئے گا اللہ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے- حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو' جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے' وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جِبْتُ سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے' دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں- ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا- انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے- انسان کا سچا حسن نسب و خلق ہے- گو وہ فارسی ہو یا نبطی- حضرت عمرؓ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی' بت کی پوجا کرنا' ان کی طرف حاجتیں لے جانا' ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنا وغیرہ-

پھر فرمایا' اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا' یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھوٹے' خوب مضبوط' مستحکم' قوی اور گڑا ہوا' عروۂ وثقیٰ سے مراد ایمان' اسلام' توحید باری' قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے- یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک- اور جگہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک خود وہ اپنی حالت نہ بگاڑ لے- مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے' حضرت قیس بن عبادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں مسجد نبویؐ میں تھا تو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا' نماز کی دو ہلکی رکعتیں اس نے ادا کیں' لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے' یہ جنتی ہے- جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا' باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا تو آپ نے کہا' سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو' ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضورؐ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں' اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے' مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ- میں نے کہا' میں تو نہیں چڑھ سکتا- چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں با آسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا- دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا' بس اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا' میں نے حضورؐ سے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون' ستون دین ہے اور کڑا عروۂ وثقیٰ ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا- یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ- یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے-

مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے- خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک

شخص آیا مجھے لے کر چلا - جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے تو میں نے بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر آیا - اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا - وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا - مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا - اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے' میں نے کہا ہاں اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا' جب یہ خواب حضور کو میں نے سنایا تو آپ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے' میدان میدان حشر ہے' بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں' دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کی راہ ہے' پھسلنا پہاڑ شہداء کی منزل ہے' کڑا اسلام کا کڑا ہے' مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو' اس کے بعد حضرت عبداللہ نے فرمایا' امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا -

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے' وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں' وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں' یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

اندھیرے سے اجالے تک: ☆☆ (آیت: ۲۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلب گار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور کفر و شک کے اندھیروں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے' کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت و ضلالت کو' کفر و شرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نور حق سے ہٹا کر ناحق کے اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں' یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے -

لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں' کافروں کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا الخ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اسی کی تابعداری کرو - اور راستوں پر نہ چلو ورنہ اس راہ سے بھٹک جاؤ گے - یہ وصیت تمہیں تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی - اور جگہ ہے وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق و انتشار ہے' حضرت ایوب بن خالد فرماتے ہیں' اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے' جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن' صاف اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیروں والا ہوگا - پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی -

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ

الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا' میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں' ابراہیمؑ نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے' تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ' اب تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا سامنا: ☆☆ (آیت:۲۵۸) اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا۔ اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے' حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' دنیا کی مشرق مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر' حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر' فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی تم نے اسے نہیں دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا۔ یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ جیسے اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا' چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا۔ اس لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی۔ سرکشی اور تکبر' نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا' بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا' پھر ہونا' پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے' موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے' نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے۔ ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور بے معنی ہے۔ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت' حیات پر اسے قدرت' لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علمیت جتانے کے لئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی۔

ابراہیم علیہ السلام بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے' چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہئے' میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے' اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی' راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بدوضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھاتا اور وہ حق کے مقابلے میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب وغصہ اور ناراضگی ہوتی ہے اور اس کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔

بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہؑ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری دلیل کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا اصل دلیل پیدائش وموت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو' اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت وحیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں' اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں' پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے' اس کی فرمانبرداری اور اطاعت

گزاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کی بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا۔ فالحمدللہ۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی۔ لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے' گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے' آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ اٹھیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پر ہیں' کھانا پکا کر تیار کیا' آپ کی بھی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ پوچھا اناج کہاں سے آیا کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا' آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔ اس ناہنجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا' اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی' دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا' تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا' اچھا تو اپنا لشکر تیار کر' میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں' نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آ ڈٹا' ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا' بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا' اللہ کی یہ فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے' ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا' انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا' ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی' اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا' ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا' یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اعاذنا اللہ

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا مانند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا' اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا' سو سال کے بعد اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا' ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ

بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا بٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

سو سال بعد: ☆☆ (آیت:۲۵۹) اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ کا گزرا' اس پر اس کا عطف ہے' یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیر علیہ السلام تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن خلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے یا خرقیل بن بوار تھے یا بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے۔ بخت نصر نے جب اسے اجاڑا' یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا' مکانات گرا دیئے اور اس آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا' اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے' انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی ہے' نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے' یہ پھر کیسے آباد ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی۔ یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہو گئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تا کہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں' جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا۔ خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا' باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے' نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے' یہ توشہ انگور اور انجیر اور عصیر تھا نہ تو یہ شیرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے' اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑی ہیں' انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں' ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے' چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کے ساتھ جڑیں۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات نُنْشِزُهَا "ز" کے ساتھ ہے اور اسے نُنْشِرُهَا "ر" کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے' مجاہد کی قرات یہی ہے' سدی وغیرہ کہتے ہیں یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی' ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہو گئیں۔ پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہو گیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رگیں' پٹھے اور کھال پہنا دی' پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری' بس اللہ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گیا اور آواز نکالنے لگا' ان تمام باتوں کو حضرت عزیرؑ دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کاریگری ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی' جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تو میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں۔ بعض لوگوں نے اَعْلَمُ کو اِعْلَمْ بھی پڑھا ہے' یعنی اللہ مقتدر نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِىْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ

الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے جناب باری نے فرمایا' کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے؟ لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندلو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو' پھر انہیں پکارو' تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے ○

معمہ حیات وموت: ☆☆ (آیت:۲۶۰) حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں' ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے' جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم کے زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ الخ' تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا' اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلاق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ مترجم) اب رب العالمین' خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لو' مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیم نے لئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا' کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔

اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا جب مل گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپ نے چار پرند لئے' ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کیے۔ پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے پھر بحکم الہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے۔ اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزا بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا' آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا' خود اس کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا' یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے' کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اس کے قبضے میں ہے' وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے۔ اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جناب باری کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں' یہ آیت مجھے تو اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے' مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں' حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کون سی ہے؟ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا الخ' والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ اے میرے گنہگار بندو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں' ابن

عباسؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم کا یہ قول' پھر رب دو عالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں' اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

سو گنا زیادہ ثواب: ☆☆ (آیت: ۲۶۱) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے' اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جاتی ہیں' تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی فرماں برداری میں جہاد کے گھوڑوں کو پالنے میں' ہتھیار خریدنے میں' حج کرنے کرانے میں خراج کراتے ہیں۔ اللہ کے نام دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھب جائے اور دل میں گھر کر جائے' ایک دم یوں فرما دینا کہ اس کے بدلے سات سو ملیں گے' اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اللہ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبیٰ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز فی سبیل اللہ دیتا ہے' اسے سات سو کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے' اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے' روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے' جس شخص پر کوئی جسمانی بلا' مصیبت دکھ درد' بیماری آئے' وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے' یہ حدیث حضرت ابو عبیدہؓ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جبکہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے' آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں۔ ان سے پوچھا کہ رات کیسی گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے' آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا' یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک مگر روزہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر و ثواب دوں گا' روزے دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت' دوسری قیامت کے دن' روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے' دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے' آخر میں ہے' روزہ ڈھال ہے' روزہ ڈھال ہے۔

مسند کی اور حدیث میں ہے' نماز روزہ اللہ کا ذکر ہیں اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنے بڑھ جاتے ہیں' ابن ابی حاتم کی حدیث

میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے' ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ صلوۃ اللہ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ والی آیت اتری اور آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اتری' پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو' اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے' وہ جانتا ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں' فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝۲۶۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں' نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے ○ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو' اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ○ ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر' اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو۔ پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے' ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی' اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا ○

مخیر حضرات کی تعریف اور ہدایات: ☆☆ (آیت: ۲۶۲-۲۶۴) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے نہ ہی اپنی زبان یا اپنے کسی فعل سے اس شخص کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں' ان سے ایسے جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب رب دو عالم کے ذمہ ہے۔ ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطر نہ ہوگا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہوگا' اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکالنا' کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا' درگزر کرنا' خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت

بہتر ہے۔ جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں کیا تم فرمان باری قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ الخ نہیں سنا' اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' وہ حلیم اور بردبار ہے۔ گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے' تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں' ایک تو دے کر احسان جتانے والا' دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہمد لٹکانے والا' تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا' ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان' خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا' شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔

نسائی میں ہے' تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں' ماں باپ کا نافرمان' شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا' نسائی کی اور حدیث میں ہے یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے' اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات وخیرات کو منت و احسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف وہی کے صدقے کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے۔ اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو' لوگوں میں تعریف و ستائش کی چاہت ہو' اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثواب پر نظر ہو' اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی بھی پڑی ہوئی ہو' پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی' اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے' جس طرح بہ ظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی' اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا' اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا' اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں' اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برسے تو شبنم ہی کافی ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ○

سدابہار عمل: ☆☆ (آیت: ۲۶۵) یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے' جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے' رُبْوَۃ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہیں اس لفظ کو بِرُبْوَۃٍ اور بِرِبْوَۃٍ بھی پڑھا گیا ہے۔ وَابِلٌ کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دوگنا پھل

لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہوتا ہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے' اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بھی بے اجر نہیں رہتے۔ وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں' ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندے کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۤءُ ۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع ۳۶

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں' اس شخص کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں' اور اچانک باغ میں آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو○

کفر اور بڑھاپا: ☆☆ (آیت:۲۶۶) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صحابہ سے پوچھا' جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے' آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں۔ اس کا صاف جواب دو' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امیر المومنین میرے دل میں ایک بات ہے' آپ نے فرمایا' بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو' فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے۔ پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے۔ پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے۔ اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء میں اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی' یہ خالی ہاتھ رہ گیا' جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا' پھل اتارتا رہا لیکن جبکہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا' چھوٹے بچے بھی ہیں' آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا' اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے' اتفاقاً آندھی چلی' اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہرا بھرا لہلہاتا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا۔

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں۔ پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا' کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو' اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا۔ اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی' مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَیَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِضَاءِ عُمُرِیْ اے اللہ اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں' تم بھی غور وفکر' تدبر و تفکر کرو' سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو۔ جیسے فرمایا وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرما دیا۔ انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو اور ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے ○ شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے ○ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا' نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں ○

خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد: ☆☆ (آیت: ۲۶۷-۲۶۹) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا ہے' سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تمہیں زمین سے نکال کر دیئے ہیں' اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دو۔ ردی' واہیات' سڑی گلی' گری پڑی' بے کار' فضول اور خراب چیزیں راہ اللہ نہ دو' اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تمہیں دی جاتی تو نہ قبول کرتے۔ پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے لیکن اللہ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا' یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں' تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں' دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی' ہاں دین صرف دوستوں کو ہی عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے' وہ اللہ کا محبوب ہے' اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے' کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں' لوگوں کے سوال پر آپ نے فرمایا' ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم وستم ہے' جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے' اس میں اللہ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے' وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے' اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے' خباثت سے خباثت نہیں مٹتی' پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں' دوسرے حرام مال۔ اس آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں' کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق

کھجوروں کے خوشے لاکر ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجور کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے ہاں اگر شرم لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی (خراب) پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مراد یہ ہے کہ بیکار چیز صدقہ میں نہ دو مسند میں حدیث ہے کہ حضورؐ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ نے فرمایا جو تمہیں پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتیں اسے کسی اور کو کیا دو گی؟ حضرت براءؓ فرماتے ہیں جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ کے بھی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں۔ وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غرباء بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں گے جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ الخ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقوے کی آزمائش کرتا ہے وہ کشادہ فضل والا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا۔ وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں وہ حمید ہے تمام اقوال و افعال تقدیر و شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔

حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو وہ اعوذ پڑھے پھر حضورؐ نے آیت اَلشَّیۡطٰنُ الخ کی تلاوت فرمائی (ترمذی) یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح ہم فقیر ہو جائیں گے اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے گناہوں پر نافرمانیوں پر حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور وہ جو تمہیں فقیری سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تمہیں اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہوگا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے؟

حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث شریف کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ' محکم' متشابہ' مقدم' موخر' حلال' حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے' پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہے عنایت فرماتا ہے کہ وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کے صحیح مطلب ادا ہو' سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو' اللہ کا ڈر اس کے دل میں ہو' چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حکمت کا راز اللہ کا ڈر ہے' ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں- ہر امر دنیوی کو عقلمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں' پس یہ ہے وہ حکمت جسے اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا' سدیؒ کہتے ہیں' یہاں حکمت سے مراد نبوۃ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں پر شامل ہے اور نبوۃ بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں- ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی طرف سے محرومی نہیں' سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں' بعض احادیث میں ہے جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا' اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی- وہ صاحب وحی نہیں لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے- منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے-

مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اس کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی - وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے' سمجھ رکھتا ہو- بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظریں رکھے-

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ اسے بخوبی جانتا ہے' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دے گا' اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ○

نیک اور بد لوگ' ظاہر اور در پردہ حقیقت : ☆☆ (آیت: ۲۷۱) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک چیز اور نذر کو' ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں' اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں' اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں' اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں' بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں' گناہ کے کام کرتے ہیں' اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں' اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور المناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد میں اٹھے- پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء و مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی

فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا' عادل بادشاہ' وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے' وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں' اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں' وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے' نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک' وہ شخص جو خلوت میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے' وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا' فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت چیز بھی کوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔[1] آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے' جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے۔ باوجود مال کی قلت کے پھر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے' پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے پوشیدگی کا صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں' یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں اتری ہے' حضرت عمرؓ تو اپنا آدھوں آدھ مال حضورؐ کے پاس لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروقؓ نے جواب دیا اتنا ہی' صدیق کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضورؐ کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کافی ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے' اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں' اس میں اے صدیق آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفلی' زکوٰۃ ہو یا خیرات' اسکی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنی فضیلت رکھتا ہے لیکن فرضی زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنی فضیلت رکھتا ہے' پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جبکہ وہ چھپا کر دیا جائے' تمہیں بہت سی بھلائی ملے گی' درجات بڑھیں گے' گناہوں کا کفارہ ہوگا یُكَفِّرُ کو یُكَفِّرَ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس میں صورتاً یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو فنعماھی ہے' جیسے فَاَصَّدَّقَ وَاَكُوْنَ میں وَاَكُنْ اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی' بدی' سخاوت' بخیلی' پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں۔ وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

انہیں ہدایت پر لاکھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے' تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے' تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہئے۔ تم جو کچھ مال خرچ کرو گے' اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا ○ صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو راہ اللہ میں روک دیئے گئے ہیں۔ جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں' تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لے گا' وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے' تم جو کچھ مال خرچ کرو' اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے ○ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں' ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی ○

مستحق صدقات کون ہیں: ☆☆ (آیت:۲-۲۷۲-۲۷۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے۔ پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی' فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے۔ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمادیا' ہر سائل کو دو' گو وہ کسی مذہب کا ہو۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت اسماءؓ والی روایت آیت لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ۔ یہاں فرمایا' تم جو نیکی کرو گے' اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ اور اس جیسی اور آیتیں بھی بہت ہیں' حسن بصریؒ فرماتے ہیں' ایماندار کا ہر خرچ اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پئے' عطا خراسانیؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کے لئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو' یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے' حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے' مستحق یا غیر مستحق کے' اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جبکہ اس نے دیکھ بھال کر لی۔ پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا۔ اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا' لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا گیا۔ صبح لوگوں میں باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا۔ اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر اپنے جی میں کہا' آج رات اور صدقہ دوں گا' لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چل آیا' صبح سنتا ہے کہ

لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج شب ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا' اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا۔ دے آیا' دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی' مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دینے پر بھی' خواب دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے' تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے' شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔

پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر' ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر' کنبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کے لئے پیغمبر کی خدمت میں آ گئے ہیں' جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور وہ نہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے اِنۡ ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اور یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ میں ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں' وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے مسکین وہی نہیں جو در بدر جاتے ہیں۔ کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمے مل گئے۔ کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں' تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی۔

جیسے اور جگہ ہے سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ان کے لب ولہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے' سنن کی ایک حدیث میں ہے' مومن کی دانائی سے بچو' وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' سنو قرآن کا فرمان ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں' یہ لوگ کسی پر بوجھل نہیں ہیں' کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں' جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے' وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتا مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے' قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں' تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں' میں جب گیا تو حضورؐ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچا لے گا' جو شخص بے پرواہی برتے گا' اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دے گا۔ جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا' وہ چمٹنے والا سوالی ہے' میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے' ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے' وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر واپس چلا آیا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعیدؓ کا ہے۔ اس میں ہے کہ آپؐ نے مجھ کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا' اللہ اسے کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا' وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے' ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ چالیس درہم کے تقریباً دس روپے ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم نہ ہو گا۔ اس کا منہ نچا ہوا ہو گا' لوگوں نے کہا۔ حضرت کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا' یہ حدیث ضعیف

ہے' شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر ضرورت مند ہیں تو تین سوگنیاں انہیں بھجوائیں۔ آپ خفا ہو کر فرمانے لگیا س اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا؟ جو میرے پاس یہ بھیجیں۔ میں نے تو نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں' چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں' ایک روایت میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے۔

پھر فرمایا' تمہارے تمام صدقات کا اللہ کو علم ہے اور جبکہ تم پورے محتاج ہو گئے' اللہ پاک اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے' بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جبکہ آپؐ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی عیادت کو گئے تو فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حجتہ الوداع والے سال فرمایا' تو جو کچھ اللہ کی خوشی کے لئے خرچ کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے' اس کے بدلے بھی' مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے' وہ بھی صدقہ ہے' حضورؐ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں' ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیرؒ فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا۔ ایک دن کو' ایک پوشیدہ' ایک ظاہر تو یہ آیت اتری' یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے یہی مروی ہے' اطاعت الٰہی میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا' اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے لیں گے' یہ لوگ نڈر اور بے غم ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے۔ یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام' جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا' اس کے لئے وہ ہے جو گزرا' اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا' وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○

تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کج بحث لوگ: ☆☆ (آیت: ۲۷۵) چونکہ پہلے ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو نیک کام کرنے والے' صدقہ خیرات کرنے والے' زکوٰۃ دینے والے' حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے والے غرض ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو کسی کو دینا تو ایک طرف رہا' دوسروں سے چھیننے' ظلم کرنے اور ناحق اپنے پرایوں کا مال

ہضم کرنے والے ہیں- تو فرمایا کہ یہ سود خور لوگ اپنی قبروں سے ان کے بارہ میں دیوانوں اور پاگلوں' خبطیوں اور بے ہوشوں کی طرح انھیں گے' پاگل ہوں گے' کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے' ایک قرات میں ''مِنَ الْمَسِّ'' کے بعد ''یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' کا لفظ بھی ہے' ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ہتھیار تھام لو اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ-

شب معراج میں حضورؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں کی مانند تھے- پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا سود اور بیاج لینے والے ہیں- اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ڈستے رہتے تھے- اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا' اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے- وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار دیتا ہے- وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے' پوچھا تو معلوم ہوا یہ سود خواروں کا گروہ ہے- ان پر یہ وبال اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے تجارت بھی تو سود ہی ہے' ان کا یہ اعتراض شریعت اور احکام الٰہی پر تھا- وہ سود کو تجارت کی طرح حلال جانتے تھے' جبکہ بیع پر سود کا قیاس کرنا ہی غلط ہے- حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین تو تجارت کے شرعاً جائز ہونے کے بھی قائل نہیں ورنہ یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے- ان کا کہنا یہ تھا کہ تجارت اور سود دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام؟

پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ حلت و حرمت اللہ کے حکم کی بناء پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو بھی انتہائی اچھے انداز سے جواباً کہا گیا' اس میں مصلحت الٰہیہ کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اور دوسرے کو حلال پھر اعتراض کیسا؟ علیم و حکیم اللہ کے حکموں پر اعتراض کرنے والے تم کون؟ کس کی ہستی ہے اس سے باز پرس کرنے کی؟ تمام کاموں کی حقیقت کو جاننے والا تو وہی ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کا حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے' تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والی چیزیں حرام کرتا ہے- کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہو گی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے- وہ روکتا ہے تو بھی مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو بھی مصلحت سے' اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے' اس کے پہلے کئے ہوئے تمام گناہ معاف ہیں' جیسے فرمایا عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ اور جیسے حضورؐ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا' جاہلیت کے تمام سود آج میرے ان دونوں قدموں تلے دفن کر دیئے گئے ہیں' چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دستبردار ہوتا ہوں' وہ عباسؓ کا سود ہے' پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے' ان کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا' ایک روایت میں ہے کہ ام بعنہ حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد تھیں' حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زیدؓ کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں- اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے- میں نے چھ سو کا خرید لیا- حضرت صدیقہؓ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا' بہت برا کیا' جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہو گا جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کیا ہے' میں نے کہا اگر وہ دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں' چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تا کہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے' آپؓ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں' پھر آپ نے فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ والی آیت پڑھ کر سنائی (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی مشہور ہے اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو عینہ کے مسئلے کو حرام بتاتے ہیں اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں ہے اور احادیث بھی ہیں' والحمد للہ-

پھر فرمایا کہ حرمت کا مسئلہ کانوں میں پڑنے کے بعد بھی سود لے تو وہ سزا کا مستحق ہے- ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے' جب یہ آیت اتری

تو آپ نے فرمایا' جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے' وہ اللہ کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے (ابوداؤد) ''مخابرہ'' اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور اس سے یہ طے ہو کہ زمین کے اس محدود ٹکڑے سے جتنا اناج نکلے' وہ میرا' باقی تیرا' اور ''مزابنہ'' اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں' وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور ''محاقلہ'' اسے کہتے ہیں کہ کھیت میں جو اناج خوشوں میں ہے' اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا' ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جڑیں کٹ جائیں' اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر کیفیت تبادلہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی۔ بعض نے کچھ' ایک جماعت نے اسی قیاس پر ایسے تمام کاروبار کو منع کیا' دوسری جماعت نے برعکس کہا لیکن دوسری علت کی بناء پر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' افسوس کہ تین مسئلے پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے دادا کی میراث کا' کلالہ اور سود کی صورتوں کا یعنی کاروبار کی ایسی صورتیں جن پر سود کا شبہ ہوتا ہے اور وہ ذرائع جو سود کی مماثلت تک لے جاتے ہوں۔ جب یہ حرام ہیں تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے' اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے بھی ہیں' ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا' وہ حرام میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس چرواہے کی طرح جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے' سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے' اسے چھوڑ دو اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہے' دوسری حدیث میں ہے' گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے' طبیعت میں تردد ہو اور اس کے بارے میں لوگوں کا واقف ہونا اسے برا لگتا ہو' ایک اور روایت میں ہے اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لوگ چاہے کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمرؓ یہ فرما کر کہتے ہیں افسوس کہ اس کی پوری تفسیر بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضورؐ کا انتقال ہو گیا۔ لوگو سود کو بھی چھوڑو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو (مسند احمد)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا' شاید میں تمہیں بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے میں تمہیں کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں' سنو قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری۔ حضورؐ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا۔ پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے' سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے (مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے' صحابہؓ نے پوچھا' کیا سب کے سب؟ فرمایا جو نہ کھائے گا' اسے بھی غبار تو پہنچے گا ہی (مسند احمد)

پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں' حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرتؐ نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی اور سودی کاروبار اور سودی تجارت کو حرام قرار دیا' بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس طرح کی تمام خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل (ذرائع) ہیں جو اس تک پہنچانے والے ہیں۔ سب حضورؐ نے حرام کئے ہیں' صحیح حدیث ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت اس لئے کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے حلال بنانے کی کوشش کی چنانچہ یہ کوشش کرنا بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے' اسی طرح پہلے وہ

حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقوں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ پہلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے' آیت حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غیرہ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے' حدیث شریف میں ہے سود کھانے والے پر' کھلانے والے پر' شہادت دینے والوں پر' گواہ بننے والوں پر' لکھنے والے پر' سب پر اللہ کی لعنت ہے' ظاہر ہے کاتب و شاہد کو کیا ضرورت پڑی ہے جو وہ خواہ مخواہ اللہ کی لعنت اپنے اوپر لے' اسی طرح بظاہر عقد شرعی کی صورت کا اظہار اور نیت میں فساد رکھنے والوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں' حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ''ابطال التحلیل'' لکھی ہے جو اس موضوع میں بہترین کتاب ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے' اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں' نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ اداسی اور غم۔

سود کا کاروبار برکت سے محروم ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۷۶-۲۷۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا سودی کاروبار سے خیر و برکت ہٹا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب' جیسے ہے قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ الخ' یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تمہیں ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے۔ ارشاد فرمایا وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ خباثت والی چیزوں کو تہہ و بالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا۔ اور جگہ ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا الخ یعنی سود دے کر جو مال تم بڑھانا چاہتے ہو' وہ دراصل بڑھتا نہیں' اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ سود سے اگر مال میں اضافہ ہو بھی جائے لیکن انجام کار کمی ہوتی ہے (مسند احمد)

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھا' پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے' آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے' لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی جمع کر لیا تھا' پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمانؓ کے مولی ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے' آپؓ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا' جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب چاہیں بیچیں' ہمیں اختیار ہے' آپ نے فرمایا' سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے' اسے اللہ مفلس کر دے گا' یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے۔ میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں' میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی (کوڑھ) بنا پھرتا تھا' ابن ماجہ میں ہے جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ

بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔

پھر فرماتا ہے وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے "یُربِی" کی دوسری قرات "یُرَبِّی" بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے (جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو) اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سواوہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا ایک اور روایت میں ہے کہ ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا' ناپسندیدہ کافروں' نافرمان' زبان زور اور نافرمان فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ کی طرف سے صدقہ خیرات کے سبب مال میں اضافہ کے وعدہ کی پرواہ کئے بغیر دنیا کا مال جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں' لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقوں سے کھا جائیں' یہ اللہ کے دشمن ہیں' ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار ممکن نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں' مخلوق کے ساتھ سلوک واحسان کریں' نمازیں قائم کریں' زکوٰۃ دیتے رہیں' یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے' کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام واکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے' چھوڑ دو' اگر تم سچ مچ ایماندار ہو۔ اور اگر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ' ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہئے اور معاف کر دینا ہی بہت بہتر ہے اگر تم میں علم ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○

سود خور قابل گردن زدنی ہیں اور قرض کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۷۸-۲۸۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایماندار بندوں کو تقوے کا حکم دے رہا ہے اور ایسے کاموں سے روک رہا ہے جن سے وہ ناراض ہو اور لوگ اس کی قربت سے محروم ہو جائیں' تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تمہارا سود جن مسلمانوں پر باقی ہے' خبردار ان سے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا' یہ

آیت قبیلہ ثقیف بنی عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا سودی کاروبار تھا۔ اسلام کے بعد بنو عمرو نے مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے۔ آخر جھگڑا بڑھا۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ جو مکہ شریف کے نائب تھے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابل وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔

اس آیت میں ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں زبردست وعید ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا لے اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔ آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خور لوگ جو اسے نہ چھوڑیں ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے حسن اور ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہما کا فرمان بھی یہی ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دیکھو اللہ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی۔ انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزوں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو وہ روایت بھی یاد ہوگی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا حضرت زید بن ارقمؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خواری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کر لو تو اصل مال جو کسی پر فرض ہے بے شک لے لو نہ تم تول میں زیادہ لے کر اس پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے نبی ﷺ نے حجتہ الوداع کے خطبے میں فرمایا جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔ اصل رقم لے لو سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا تمام سود میں ختم کرتا ہوں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت کے بعد ادا کر دے۔ یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی۔ اب اتنا اتنا سود لیں گے بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غرباء کو اپنا قرض معاف کر دو طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کی جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت بریدہؓ نے فرمایا حضورؐ پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا۔ آج دو مثل فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب تک معیاد ختم نہیں ہوئی مثل کا ثواب اور معیاد گزرنے کے بعد دو مثل کا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا اس نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں اب حضرت ابو قتادہؓ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ باہر آؤ۔ جواب دو وہ بیچارے باہر نکلے۔ آپ نے کہا۔ کیوں چھپ رہے ہو کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں۔ اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا آپ نے کہا قسم کھاؤ اس نے قسم کھا لی آپ روئے اور فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا (صحیح مسلم)۔

ابو یعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے‘ حضورؐ فرماتے ہیں‘ قیامت کے دن ایک بندہ اللہ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتا میرے لئے تونے کیا نیکی کی ہے۔ وہ کہے گا اے اللہ ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کرسکوں‘ اللہ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دے گا‘ پھر پوچھے گا وہ پھر یہی کہے گا پروردگار ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تونے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا۔ میں تجارت پیشہ شخص تھا۔ لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض نہ ادا کرسکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا عیال داروں پر سختی نہ کرتا‘ زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کردیتا‘ اللہ تعالیٰ فرمائے گا‘ پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں‘ جا میں نے تجھے بخشا۔ جنت میں داخل ہوجا‘ مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرض دار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم دے دو تو آزاد ہوں۔ اس کی مدد کرے‘ اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہوجائے‘ اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے‘ عباد بن ولیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے حدیثیں پڑھیں‘ سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام و آقا کا ایک ہی لباس تھا‘ میرے باپ نے کہا‘ چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ سنو۔ فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا‘ مدت ختم ہوچکی تھی۔ میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں۔ گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں‘ اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آواز سن کر چارپائی تلے جا چھپے ہیں‘ میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہوگیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو‘ وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں‘ آپ سے ملوں گا تو کوئی جھوٹا عذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کرلوں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں‘ آپ سے جھوٹ کیا کہوں؟ میں نے کہا سچ‘ کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں‘ اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں‘ تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور انہوں نے کھائی‘ میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کرلی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے‘ اب اگر تمہیں مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے۔ سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا‘ جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کردے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا‘ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کرکے فرمایا‘ جو شخص کسی نادار پر آسانی کردے یا اسے معاف کردے‘ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچالے گا‘ سنو جنت کے کام مشقت والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں‘ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں‘ وہ انسان جو غصے کا گھونٹ پی لے اس کو اللہ تعالیٰ ایمان سے نوازتا ہے‘ طبرانی میں ہے جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کرکے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے‘ اللہ بھی اس کے گناہوں پر اس کو نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے۔ انہیں دنیا کے زوال‘ مال کے فنا‘ آخرت کا آنا‘ اللہ کی طرف لوٹنا‘ اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزا و سزا کا ملنا یاد دلاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے‘ یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے

آخری آیت یہی ہے' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نو راتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ کا انتقال ہوگیا- اللھم صلی و سلم و علیه- ابن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کے بعد حضورؐ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے' ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضورؐ نو رات زندہ رہے- ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر والے دن انتقال ہوا- الغرض قرآن کریم میں سب سے آخر یہی آیات نازل ہوئی ہے-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ

ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے معیاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو' اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے' کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے' وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں' جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو- اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے

حفظ قرآن اور لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۸۲) یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے' حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت یہی آیت الدین ہے' یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا' ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی' آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا- ایک شخص کو خوب تروتازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ الٰہی ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری نے فرمایا' یہ تمہارے لڑکے داؤدؑ ہیں' پوچھا اللہ ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں- ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو' کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے' حضرت آدمؑ کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی- اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا' حضرت آدمؑ کی موت جب آئی' کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے حضرت داؤدؑ کو دے دیئے ہیں تو حضرت آدمؑ نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم

کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤدؑ کی ایک سو سال کی (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں، قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں، خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو، نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے۔ اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور معیاد خوب یاد رہے۔ گواہ کو بھی غلطی نہ ہو، اس سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ معیاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے[2] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضورﷺ نے فرمایا، ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔

قرآن حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو، اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بے حد آسان اور بالکل سہل کر دیا گیا، قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں، ان کی بابت بے شک لکھ لینے کا حکم ہوا، اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوباً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کا ہے۔ بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں، ابن جریجؒ فرماتے ہیں، جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے، ابوسلیمان مرعشیؒ جنہوں نے حضرت کعبؓ کی صحبت بہت اٹھائی تھی، انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا، اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے۔

پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے' حضرت ابوسعید' شعبی' ربیع بن انس' حسن' ابن جریج' ابن زید وغیرہ رحمہم اللہ عنہم کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے' اسے چاہئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک ہماری شریعت پر سے انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

مسند میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے۔ اس نے کہا گواہ لاؤ۔ جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے' کہا ضمانت لاؤ' جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے' کہا تو نے سچ کہا' ادائیگی کی معیاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے۔ اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب معیاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی۔ اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور وہ اس پر خوش ہو گیا گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا۔ اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی۔ اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے' پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا' جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آنا چاہئے تو وہ بھی دریا کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا' کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں' آؤ اس لکڑی کو لے چلو' پھاڑ کر سکھا لوں گا۔ جلانے کے کام آئے گی' گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں۔ گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں۔ وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے۔ پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے۔ یہ لیجئے آپ کی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی' آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا' اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ' آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ ڈال دی تھی اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے' صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے۔ ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں' وہی لکھے' لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے' جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا' اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں' ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے' حدیث میں ہے' یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو' کسی گرے پڑے کا کام کر دو اور حدیث میں ہے جو علم کو جان کر پھر اسے

چھپائے' قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی' حضرت مجاہدؒ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں' کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے۔ جس کے ذمہ حق ہو' وہ لکھوائے اور اللہ سے ڈرے' نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے۔ اگر یہ شخص بے سمجھ ہے' اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یعنی بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو' وہ لکھوائے۔

پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہئے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے' دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اگر نہ مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی' یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے' دو عورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کی عقل کے نقصان کے سبب ہے' جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اے عورتو! صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی' ایک عورت نے پوچھا' حضورؐ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو' میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو' اس نے پھر پوچھا کہ حضورؐ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے' نہ روزہ۔

گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں' امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے' وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو' ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے' وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دو عورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی ''فَتُذَكِّرَ'' کی دوسری قرات ''فَتُذْكِرَ'' بھی ہے' جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر شہادت مرد کے کر دے گی' انہوں نے مکلف کیا ہے' صحیح بات پہلی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے' یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے' چنانچہ حضرت ابومجلزؒ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کر دیا نہ کرو لیکن جب گواہ ہو چکے' پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے' اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی' اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے (تو یاد رہے مذمت جھوٹی گواہی دینے والیوں کی ہے اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے' حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا' چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب

ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آ جاتی ہے' نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول جائے۔ جیسے اکثر ہوتا ہے اور اس میں شک وشبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا' اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں لہذا کتابت کی شرط تو ہٹا دی گئی۔ اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو' ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو' دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ فان امن الخ فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں' بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے خرید وفروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا' چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا' حضورؐ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے' انہوں نے قیمت لگانی شروع کی۔ یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ کے ہاتھ بیچا تھا' اس سے زیادہ دام لگ گئے۔ اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا' حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں' حضورؐ یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے' اس نے کہا نہیں' اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ حضرت نے فرمایا۔ غلط کہتا ہے میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے' اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے' اس گنوار نے کہا' اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بد بخت آپ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا گیا کہ لاؤ گواہ پیش کرو' اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے' میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپؐ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا' آپ کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی ہے' چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔

پس اس حدیث سے خرید وفروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں' کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی۔ ایک تو وہ کہ جس کے گھر بد اخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے' تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے' امام حاکم اسے شرط بخاری ومسلم پر صحیح بتلاتے ہیں۔ بخاری ومسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پر موقوف بتاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ جو لکھا گیا' وہی لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے اور نہ گواہی کو چھپائے۔ حسنؒ قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہوں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے۔ اپنا حرج کرو اور چلو' یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں' اس کا کرنا' اور جو کام کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے' جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اس کا لحاظ رکھو' اس کی فرمانبرداری کرو' اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

دلیل دے دے گا' اور جگہ ہے' ایمان والو اللہ سے ڈرو' اس کے رسول پر ایمان رکھو وہ تمہیں دوہری رحمتیں دے گا اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا' تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ آگاہ ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں' اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو' ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر امن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ جو اسے چھپا لے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو' اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ○

مسئلہ رہن' تحریر اور گواہی! ☆☆ (آیت: ۸۳) یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو' اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے' لازم نہیں ہوتا' جیسے کہ امام شافعیؒ اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے' امام احمدؒ اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے' ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے' جیسے حضرت مجاہدؒ وغیرہ لیکن صحیح بخاری' صحیح مسلم' شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے' اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے لئے تھے' ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں' بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمُنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ اس سے بعد کے جملے فَاِنْ اَمِنَ سے حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے' شعبیؒ فرماتے ہیں' جب نہ دینے کا خوف ہو تو نہ لکھنے اور نہ گواہ رکھنے کی کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خود یاد رکھنا چاہئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ادا کرنے کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جس نے کچھ لیا۔ ارشاد ہے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کے اظہار کرنے سے رکو۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے' یہاں بھی فرمایا' اس کا چھپانے والا خطا کار دل والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ یعنی ہم اللہ کی شہادت نہیں چھپاتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں۔ اور جگہ فرمایا' ایمان والو! عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گو اس کی برائی خود تمہیں پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے۔ خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اور اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے' تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے' اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ اس کا حساب تم سے لے گا' پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

انسان کے ضمیر سے خطاب: ☆☆ (آیت:۲۸۴) یعنی آسمان وزمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے- چھوٹی بڑی چھپی یا کھلی ہر بات کو وہ جانتا ہے- ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کا وہ حساب لینے والا ہے' جیسے اور جگہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ الخ کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے' اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے- وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے- اور فرمایا' وہ ہر چھپی ہوئی اور علانیہ بات کو خوب جانتا ہے' مزید اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں- یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا- جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہوگا- اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضورؐ کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرتؐ نماز روزہ جہاد صدقہ وغیرہ کا ہمیں حکم ہوا' وہ ہماری طاقت میں تھا- ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو یہ آیت اتری ہے' اسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں' آپؐ نے فرمایا' کیا تم یہود ونصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا- تمہیں چاہئے کہ یوں کہو' ہم نے سنا اور مانا- اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں- ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے' چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسے تسلیم کرلیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نازل ہوئی (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے- اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف ہٹا کر آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ اتاری اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَعَمْ یعنی میں یہی کروں گا' انہوں نے کہا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ - اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا- اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا اے اللہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال- اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ ہمیں معاف فرما' ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا' یہ حدیث اور بھی بہت سے انداز سے مروی ہے-

ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں' میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آیت وَاِنْ تُبْدُوْا کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے- آپ نے فرمایا' اس آیت کے اترتے ہی یہی حال صحابہ کا ہوا تھا- وہ سخت غمگین ہو گئے اور کہا کہ دلوں کے مالک تو ہم نہیں- دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے- آپ نے فرمایا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہو چنانچہ صحابہؓ نے کہا اور پھر بعد والی آیتیں اتریں اور عمل پر تو پکڑ طے ہوئی لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ منسوخ ہو گئی- دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا

کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ دوسرے اعضاء کے گناہ ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں۔ اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگذر فرمالیا' گرفت اسی پر ہوگی جو کہیں یا کریں۔

بخاری و مسلم میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک اس سے برائی سرزد نہ ہوا گر کر گذرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ سے ہی نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' رُکے رہو جب تک کرنہ لے۔ اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو' اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے' اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی۔ اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھا دی جاتی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ اصحابؓ نے آ کر عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گذرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' ایسا ہونے لگا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں' آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے (مسلم وغیرہ)

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن جب تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تمہیں تمہارے دلوں کے ایسے بھید بتاتا ہوں جس سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں' مومنوں کو تو بتانے کے بعد پھر معاف فرما دیا جائے گا لیکن منافق اور شک و شبہ کرنے والے لوگوں کو ان کے کفر کی درپردہ اطلاع دے کر بھی ان کی پکڑ ہوگی۔ ارشاد ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق کی بناء پر۔ حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی روایت سے متفق ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے۔ عذاب اور چیز ہے حساب لیا جانا اور عذاب کیا جانا لازم نہیں ممکن ہے حساب کے بعد معاف کر دیا جائے اور ممکن ہے سزا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضورؐ سے اللہ تعالیٰ کی سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلائے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا۔ پھر اس سے کہے گا۔ بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا؟ فلاں فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہ ہونے کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سن دنیا میں بھی میں نے تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن بھی میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں' اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا اور ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر تہمت لگائی' ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زیدؓ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا' جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا مگر آج تو نے پوچھا تو سن۔ اس سے مراد بندے کو دنیاوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی اور بھول گیا۔ تھوڑی پریشانی ہوئی مگر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں سے نقدی مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس

طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو۔ ترمذی وغیرہ یہ حدیث غریب ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۶﴾

ع ۴ / ۸

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا' ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا' الٰہی ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے' اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہمارا مالک ہے' ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ○

بقرہ کی آخری آیات اور ان کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۲۸۵-۲۸۶) ان دونوں آیتوں کی فضیلت کی حدیثیں سنئے' صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیتوں کو رات کو پڑھ لے' اسے یہ دونوں کافی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش تلے کے خزانہ سے دی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے' جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے ہی لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے' پھر یہاں سے آگے لے لی جاتی ہے اور اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں' وہاں حضور کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ وقت کی نمازیں' سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی ان دونوں آخری آیتوں کو پڑھتے رہا کرو۔ میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں' ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں۔ میں سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ میرے سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی ﷺ عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں۔ اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیتیں اتار کر سورۂ بقرہ ختم کی' جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں' اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا۔ امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں لیکن حاکمؒ اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضورؐ سورۂ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے' یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں' اور جب آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ اور آیت وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى پڑھتے تو زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ نکل جاتا اور ست ہو جاتے' ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں اور مزید مفصل سورتیں بھی وہاں سے ہی دی گئیں ہیں' ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جہاں حضرت جبرئیلؑ بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکے کی آواز کے ساتھ آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اترا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا' آپ کو خوشی مبارک ہو۔ آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں' ان کے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) پس یہ دس حدیثیں ان مبارک آیتوں کی فضیلت ہیں۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا' اسے سن کر آپؐ نے فرمایا' وہ ایمان لانے کا پورا مستحق ہے' اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے' ان سب نے مان لیا کہ اللہ ایک ہے' وہ وحدانیت کا مالک ہے' وہ تنہا ہے' وہ بے نیاز ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے' یہ (ایمان والے) تمام انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں' تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' آسمانی کتابوں کو انبیاء کرام پر جو اتری ہیں' سچی جانتے ہیں' وہ نبیوں میں فرق نہیں سمجھتے کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے' گو بعض احکام ہر نبیؑ کے زمانہ میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضورؐ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری' خاتم الانبیاء و مرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی' انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے اللہ کا کلام سنا اور احکام الٰہی ہمیں تسلیم ہیں' انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمیں مغفرت' رحمت اور لطف عنایت فرما۔ تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن۔

حضرت جبرئیل نے فرمایا' اے اللہ کے رسولؐ آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثناء وصفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقعہ پر دعا کیجئے۔ قبول کی جائے گی' مانگئے کہ اللہ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ پھر فرمایا' کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ نہیں دیتا۔ یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے' صحابہ کو جو کھٹکا ہوا تھا اور ان پر جو یہ فرمان گراں گذرا تھا کہ دل کے خطرات پر بھی حساب لیا جائے گا' وہ دھڑکا اس آیت سے اٹھ گیا' مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو' سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعتہً آ جانا روکے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے وسوسوں کو برا جاننا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی' اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے۔ برے اعمال کرو گے تو سزا بھگتو گے۔

پھر دعا کی تعلیم دی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہوئے ہوں' وہ معاف فرما' پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گذر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرمالیا۔ میں نے یہی کیا اور حدیث میں بھی آ چکا کہ میری امت کی بھول چوک

معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ) اے اللہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت احکام تھے جو آنحضرت کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ہر طرح سہولت اور آسانی دی گئی اسے بھی پروردگار نے قبول فرمایا۔ حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اے اللہ وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہ ہو۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان رب عالم کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش ہماری برائیوں اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کر۔ ہم پر رحم کرتا کہ ہم سے پھر تیری نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو۔ اس لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو اللہ کی معافی تا کہ عذاب سے نجات پائے۔ دوسرے پردہ پوشی تا کہ رسوائی سے بچے تیسرے عصمت کی تا کہ دوسری بار گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ اس پر بھی جناب باری نے قبولیت کا اعلان کیا۔ تو ہمارا ولی و ناصر ہے تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو ہی ہمارا سہارا ہے تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں تو ہماری ان لوگوں پر مدد فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں تیری وحدانیت کو نہیں مانتے تیرے نبی کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں مشرک ہیں اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دینا اور دین میں ہم ہی ان پر فاتح رہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا ہاں میں نے یہ بھی دعا قبول فرمائی۔ حضرت معاذؓ جب اس آیت کو ختم کرتے آمین کہتے (ابن جریر)

تفسیر سورة آل عمران

یہ سورت مدنی ہے۔ اس کے شروع کی تراسی آیتیں حضورؐ کی خدمت میں سن ۹ ہجری کو حاضر ہونے والے نجران کے عیسائیوں کے ایلچی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت قُلْ تَعَالَوْا الخ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ اس کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے ○ جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والی ہے۔ اسی نے اس سے پہلے توراۃ و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اسی نے اتارا ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ○

آیت الکرسی اور اسم اعظم: ☆☆ (آیت:۱-۴) آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے بھی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور الم کی تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں' اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے' جسے اس نے اپنے علم کی وسعتوں کے ساتھ اتارا ہے۔ فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی وافی ہے۔ یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ کتابیں بھی اس قرآن کی سچائی پر گواہ ہیں' اس لئے کہ ان میں جو اس نبیؐ کے آنے اور اس کتاب کے اترنے کی خبر تھی' وہ سچی ثابت ہوئی۔

اسی نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر توراۃ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر انجیل اتاری' وہ دونوں کتابیں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہدایت دینے والی تھیں' اس نے فرقان اتارا جو حق و باطل' ہدایت و ضلالت' گمراہی اور راہ راست میں فرق کرنے والا ہے' اس کی واضح روشن دلیلیں اور زبردست ثبوت ہر معترض کے لئے مثبت جواب ہیں۔ حضرت قتادہؒ حضرت ربیع بن انسؒ کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے' گو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے اس لئے یہاں فرقان فرمایا۔ ابو صالحؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لئے کہ توراۃ کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے واللہ اعلم۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں کو سخت عذاب ہوں گے' اللہ تعالیٰ غالب ہے' بڑی شان والا ہے' اعلیٰ سلطنت والا ہے' انبیاء کرام اور محترم رسولوں کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری تعالیٰ زبردست انتقام لے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ○ وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے' بناتا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب ہے حکمت والا ہے ○ وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں' جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں' پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں' فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے' ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں ○

خالق کل: ☆☆ (آیت:۵-۶) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کو وہ بخوبی جانتا ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں' وہ تمہیں تمہاری

ماں کے پیٹ میں جس طرح کی چاہتا ہے اچھی' بری' نیک اور بدصورتیں عنایت فرماتا ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ غالب ہے' حکمت والا ہے جبکہ صرف اسی ایک نے تمہیں بنایا' پیدا کیا' پھر تم دوسرے کی عبادت کیوں کرو؟ وہ لازوال عزتوں والا' غیر فانی حکمتوں والا' اٹل احکام والا ہے- اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی چوکھٹ پر جھکنے والے تھے' جس طرح تمام انسان اس کے پیدا کردہ ہیں' انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں' وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے' پھر وہ اللہ کیسے بن گئے؟ جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے' حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ وریشہ کی صورت ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہے' جیسے اور جگہ ہے یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ وہ اللہ تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے- ہر ایک کی پیدائش طرح طرح کے مرحلوں سے گذرتی ہے-

ہماری سمجھ سے بلند آیات: ☆☆ (آیت:۷) یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح' بالکل صاف اور سیدھا ہے- ہر شخص اس کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے اور بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی' اب جو لوگ نہ سمجھ میں آنے والی آیتوں کے مفہوم کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں سمجھ لیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں' لے لیں' وہ تو راستی پر ہیں اور جو صاف اور صریح آیتوں کو چھوڑ کر ایسی آیتوں کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں اور ان میں الجھ جائیں تو منہ کے بل گر پڑیں- ام الکتاب یعنی کتاب اللہ اصل اصولوں کی وہ صاف اور واضح آیتیں ہیں' شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو' انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے ہی سمجھو- بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے مطابق ہو اور اس کے سوا اور معانی بھی نکلتے ہیں' گو وہ حرف' لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے واقعی طور پر نہ ہوں تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو' محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی اسلاف سے منقول ہیں' حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں' جن میں حلال وحرام احکام' حکم' ممنوعات' حدیں اور اعمال کا بیان ہو' اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمۡ عَلَیۡکُمۡ الخ' اور اس کے بعد کے احکامات والی اور وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا الخ' اور اس کے بعد کی تین آیتیں محکمات سے ہیں-

حضرت ابو فاختہؒ فرماتے ہیں' سورتوں کے شروع میں فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیتیں ہیں' سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں' انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں- حضرت مقاتلؒ کہتے ہیں- اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں' متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے اور بعد کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئیں ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں- حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے' حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں' حضرت مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے جنت دوزخ کی صفت اور نیکوں اور بدوں کا حال وغیرہ وغیرہ' اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے- اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رحمتہ اللہ علیہ کا یہی فرمان ہے' فرماتے ہیں' یہ رب کی حجت ہے' ان میں بندوں کا بچاؤ ہے' جھگڑوں کا فیصلہ ہے' باطل کا خاتمہ ہے' انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا' نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے' متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں' ان میں تصرف وتاویل نہیں کرنی چاہئے' ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے' جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے' انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیرنا چاہئے-

پھر فرماتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی' ٹیڑھ پن' گمراہی اور حق سے باطل کی طرف ہی ہے وہ تو متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے بدترین

مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیتیں ہیں' ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان سے اپنے لئے کوئی دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اس سے ان کا مقصد فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں' اپنی بدعتوں کی مدافعت کریں جیسے کہ عیسائیوں نے قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا لڑکا ہونے کی دلیل لی ہے۔ پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ الخ' یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ الخ' یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا' پھر اسے کہا کہ ہو جا' وہ ہو گیا' چنانچہ اسی طرح کی اور بھی بہت سی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل لے لی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں' اللہ کے بندے ہیں' اس کے رسول ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے تاکہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں' حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو' ایسے ہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں' یہ حدیث

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾

اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے ○ اے ہمارے رب تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے' صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے' ملاحظہ ہو صحیح مسلم کی کتاب القدر' ایک اور حدیث میں ہے یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد) پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے' اس لئے کہ پہلے بدعت خوارج نے ہی پھیلائی ہے۔ یہ فرقہ محض دنیاوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا' اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا ہے' اس نے حضورؐ کے سامنے آکر صاف کہا کہ حضرت عدل کیجئے۔ آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا' آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے امین بنایا تھا' اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو برباد ہوا اور نقصان اٹھائے' جب وہ پلٹا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپؐ نے فرمایا' چھوڑ دو۔ اس کے ہم خیال ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے لیکن دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم جہاں انہیں پاؤ گے' قتل کرو گے' انہیں قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا اور آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا۔ پھر ان میں پھوٹ پڑی تو ان کے مختلف الخیال فرقے پیدا ہو گئے۔ نئی نئی بدعتیں دین میں جاری ہو گئیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور چلے گئے۔

ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا' پھر معتزلہ پھر جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضورؐ کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں

عنقریب تہتر فرقے ہوں گے۔ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے‘ صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا‘ وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) ابویعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا‘ میری امت میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو‘ اس کے غلط مطالب بیان کرے گی۔ پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ ہی جانتا ہے لفظ اللہ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے‘ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو فرماتے ہیں تفسیر چار قسم کی ہے‘ ایک وہ جس کے سمجھنے میں کسی کو مشکل نہیں۔ ایک وہ جسے عرب اپنے لغت سے سمجھتے ہیں‘ ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات الٰہی کے اور کوئی نہیں جانتا‘ یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے‘ حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے‘ معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے۔ مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس میں لڑائی شروع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کا سلسلہ شروع ہوگا حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ ہی جانتا ہے اور اہل علم والے کہیں گے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں گے‘ یہ حدیث بالکل غریب ہے‘ اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کی مخالف ہو۔ جس کا تمہیں علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں‘ ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ) ابن عباسؓ‘ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت مالک بن انسؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے‘ ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے یہی کہتے ہیں‘ اس کی تاویل کا علم اللہ ہی کو ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ہے‘ ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں‘ امام ابن جریرؒ بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں‘ یہ تو تھی وہ جماعت جو اِلَّا اللّٰہُ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملہ کو اس سے الگ کرتی تھی‘ کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے اور فِی الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں‘ اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں‘ ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے‘ اس بات کا ٹھیک نہیں‘ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے‘ میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں‘ راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں‘ حضرت محمد بن جعفر بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ پھر متشابہات آیتوں کی تفسیر محکمات کی روشنی میں کرتے ہیں جن میں کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن کے مضامین ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتے ہیں دلیل واضح ہوتی ہے‘ عذر ظاہر ہو جاتا ہے‘ باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے دعا کی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے۔ بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے‘ قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے‘ ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے‘ جیسے قرآن میں ہے یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔ ایک اور جگہ ہے هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ کافروں کے انتظار کی حد حقیقت کے ظاہر ہونے تک ہے اور یہ وہ دن ہوگا جب حقیقت سچائی کی گواہ بن کر نمودار ہوگی۔ پس ان دونوں جگہ تاویل سے مراد حقیقت ہے‘ اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو اِلَّا اللّٰہُ پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو رّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتدا ہوگا اور یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا اور تاویل کے دوسرے معنی تفسیر اور بیان اور ہے۔ اور ایک شئے کی تعبیر دوسری شے ہے‘ جیسے قرآن میں ہے نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان‘ اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو فِی الْعِلْمِ پر وقف کرنا چاہئے اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے

ہے۔ گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بنا پر امَنَّابِہٖ حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر معطوف علیہ کے معطوف ہو جیسے اور جگہ ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الخ سے یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا الخ تک۔ دوسری جگہ ہے وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا یعنی وَجَآءَ الْمَلٰٓئِكَةُ صُفُوْفًا صُفُوْفًا اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ متشابہ پر ایمان لائے۔ پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق اور سچ ہے اور یعنی ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں اور جگہ ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف ہوتا۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جس کی قسم سچی ہو جس کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو جس کا پیٹ حرام سے بچا ہو اور جس کی شرمگاہ زناکاری سے محفوظ ہو وہ مضبوط علم والے ہیں (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو تم سے پہلے لوگ بھی اسی سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ تم ان میں اختلاف پیدا کر کے ایک کو دوسری کے متضاد نہ کہو۔ جو جانو وہی کہو اور جو نہیں جانو اسے جاننے والوں کو سونپ دو (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا قرآن میں جھگڑنا کفر ہے قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے۔ جو جانو اس پر عمل کرو۔ جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف سونپو جل جلالہ (ابو یعلی)

راسخ فی العلم کون؟ ☆☆ نافع بن یزیدؒ کہتے ہیں راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں رب کی رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر برباد ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ۔ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما دلوں کو قرار دے ہماری گندگی کو دور کر۔ ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا۔ تو بہت بڑا دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ دعا رَبَّنَا لَا تُزِغْ پڑھتے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ حضرت اسماءؓ نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے کہ میں اپنے لئے مانگا کروں آپ نے فرمایا یہ دعا مانگ اَللّٰھُمَّ رَبَّ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ اے اللہ اے محمد نبیؐ کے رب میرے گناہ معاف فرما میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی آپ کی دعا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ سن کر حضرت اسماءؓ کی طرح سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ کر سنائی یہ حدیث غریب ہے لیکن قرآنی آیت کی تلاوت کے بغیر یہی بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے اور نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاگتے

تو یہ دعا پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَةَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میرے علم میں زیادتی فرما اور میرے دل کو تو نے ہدایت دے دی ہے اسے گمراہ نہ کرنا اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش' تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۂ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابو عبد اللہ صنابحیؒ فرماتے ہیں' میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مل گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا (عبدالرزاق) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی' آپ اس رکعت میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد امیر المومنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے۔ ان کے اختلافات کو سمیٹنے والا ہے اور ہر ایک کو بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے۔ اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے' یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں ○ جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے' ہماری آیتوں کو جھٹلایا پھر اللہ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا' اور اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

جہنم کا ایندھن کون لوگ؟ ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی بھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں' ان ظالموں کو اس دن کوئی عذر معذرت ان کے کام نہ آئے گی' ان پر لعنت ہے' اور ان کے لئے برا گھر ہے' ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی' اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے' جیسے اور جگہ فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ الخ' تو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ کرنا اس کی وجہ سے اللہ کا ارادہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دینا ہے' ان کی جانیں کفر میں ہی نکلیں گی' اسی طرح ارشاد ہے' کافروں کا شہروں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ تو مختصر سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے' اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے' اس کے رسولوں کے منکر' اس کی کتاب کے مخالف' اس کی وحی کے نافرمان' اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم سلگائی اور بھڑکائی جائے گی' جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الخ' تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضلؓ کا بیان ہے کہ مکہ شریف میں ایک

رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت کا مطلب تمہیں سمجھا چکا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے ہاں حضورؐ بیشک آپؐ نے خدا کا دین ہمیں پہنچایا۔ پھر جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہوگا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا مسلمانان اسلام اپنے قول و عمل کو لئے سمندروں کو چیرتے پہاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے۔ یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر بڑائی اور اندھے پن کے طور پر) کہنے لگیں گے۔ ہم قاری ہیں عالم ہیں کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہوگی؟ لوگوں نے پوچھا۔ حضورؐ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا ہاں ہاں اللہ کی قسم آپؐ نے بڑی حرص اور چاہت سے تبلیغ کی آپ نے پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔ پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے لفظ کداب ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے نَھْرٌ اور نَھَرٌ اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں امراء القیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے مطلب اس آیت شریف کا یہ ہے کہ کفار کا مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آیا اللہ کی پکڑ سخت ہے اس کا عذاب دردناک ہے کوئی کسی طاقت سے بھی اس سے بچ نہیں سکتا نہ اسے روک سکتا ہے وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے ہر چیز اس کے سامنے حقیر ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے ○ یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں ایک جماعت تو راہ اللہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔ وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے ○

اولین معرکہ حق و باطل: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی ذلیل اور مغلوب کئے جاؤ گے ہارو گے اور ماتحت بنو گے اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور مظفر و منصور واپس ہوئے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے کہ تمہیں بھی ذلت و پستی دیکھنا پڑے اسلام قبول کر لو تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے ناآشنا تھے آپ نے ہرا لیا اور دماغ میں غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتا دیں گے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ آپ کو اب تک ہم سے پالا ہی نہیں پڑا اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا ہے کہ اللہ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں

کو عزت وحرمت عطا فرمانے والا ہے' وہ اپنے رسول کا اور آپ کی اطاعت گذار امت کا خود مددگار ہے' وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔ دو جماعتیں لڑائی میں گتھم گتھا ہوگئی تھیں' ایک صحابہ کرام کی اور دوسری مشرکین قریش کی' یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے۔ اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ نے اپنے بندوں کی اس طرح مدد کی کہ گو مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکوں کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے' مشرکوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی جاسوسی کے لئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آ کر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں گے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے' ایک معنی تو یہ ہیں' دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں پھر بھی اللہ عزوجل نے انہی کی مدد کی' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار بیان کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے حضرت عبداللہؓ کا قرآن کے الفاظ سے یہ استدلال ہو کہ بن الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا' اس سے جب حضورؐ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں' آپؐ نے پھر پوچھا' اچھا روز کے کتنے اونٹ کٹتے ہیں' اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس' آپؐ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے' پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنے تھے۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دوگنا کی ہے۔ اس سے ان کی مراد تین ہزار ہوتی ہے۔ اب کوئی مشکل باقی نہ رہی' لیکن ایک اور سوال ہے' وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یعنی جب آمنے سامنے آگئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا تاکہ جو کام کرنے کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا' وہ ہو جائے' پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم نظر آئے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بلکہ دگنے نظر آئے تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول اور تھا اور اس کا وقت اور تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں لگے۔ ہم نے غور سے دیکھا۔ پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے ان کی گنتی زیادہ نہیں' دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے۔ اس نے کہا' نہیں نہیں' سو ہوں گے' جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی۔ اس نے کہا ایک ہزار ہیں' اب جبکہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ پر پورا بھروسہ کرلیں اور تمام تر توجہ اللہ کی جانب پھیرلیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں' ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دگنی معلوم ہونے لگی تاکہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے۔ پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تاکہ ہر ایک دل کھول کر حوصلہ نکالے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے' ایمان' کفر وطغیان پر غالب آ جائے' مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقتور بنا دے۔ پھر فرماتا ہے' اس میں عبرت ونصیحت ہے اس شخص کے لئے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح و سالم ہو وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائے گا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت

کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾

لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ○ تو کہہ' کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضامندی ہے' سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

دنیا کے حسن اور آخرت کے جمال کا تقابل: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے سجایا گیا ہے۔ ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا۔ اس لئے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے' صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا' ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح کر کے زنا سے بچنے اور اولاد کی کثرت سے ہو تو بے شک یہ نیک کام ہے۔ اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی حدیثیں نکاح کرنے بلکہ کثرت نکاح کی فضیلت میں آئی ہیں' اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو' نبی ﷺ فرماتے ہیں' دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو یہ اسے خوش کر دے اور اگر حکم دے تو بجا لائے اور اگر کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے' دوسری حدیث میں ہے' مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں۔ ہاں گھوڑے ان سے بھی زیادہ پسند تھے۔ ایک اور روایت میں ہے' گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں' ثابت ہوا عورتوں کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی اسی طرح اولاد کی' اگر ان کی کثرت اس لئے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو بری چیز ہے اور اگر اس لئے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بے شک یہ بھلائی کی چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے' محبت کرنے والیوں اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو' قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں' ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر ان کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لئے ہے تو بے حد بری چیز ہے' اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے سلوک کرنے' نیکیاں کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے تو ہر طرح وہ شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔

قنطار کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے' ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں' جیسے حضرت ضحاک کا قول ہے' اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں' ایک ہزار دینار' بارہ ہزار' چالیس ہزار' ساٹھ ہزار' ستر ہزار' اسی ہزار وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین و آسمان سے۔ غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا (واللہ اعلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے' اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں بارہ سو اوقیہ آئے ہیں لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے۔ ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو جیسے اور صحابہؓ کا بھی یہی فرمان ہے' ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص سو آیتیں پڑھ لے' غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں' اسے اللہ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے۔ مستدرک حاکم میں ہی اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا' دو ہزار اوقیہ۔ امام حاکم اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا' طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار' حضرت حسن بصریؒ سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار' حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں' بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں۔ یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے۔ گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لئے نکلتے ہیں' ان کے لئے تو یہ بہت ہی اجر و ثواب کا سبب ہیں۔ دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں ان کے لئے وبال ہے' تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لئے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے۔ یہ نہ اجر نہ عذاب کے مستحق ہیں۔ اسی مضمون کی حدیث آیت وَاَعِدُّوْا لَھُمْ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاءاللہ۔

''مُسَوَّمَہ'' کے معنی چرنے والا اور پنج کلیان (یعنی پیشانی اور چاروں قدموں پر نشان) وغیرہ کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے۔ کہتا ہے اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے' تو اس کے دل میں اس کے اہل و مال سے زیادہ میری محبت دے' اَنْعَام سے مراد اونٹ' گائیں' بکریاں ہیں۔ حَرْث سے مراد وہ زمین ہے جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لئے تیار کی جائے' مسند احمد کی حدیث میں ہے' انسان کا بہترین مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں۔ یہاں کی زینت اور یہاں ہی کی دلکشی کے سامان ہیں جو فانی اور زوال پانے والے ہیں' اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کا مرکز اللہ کے پاس ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا' اے اللہ جبکہ تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے بہترین چیزیں بتاتا ہوں۔ یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں وہ صرف دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والی ہیں' سنو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں' کہیں شہد کی' کہیں دودھ کی' کہیں پاک شراب کی' کہیں نفیس پانی کی' اور وہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گذرا ہو۔ ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالآباد تک رہیں گے۔ نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں کم ہوں گی نہ فنا ہوں گی' پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے' خباثت اور برائی سے' حیض اور نفاس سے' گندگی اور

پلیدی سے پاک صاف ہیں۔ ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں' ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں' اسی لئے سورہ برات کی آیت میں فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کی تھوڑی سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے' یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے ○ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور راہ اللہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں ○

متقیوں کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار' ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسولؐ پر ایمان لائے۔ ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات پر اور تیری شریعت پر ہے' تو ہمارے گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے' یہ متقی لوگ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں' صبر کے سہارے سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں' کل اچھے اعمال بجالاتے ہیں خواہ وہ ان کے نفس کو کتنے بھاری پڑیں۔ اطاعت اور خشوع و خضوع والے ہیں' اپنے مال اللہ کی راہ میں جہاں جہاں حکم ہے۔ خرچ کرتے ہیں۔ صلہ رحمی میں' رشتہ داری کا پاس رکھنے میں برائیوں کے روکنے آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار افضل ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے یہی فرمایا تھا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا' اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے' اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوںؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں؟ حافظ ابوالحسن دارقطنی رحمتہ اللہ علیہ نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول رات' درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھے ہیں۔ سب سے آخری وقت حضورؐ کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافعؒ سے پوچھتے' کیا سحر ہو گئی۔ جب وہ کہتے ہاں تو آپ صبح صادق کے نکلنے کی دعا استغفار میں مشغول رہتے' حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں' سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی

گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ تو نے مجھے حکم کیا - میں بجالایا - یہ سحر کا وقت ہے - مجھے بخش دے میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں - ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم جب تہجد پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں - اللہ سے بخشش کی دعا کریں -

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع ۱۱

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے - اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ○ بے شک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے تابعداروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے ○

اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۰) اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے - بس اس کی شہادت کافی ہے وہ سب سے زیادہ سچا گواہ ہے سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے - اور اسی کی طرف محتاج ہے وہ سب سے بے نیاز ہے الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں جیسے فرمان ہے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ الخ یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی علماء کی شہادت کو ملا رہا ہے یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت -

قَآئِمًا کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے - وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے - پھر تاکیداً دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی

صرف وہی ہے' وہ غالب ہے' عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے' وہ اپنے اقوال افعال' شریعت' قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور اَلْحَکِیْمُ تک پڑھ کر فرمایا وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ یَا رَبِّ' ابن ابی حاتم میں ہے آپؐ نے یوں فرمایا وَاَنَا اَشْهَدُ اَیْ رَبِّ' طبرانی میں ہے حضرت غالب قطانؒ فرماتے ہیں' میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمشؒ کے قریب ٹھہرا' رات کو حضرت اعمشؒ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ پڑھا تو فرمایا وَاَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِیَ لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِیْعَةٌ یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ میری امانت اللہ کے پاس ہے پھر کئی دفعہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام پڑھا' میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی' صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمدؒ کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے؟ کہا' کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی' کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا۔ اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا۔ جب سال کامل گذر چکا تو میں نے کہا' اے ابو محمدؒ سال گذر چکا' کہا سن' مجھ سے ابو وائلؓ نے حدیث بیان کی' اس نے عبداللہ سے سنا' وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا' میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے افضل واعلیٰ ہوں۔ میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے' وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے اور سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں' آپ کی نبوت کے بعد نبوت کے سب راستے بند ہوگئے۔ اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ کے نزدیک وہ صاحب ایمان نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے' وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرات میں شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ ہے اور اَنَّ الْاِسْلَامَ ہے تو معنی یہ ہوں گے' خود اللہ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں اور ذی علم انسانوں کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے' جمہور کی قرات میں ان زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلی کتاب والوں نے اپنے پاک اللہ کے پیغمبروں کے آنے اور اللہ کی کتابیں نازل ہونے کے بعد بھی اختلاف کیا جس کی وجہ صرف ان کا آپس کا بغض وعناد تھا کہ میں اس کے خلاف ہی چلوں چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیتیں اتر چکیں' اب جو ان کا انکار کرے' انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب دے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھائے گا۔ پھر فرمایا' اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری کے بارے میں جھگڑیں تو کہہ دو کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی اور جو بھی میرے امتی ہیں' میرے دین پر ہیں' ان سب کا قول بھی یہی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ الخ' یعنی میری راہ یہی ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں بھی اور میرے تابعدار بھی یہی دعوت دے رہے ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبیؐ یہود ونصاریٰ جن کے ہاتھوں میں اللہ

کی کتاب ہے اور مشرکین سے' جو ان پڑھ ہیں' کہہ دو کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں' آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ خود ان سے سمجھ لے گا۔ ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے' اس کی حجت تو پوری ہو کر ہی رہتی ہے' اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور کون ضلالت کا مستحق ہے؟ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

دوسری آیتوں میں بھی صاف صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہیں اور خود آپ کے دین کے احکام بھی اس پر دلالت کرتے ہیں اور کتاب و سنت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں اسی مفہوم کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (سلام علیہ) اور آیت میں ہے تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرًا بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔ صحیحین وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے عرب و عجم کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے اطراف کے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں' اہل کتاب ہوں' مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ نے تبلیغ کے فرض کو تمام و کمال تک پہنچا دیا (ﷺ) مسند عبدالرزاق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نسبت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی مگر مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا تو قطعاً جہنمی ہوگا' مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرتؐ کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ و سیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا اور میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا' وہ بیمار پڑ گیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے فلاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپکا ہو گیا۔ حضورؐ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ باپ نے کہا۔ ابو القاسم کی مان لے (ﷺ) پس اس بچے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچا لیا۔ یہی حدیث صحیح بخاری میں حضرت امام بخاریؒ بھی لائے ہیں۔ ان کے سوا اور بھی بہت سی صحیح حدیثیں بھی اور قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾

جولوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں تو اے نبی انہیں دردناک عذابوں کی خبر دے دے ○ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ○

انبیاء کے قاتل بنواسرائیل: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) یہاں ان اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرام کام کرتے رہتے تھے اور اللہ کی پہلی اور بعد کی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں' جھٹلاتے رہتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالتے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل وانصاف کی بات کہیں' انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے' حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا یہی کبر وغرور ہے۔ مسند ابو حاتم میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو' تکبر وغرور ہے' پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابو عبیدہؓ بنو اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ہی ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستر بنواسرائیل کے وہ ایماندار جو انہیں روکنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے' انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے' ان سب کو بھی اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بنواسرائیل نے تین سو نبیوں کو دن کے شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے۔ پس ان لوگوں کی اس سرکشی' تکبر اور خود پسندی نے ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی رسوا کن بدترین عذاب ان کے لئے تیار ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذابوں کی خبر پہنچا دو۔ ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَٰبِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَٰبِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے ○ اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند ہی دن آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○

جھوٹے دعوے: ☆☆ (آیت:۲۳-۲۵) یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراۃ وانجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخر الزمان کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیر کے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی سرکشی، تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہو رہی ہے اس مخالفت حق اور بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں نہ ہونے کے باوجود اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر کے یہ بات بنالی ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے یعنی فقط سات روز دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے اسی واہی اور بے سروپا خیال نے انہیں باطل دین پر جما دیا ہے بلکہ یہ خود اللہ نے ایسی بات نہیں کہی ان کا خیال ہے اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے ان کا قیامت والے دن بدتر حال ہوگا کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا رسولوں کو جھٹلایا انبیاء کو اور علماء حق کو قتل کیا ایک ایک بات کا اللہ کو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی اس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس دن ہر شخص پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو کہہ اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک، تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے تو چاہے عزت دے اور جسے تو چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ○ تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے۔ تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے، تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے ○

مالک الملک کی حمد وثناء: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ اپنے رب کی تعظیم کرنے اور اس کا شکریہ بجالانے اور اسے اپنے تمام کام سونپنے اور اس کی ذات پاک پر پورے بھروسہ کا اظہار کرنے کے لئے ان الفاظ میں اس کی اعلیٰ صفات بیان کیجئے جو اوپر بیان ہوئی ہیں یعنی اے اللہ تو مالک الملک ہے، تیری ملکیت میں تمام ملک ہے، جسے تو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے اپنا دیا ہوا واپس لے لے۔ تو ہی دینے اور لینے والا ہے۔ تو جو چاہتا ہے، ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبوت نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو مطلقاً نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس و جن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا، تمام سابقہ انبیاء کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں بلکہ ایسی فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیاء بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا گذشتہ اور آنے والی خبروں کے متعلق

ہوں' آپ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے' آپ کی امت کو مشرق و مغرب تک پھیلا دیا۔ آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا' اللہ تعالیٰ کا درود و سلام آپ پر نازل ہو۔ اب سے لے کر قیامت تک جب تک رات دن کی گردش بھی رہے اللہ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے۔ آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے۔ جو چاہے کر گذرتا ہے' جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ الخ' کیا تیرے رب کی رحمت کو بانٹنے والے یہ لوگ ہیں۔ جب ان کے رزق تک کے مالک ہم ہیں۔ جسے چاہیں کم دیں۔ جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا؟ نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے۔ ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے؟ جیسے اور جگہ ہے اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے' اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے' اور جگہ فرمایا اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے۔ زمین و آسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے' اسی طرح جاڑے کو گرمی اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے' بہار و خزاں پر قادر تو ہی ہے' تو ہی ہے کہ زندہ سے مردے کو اور مردے سے زندے کو نکالے۔ کھیتی سے دانے اگاتا ہے اور دانہ سے کھیتوں کو لہلہاتا ہے' کھجور گٹھلی سے اور گٹھلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے' مومن کو کافر کے ہاں اور کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے' مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام تر چیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں' تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے' ہم مانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہنے سے ہوتے ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے اللہ کا اسم اعظم اس آیت قُلِ اللّٰهُمَّ الخ میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرما لیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸﴾

ایمانداروں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو' اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ○

ترک موالات کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۸) یہاں اللہ تعالیٰ ترک موالات کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے' مسلمانوں کو کفار سے دوستیاں اور محض محبتیں کرنا مناسب نہیں بلکہ انہیں آپس میں ایمان داروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہئے۔ پھر انہیں حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا' اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ الخ' یعنی مسلمانو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کیا کرو۔ اور جگہ فرمایا' مومنو یہ یہود و

نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا' وہ انہی میں سے ہے' دوسری جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارے کا ذکر کر کے فرمایا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں۔ تم بھی آپس میں اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو گا۔ البتہ ان لوگوں کو رخصت دے دی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے لئے بہ ظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کریں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو' جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت میں بھی ہرگز نہ دے۔ یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے' اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے ان مسلمانوں کے جن پر زبردستی کی جائے مگر ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' بخاری میں ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

پھر فرمایا' اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذاب سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے۔ پھر فرمایا' اللہ کی طرف لوٹنا ہے' ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا' اے بنی اود میں اللہ کے رسولؐ کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ جان لو کہ اللہ کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے۔ پھر یا تو جنت ٹھکانا ہو گیا یا جہنم۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ڃ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ڔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

کہہ دے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ سب کو جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اسے معلوم ہے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پا لے گا' آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ سے ڈر ہمارے لئے بہتر ہے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے' زمین کے گوشوں میں' پہاڑوں کے سمندروں میں' آسمانوں میں' ہواؤں میں' سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے' سب اس کے علم میں ہے۔ پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے' جس طرح چاہے رکھے' جو چاہے جزا سزا دے' پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست

قدرت والے کسے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے۔ اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہئے' وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے۔ ممکن ہے کسی کو ڈھیل دے دے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا۔ پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت۔ ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے' نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت وافسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور رہتا اور پرے ہی پرے رہتا۔

قرآن نے اور جگہ فرمایا يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ سب گزری ہوئی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی' شیطان جو اس کے ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا' اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا يٰلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔ وہ تو بڑا برا ساتھ ہے۔ پھر فرمایا اللہ تمہیں اپنے عذابوں سے ڈرا دھمکا رہا ہے' پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوش خبری دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف وکرم سے کبھی ناامید نہ ہوں۔ وہ نہایت ہی مہربان' بہت رحم اور پیار رکھنے والا ہے' امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف ومحبت ہے کہ اس نے اپنے سے نہیں بلکہ اپنے عذابوں سے اپنے بندوں کو ڈرایا' یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر رحیم ہے۔ بندوں کو بھی چاہئے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں۔ دین پاک کو نہ چھوڑیں۔ رسول کریم کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا' اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہدے کہ اللہ کی اور رسولؐ کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

جھوٹا دعویٰ: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) اس آیت نے فیصلہ کر دیا جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال' افعال' عقائد فرمان نبویؐ کے مطابق نہ ہوں' طریقہ محمدؐ یہ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو' وہ مردود ہے' اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو۔ اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں۔ لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے۔ غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مدنظر ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کے لئے دشمنی کا نام ہے' پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر ہر عام خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ اور رسولؐ کے فرماں بردار رہیں۔ جو نافرمان ہو جائیں یعنی اللہ رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہؐ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ گو ان کا دعویٰ ہو' لیکن

جب تک اللہ کے سچے نبی' امی' خاتم الرسل رسول جن و بشر کی تابعداری' پیروی اور اتباع سنت نہ کریں' وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں' حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیاء اور رسول بلکہ بہترین اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی مانے بغیر اور آپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا' اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا ○ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں' اور اللہ ہے سنتا جانتا ○

سب سے پہلے نبی علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۴) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو تمام جہان پر فضیلت عنایت فرمائی' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اپنی روح ان میں پھونکی۔ ہر چیز کے نام انہیں بتلائے' جنت میں انہیں بسایا۔ پھر اپنی حکمت کے اظہار کے لئے زمین پر اتارا' جب زمین پر بت پرستی قائم ہو گئی تو حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا۔ پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی' پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا' حضرت نوحؑ نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے ایک نہ سنی تو نوح علیہ السلام کے فرماں برداروں کے سوا باقی سب کو پانی کے عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا۔

خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی عنایت فرمائی۔ اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا۔ عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں' ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے۔ عمران بن ہاشم بن میشا بن خرقیا بن اسیث بن ایاز بن رخیعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام' پس عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اس کا مفصل بیان سورہ انعام کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ الرحمٰن۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا' اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے ○ جب بچی تولد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی' اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی' اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں' میں

نے اس کا نام مریم رکھا۔ میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے ○

مریم بنت عمران: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حسنہ بنت فاقوذ تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں۔ حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمالی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا۔ جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا' اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی' پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما۔ تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے۔ اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہو گا یا لڑکی' جب بچہ پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے۔ اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حسنہ کا تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور "تا" کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے' یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں' میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا' اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیم رکھا' ملاحظہ ہو بخاری و مسلم' حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی کو جبکہ وہ تولد ہوئے' لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپؐ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ حدیث بھی صحیحین میں موجود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا' یا رسول اللہ میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے' کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھو (بخاری) ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ حاضر خدمت نبویؐ ہوئے تاکہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں۔ آپؐ اور طرف متوجہ ہو گئے۔ بچہ کا خیال نہ رہا۔ حضرت ابو اسید نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے' بچے کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا' گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا' اس کا نام منذر رکھو (یعنی ڈرا دینے والا) مسند احمد اور سنن میں ایک اور حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہر بچہ اپنے عقیقے میں گروی ہے' ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے اور بچہ کا سر منڈوائے' ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا۔ یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے مائی صاحبہ کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر بچے کو شیطان

اس کی پیدائش کے وقت ٹھوکا دیتا ہے' اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ اس سے بچے رہے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو اِنِّیٓ اُعِیۡذُھَا بِکَ الخ' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ کسی میں ہے ایک یا دو دھچکے مارتا ہے۔ ایک حدیث میں صرف عیسیٰؑ کا ہی ذکر ہے کہ شیطان نے انہیں بھی دھچکا مارنا چاہا لیکن انہیں دیا ہوا ٹھوکا پردے میں لگ کر رہ گیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اور اس کی خیر خبر لینے والا زکریاؑ کو بنایا جب کبھی زکریاؑ ان کے حجرے میں جاتے' ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے' پوچھا اے مریم' یہ میوے تمہارے پاس کہاں سے آئے' جواب دیا' یہ اللہ کے پاس سے' بیشک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے O

زکریا علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۳۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ان کی والدہ حضرت حفصہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرما لیا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی' ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں' حضرت زکریاؑ کو ان کا کفیل بنا دیا۔ ابن اسحاق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم ہو گئی تھیں لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریاؑ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا' ہو سکتا ہے کہ دونوں وجہیں اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن اسحاقؒ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے' اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے۔ جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریمؑ اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہؓ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔ اب اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے۔ حضرت مجاہدؒ' حضرت عکرمہؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت ابو الشعثاءؒ' حضرت ابراہیم نخعیؒ' حضرت ضحاکؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت ربیع بن انسؒ' حضرت عطیہ عوفیؒ' حضرت سدیؒ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے' اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے' وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مسند حافظ ابو یعلی میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے۔ بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی۔ اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھا لوں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے' وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے' میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذار دیں گے اور اللہکی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ ہی کو دوں گی' پھر حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں' حضورؐ راستے ہی میں تھے۔ ملے اور ساتھ ہوئے۔ آپ آئے تو کہنے لگیں' میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے' آپؐ نے فرمایا' میری پیاری بچی لے آؤ۔ اب جو طشت کھولا تو دیکھتی ہے کہ روٹی سالن سے ابل رہا ہے۔ دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے' اللہ کا شکر کیا نبیؐ اللہ پر درود پڑھا اور آپؐ کے پاس لا کر پیش کر دیا' آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہکی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ اباجان اللہ کے پاس سے۔ وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے' آپؐ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی' تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا' انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے' اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے' پھر حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ نے حضرت علیؓ نے اور حضرت فاطمہؓ نے اور حضرت حسینؓ نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا۔ یہ خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

اسی جگہ زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا کا سننے والا ہے ○ پس فرشتوں نے اسے آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے ○

حاصل دعا یحییٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسم میوہ دیتا ہے' جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمی میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے' آپ بھی بے موسم میوہ یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے اور چونکہ یہ طلب بہ ظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی' اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی جیسے اور جگہ ہے نِدَاءً خَفِيًّا یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہو گا جس کا نام یحییٰ رکھنا' ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیا ایمان کے ساتھ ہو گی وہ اللہ کے کلمہ کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی

تصدیق کریں گے۔ حضرت ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں' سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی روش اور آپ کے طریق پر تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں' یہ تھی حضرت یحییٰ کی تصدیق' دنیا میں آنے سے بھی پیشتر۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی سچائی کو انہوں نے ہی پہچانا۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔

سید کے معنی حلیم' بردبار' علم و عبادت میں بڑھا ہوا' متقی' پرہیزگار' فقیہہ' عالم' خلق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے' شریف اور کریم کے ہیں' حصور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آ سکے۔ جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو' اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا' اس کا عضو اس جیسا تھا' حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے۔ پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حصور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو اور حضرت یحییٰ بن سعید قطعان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا۔ یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے' اس کے حوالے سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے کپڑے کے پھندنے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھایا ہوا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہی فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱

نیک لوگوں میں سے' کہنے لگے اے رب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے' فرمایا' اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے ○ کہنے لگے پروردگار میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا۔ تو اپنے رب کا ذکر بہ کثرت کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ ○

یحییٰ علیہ السلام' ایک معجزہ: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) اس کے بعد حضرت زکریاؑ کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ تمہارا لڑکا نبی ہوگا۔ یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی۔ جب بشارت آ چکی تب حضرت زکریاؑ کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب سے تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اے اللہ میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بوڑھا ہوں' میری بیوی بالکل بانجھ' فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ کا امر سب سے بڑا ہے۔ اس کے پاس کوئی چیز انہونی نہیں' نہ اسے کوئی کام کرنا مشکل۔ نہ وہ کسی کام سے عاجز' اس کا ارادہ ہو چکا' وہ اسی طرح کرے گا۔ اب حضرت زکریاؑ اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا' رہے گا تندرست' صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی' صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا' جیسے اور جگہ ہے ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت۔ پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہئے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو' صبح شام اسی میں لگے رہو' اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورہ مریم کے شروع میں آئے گا' ان شاءاللہ تعالیٰ۔

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کرلیا اور تجھے پاک کردیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے انتخاب کرلیا ○ اے مریم تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ○ یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں۔ تو ان کے پاس نہ تھا جبکہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا ○

تین افضل ترین عورتیں: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی کثرت عبادت' ان کی دنیا کی بے رغبتی کی شرافت اور شیطانی وسواس سے دوری کی وجہ سے اپنا قرب خاص عنایت فرما دیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے۔ صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں۔ ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اور اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے' عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمدؐ آسیہ فرعون کی بیوی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور حدیث میں ہے یہ چاروں بیویاں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ اور حدیث میں ہے مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں' مریم بنت عمران' آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلدؓ اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر' یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اور سب کتابوں میں ہے۔ صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہؓ کا ذکر نہیں' میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰؑ کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ مریمؑ خشوع وخضوع رکوع وسجود میں رہا کر' اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہئے۔

قنوت کے معنی اطاعت ہیں جو عاجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو جیسے ارشاد ہے وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ یعنی اسی کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین وآسمان کی ہر چیز ہے۔ سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گذاری ہے' یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم آجاتا تھا' قنوت سے

مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا' حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہؓ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا' رضی اللہ عنہا و ارضاہا۔

یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہوا ورنہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے؟ لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جبکہ حضرت مریمؑ کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے۔ جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی اور حضرت ہارونؑ کی نسل میں سے تھے' کہا کہ میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں' تم اسے سنبھالو' یہ ظاہر ہے کہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آ سکتیں اب تم جانو اور تمہارا کام' میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جا سکتی کیونکہ نام اللہ اسے نذر کر چکی ہوں۔ حضرت عمران یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مہتمم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑی چاہت سے ان کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے' ادھر سے حضرت زکریاؑ نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھ ہی کو ملنی چاہئے۔ اور لوگ راضی نہ ہوئے آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراۃ لکھتے تھے تو قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا اور یہی اس سعادت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہر اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں کہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے' وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہر جائے وہ حضرت مریم کا کفیل بنے' چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہا کر لے گیا۔ صرف حضرت زکریاؑ کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا تو ایک تو قرعے میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کی رشتہ داری تھے۔ پھر یہ خود ان تمام کے سردار' امام' مالک' نبی تھے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ پس انہی کو حضرت مریمؑ سونپ دی گئیں۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۝۴۵ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۴۶ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝۴۷

جب فرشتوں نے کہا' اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایک بات کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے ○ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہو گا ○ کہنے لگیں' اللہ مجھے لڑکا کیسے ہو گا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ فرشتے نے کہا' اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا

ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ○

مسیح ابن مریم علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۴۵-۴۷) یہ خوش خبری حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ ان سے ایک لڑکا ہو گا جو بڑی شان والا اور صرف اللہ کے کلمہ "کن" کے کہنے سے ہو گا یہی تفسیر اللہ کے فرمان مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کی بھی ہے جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا' اس کا نام مسیح ہو گا' عیسیٰ بیٹا مریم علیہا السلام کا' ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا' مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے' ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں' ان پر اللہ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہوں گی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ چاہے گا' وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائیں گی صلوت الله وسلامه عليه وعليهم اجمعين۔ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپنے ہی میں دعوت دیں گے جوان کا معجزہ ہو گا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ ان کی طرف وحی کرے گا' وہ اپنے قول و فعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰؑ اور جریج کے ساتھی نے کیا اور ان کے علاوہ حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے۔

حضرت مریمؑ اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں' اے اللہ مجھے بچہ کیسے ہو گا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں حاشاللہ' اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے۔ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ جو چاہے پیدا کر دے' اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریاؑ کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ يَفْعَلُ تھا یہاں لفظ يَخْلُقُ ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے۔ پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا' وہ جس کسی کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا' بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی۔ جیسے اور جگہ ہے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے۔ ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۴۸ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹

اللہ اسے لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا ○ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے میں پیٹ کے اندھے کو

اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا اور مردے کو جلا دیتا ہوں' اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو' میں تمہیں بتا دیتا ہوں' اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو ○

فرشتوں کا مریمؑ سے خطاب: ☆☆ (آیت:۴۸-۴۹) فرشتے حضرت مریمؑ سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا' حکمت سکھائے گا۔ لفظ حکمت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے' اور اسے توراۃ سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمرانؑ پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰؑ ہی پر اتری' چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ تھیں' انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا' اور اس بات کو کہنے کے لئے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی لی' اس کا پرندہ بنایا' پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا' یہ اللہ کے حکم اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے سبب تھا' حضرت عیسیٰؑ کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا۔ اَکْمَہ اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے اور رات کو دکھائی دے۔ بعض نے کہا' اَکْمَہ' اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائی دے اور رات کو دکھائی نہ دے' بعض کہتے ہیں بھینگا اور ترچھا اور کانا مراد ہے' بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو' یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال یہی ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے اس کی یہ صورت اور صورتوں سے اعلیٰ ہے۔ اَبْرَص سفید دانے والے کوڑھی کو کہتے ہیں۔ ایسے بیمار بھی اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ اچھے کر دیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ عزوجل کے حکم سے آپ زندہ کر دیا کرتے تھے۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر ہر زمانے کے نبی کو اس زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات حضرت باری عزّ سمہ نے عطا فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ نے آپ کو وہ معجزہ دیا جس سے تمام جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہوگئی اور انہیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ تو اللہ واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے۔ جادو ہرگز نہیں' چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا۔ کامل اطباء اور ماہر حکیم علم طب کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے۔ پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جس سے وہ سب عاجز تھے' بھلا مادر زاد اندھوں کو بالکل بینا کر دینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے اچھا کر دینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے۔ اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کر دینا' یہ کسی کے بس کی بات نہیں؟ صرف اللہ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں' ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے' اس وقت فصاحت و بلاغت' نکتہ رسی اور بلند خیالی اور بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا۔ اس فن میں بلند پایہ شاعروں نے وہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھکتی تھی پس حضورؐ کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں ماند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہو گیا کہ یہ انسانی کلام نہیں' تمام دنیا سے کہہ دیا گیا اور جتا جتا کر' بتا بتا کر' سنا سنا کر منادی کر کے بار بار اعلان کیا گیا کہ ہے کوئی جو اس جیسا کلام کہہ سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر سہی اور اچھا یہ بھی نہ سہی' ایک ہی سورت اس کی مانند تو بنا کر لاؤ لیکن سب کمریں ٹوٹ گئیں' ہمتیں پست ہو گئیں' گلے خشک ہو گئے' زبان گنگ ہو گئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا' بھلا کہاں اللہ کا کلام اور کہاں مخلوق؟

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

اور میں توراۃ کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ○ یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے' تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ○

(آیت:۵۰-۵۱) پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے بڑھتے گئے۔ پھر حضرت مسیحؑ کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کر کے دکھایا بھی کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر سے جو کچھ کھا کر آیا ہو' میں اسے بھی اللہ کی دی ہوئی اطلاع بتا دوں گا یہی نہیں بلکہ کل کے لئے بھی اس نے جو تیاری کی ہوگی مجھے اللہ کے معلوم کرانے پر معلوم ہو جاتا ہے' یہ سب میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں' وہ برحق ہے' ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا؟ میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا' اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کی گئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کئے ہیں گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے لیکن درست بات یہی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تورات کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان فرما دی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی۔ جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا وَلِاُبَیِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی اللہ جل شانہ کی دلیلیں موجود ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے' سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾

پس جب (حضرت) عیسیٰؑ نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا' ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم تابعدار ہیں ○ اے ہمارے پالنے والے اللہ' ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی۔ پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے ○ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے ○

پھانسی کون چڑھا؟ ☆☆ (آیت:۵۲-۵۴) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی' کج روی اور کفر و انکار سے یہ ہٹتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی طرف پہنچنے کے لئے میری تابعداری کرے' اس کا یہ مطلب بھی لیا

گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ کے ساتھ میرا مددگار بنے؟ لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کرنے کے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے؟ قریش تو کلام الٰہی کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرامؓ اس خدمت کے لئے کمربستہ ہوئے' آپ کو جگہ بھی دی۔ آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیر خواہی اور بے مثال ہمدردی کا مظاہرہ کیا' ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کر دیا اور حضور کی حفاظت' خیر خواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے' رضی اللہ عنہم و ارضاہم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیلیوں نے لبیک کہی۔ آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تائید کی۔ تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ نے ان پر اتارا تھا یعنی انجیل' یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے' بعض کہتے ہیں یہ شکاری تھے' صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو' جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیرؓ تیار ہو گئے۔ آپ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر بھی حضرت زبیرؓ نے ہی قدم اٹھایا۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے رضی اللہ عنہ۔ پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں' ہمیں شاہدوں میں لکھ لے' اس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک امت محمدؐ میں لکھ لینا ہے' اس تفسیر کی روایت سنداً بہت عمدہ ہے۔ پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دئے جانے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے' ملک میں بغاوت پھیلا رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے' باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے بلکہ اپنی خباثت' خیانت' کذب و جھوٹ (دروغ) میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا اور آپ پر بڑے بڑے بہتان باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا تا کہ انہیں گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دے۔ چنانچہ یہاں سے فوج جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے' اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے' ناکہ بندی کر کے گھر میں گھستی ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچا لیتا ہے۔ اس گھر کے روزن (روشن دان) سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا' یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰؑ سمجھ لیتے ہیں۔ گرفتار کر کے لے جاتے ہیں' سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں' یہی ان کے ساتھ اللہ کا مکر تھا کہ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو تو نجات دے دی تھی۔ اس بدبختی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے' باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی ڈوبے رہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں خفیہ تدبیریں کرنی آتی ہیں تو کیا ہم خفیہ تدبیر کرنا نہیں جانتے بلکہ ہم تو ان سے بہتر خفیہ تدبیریں کرنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں' قیامت کے دن تک' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے' میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا ○ پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ○ لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ○ یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں' آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ○

اظہار خود مختاری: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۸) قتادہؒ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا' پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا' ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں' وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت دن کے شروع میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا' ابن اسحاقؒ کہتے ہیں' نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا۔ پھر زندہ کر دیا' وہبؒ فرماتے ہیں' تین دن تک موت کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھالیا' مطر وراقؒ فرماتے ہیں' یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں۔ یہاں وفات موت مراد نہیں' اسی طرح ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَوَفّی سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے' جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے۔ یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا یعنی اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت جانوں کو فوت کرتا ہے اور جو نہیں مرتے' انہیں ان کی نیند کے وقت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّبِكُفْرِهِمْ سے شَهِيْدًا تک پڑھو جہاں فرمایا گیا ہے' ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا' مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے جبکہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسنؒ سے اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ مرے نہیں' وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔ پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں کی گرفت سے آزاد کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے۔ ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں'

بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔ اوروں نے آپ کو اللہ کہا دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتلایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی طرح رہے۔

پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فیلسوف تھا جس کا نام اسطفلین تھا' کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لئے منافقانہ انداز سے اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا ہو' بہر صورت اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تفسیر کی اس دین میں اور کمی زیادتی بھی کر ڈالی۔ بہت سے قانون ایجاد کئے اور امانت کبریٰ بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمینہ پن کی خیانت ہے' اسی نے اپنے زمانہ میں سور کو حلال کیا۔ اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے۔ اسی نے گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوا دیئے' غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین اسطفلین ہو گیا' اس نے ظاہری رونق تو خوب دی۔ بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوا دیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا' ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی ان کے ہاتھ تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو۔ اب جبکہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے' ان کا ایمان اللہ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا' اس کی کتابوں پر بھی تھا' اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا۔ پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد ﷺ' اس لئے کہ یہ نبی امی عربی' خاتم الرسول سید اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم برحق تعلیم' کو سچا ماننے کی تھی لہذا دراصل ہر نبی کے سچے تابعدار اور صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی لوگ تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ کی امت کہتے تھے تو دین عیسوی کو بالکل مسخ اور فسخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزمان کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا۔ پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے والا نہیں۔ اس لئے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غالب کر دیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے۔ ملک کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کٹر کافروں کی گردنیں مروڑ دیں' دولتیں ان کے پیروں میں آ گئیں۔ فتح و غنیمت ان کی رکابیں چومنے لگی' مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تخت انہوں نے الٹ دیئے' کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت اور ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں ویران اور سرد ہو گئے' قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزا چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبیؐ کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیا اور اللہ کے لکھے اور نبیؐ کے وعدے' چڑھے ہوئے سورج اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لئے' مسیح علیہ السلام کے نام کو بدنام کرنے والے' مسیح کے نام پر شیطانوں کو پوجنے والے' ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہلہاتے ہوئے باغات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بدحواس بھاگتے ہوئے روم میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل خوار کر کے نکال دیئے گئے اور ان شاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان پر غالب ہی رہیں گے۔ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر مہر الٰہی لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے' نہ کاٹے کٹے' نہ توڑے ٹوٹے' نہ ٹالے ٹلے' فرماتے ہیں کہ میری امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضے میں کرے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان کی لڑائی ہو گی کہ اس کی نظیر سے دنیا

خالی ہو (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ اس امت کا حامی و ناصر رہے اور روئے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے تاکہ یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی اور کی اطاعت کریں - یہی اسلام کی اصل ہے اور یہی عروج دنیوی کا گر ہے - میں نے سب کو علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے)

آگے اللہ کے قول پر نظر ڈالئے کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھ چڑھ کر باتیں بنا کر بہکنے والے نصرانیوں کو قتل و قید کی مار اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی سزا دی' اور آخرت کا عذاب وہاں دیکھ لیں گے جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد کر سکے گا لیکن برخلاف ان کے ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا' دنیا میں بھی فتح اور نصرت' عزت و حرمت عطا ہو گی اور آخرت میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی - اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے - پھر فرمایا اے نبی یہ تھی حقیقت حضرت عیسیٰ کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں' جیسے سورۂ مریم میں فرمایا' عیسیٰ بن مریم یہی ہیں' یہی سچی حقیقت ہے جس میں تم شک و شبہ میں پڑے ہو' اللہ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو - وہ اس سے بالکل پاک ہے' وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا' بس وہ ہو جاتا ہے' اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے -

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ع ۱۴

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا - پس وہ ہو گیا ○ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے - خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا ○ پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں - پھر ہم بہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ○ بالیقین صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بے شک و شبہ غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ○ پھر بھی اگر یہ قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے ○

اختیارات کی وضاحت اور نجرانی وفد کی روداد: ☆☆ (آیت: ۵۹-۶۳) حضرت باری جل اسمہ و علا قدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کون سی حیرانی کی بات ہے؟ میں نے حضرت آدم کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا - ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی' مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا' اسی وقت ہو گیا' پھر میرے لئے صرف ماں سے پیدا کرنا کون سا مشکل ہو سکتا ہے جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ اللہ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم بطریق اولیٰ اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے - پھر

حضرت عیسیٰ کو تو سب سے پہلے اس مرتبہ سے ہٹا دینا چاہئے کیونکہ ان کے دعوے کا جھوٹا ہونا اور خرابی اس سے بھی زیادہ یہاں ظاہر ہے۔ یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا اور عیسیٰؑ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا' اسی لئے سورۂ مریم میں فرمایا وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ہم نے عیسیٰؑ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ کا سچا فیصلہ یہی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے' پس تجھے اے نبیؐ ہرگز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہئے۔

اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑے تو تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مباہلہ کے لئے نکلیں اور اللہ سے عاجزی کے ساتھ کہیں کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو بھی جھوٹا ہو' اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما اس مباہلہ کے نازل ہونے اور سورت کی ابتداء سے یہاں تک کی ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ یہ لوگ یہاں آ کر حضورؐ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خدائی کے حصہ دار اور اللہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیتیں نازل ہوئیں۔ ابن اسحاقؒ اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں' ان کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد حضورؐ کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا' سید جس کا نام ایہم تھا' ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا' اور اوث بن حارث' زید' قیس' یزید اور اس کے دونوں لڑکے اور خویلد اور عمرو' خالد' عبداللہ اور محسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص تھے۔ عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جو ان کا لاٹ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا' یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی' اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر و مدارات اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے' یہ شخص حضورؐ کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفتیں پڑھ چکا تھا۔ دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا' اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے۔ یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے اور خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہؓ کہتے ہیں' ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا۔ ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبویؐ میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی' بعد نماز کے حضورؐ سے ان کی گفتگو ہوئی۔ ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے حارثہ بن علقمہ' عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے۔ حضرت مسیح کی نسبت ان کے تینوں خیال تھے یعنی وہ خود اللہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے۔ اللہ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا ہے۔ تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا۔ غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اس سے اللہ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ کی باتوں کے سچ ثابت ہونے پر اور حضرت

عیسیٰؑ کی نبوت پر مثبت دلیل ہو جائیں اللہ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بہ ظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں ہی بولنے لگے تھے۔ یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تا کہ لوگ اللہ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ۔ مترجم) اور تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے' ہم نے کیا' ہمارا امر' ہماری مخلوق' ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ پس اگر اللہ اکیلا ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا' میرا امر' میری مخلوق' میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں۔ خود اللہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لئے اور عظمت کے لئے ہے۔ مترجم) اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک و بلند ہے۔ ان کے تمام عقائد کی تردید قرآن کریم میں نازل ہوئی۔

جب یہ دونوں پادری حضورؐ سے بات چیت کر چکے تو آپؐ نے فرمایا' تم مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی' آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں' تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کر لو' وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں' فرمایا نہیں' تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو۔ صلیب کی پوجا کرتے ہو' خنزیر کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا' اچھا پھر یہ تو فرمایئے کہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ کون تھا؟ حضور تو اس پر خاموش رہے اور سورۂ آل عمران کی شروع سے لے کر اوپر اوپر تک کی آیتیں ان کے جواب میں نازل ہوئیں۔ ابن اسحاقؒ ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا' اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو' یہ سن کر وہ کہنے لگے' اے ابو القاسمؐ ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں۔ پھر تمہیں اس کا جواب دیں گے' اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ' تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت وہی ہے جو محمد (ﷺ) کی زبانی تم سن چکے ہو اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے' نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے رہتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں' یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا۔ پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپؐ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ صلاح مشورہ کر کے پھر دربار نبویؐ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے' اے ابو القاسم (ﷺ) ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ اپنے دین پر رہئے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں۔ آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اچھا تم دوپہر کو پھر آنا' میں تمہارے ساتھ کسی مضبوط امانت دار کو کر دوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے کسی دن بھی سردار بننے کی خواہش نہیں کی لیکن اس دن صرف اس خیال سے کہ حضورؐ نے جو تعریف کی ہے' اس کا تصدیق کرنے والا اللہ کے نزدیک میں بن جاؤں' اسی لئے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لئے چل پڑا' حضورؐ تشریف لائے' نماز ظہر پڑھائی' پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے' میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوتا تھا تا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں' آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑیں۔ انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو' چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طوالت ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے' نجرانی سردار عاقب اور سید ملاعنہ کے ارادے سے حضورؐ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا' یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے ملاعنہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا' حضرت آپ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں' ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ کسی امین شخص کو ہمارے ساتھ کر دیجئے اور امین کو ہی بھیجنا' آپ نے فرمایا بہتر۔ میں تمہارے ساتھ کامل امین کو ہی کروں گا' اصحاب رسول ایک دوسرے کو تکنے لگے کہ دیکھیں حضورؐ کس کا انتخاب کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اے ابوعبیدہ بن جراحؓ تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپؐ نے فرمایا' یہ ہیں اس امت کے امین' صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے' ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن کچل دوں گا' فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا' اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی' اگر وہ حضورؐ کے مقابلہ میں مباہلے کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے' صحیح بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو طویل تر بیان کیا ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے' سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طس قرآن میں نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُّحَمَّدِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اُسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وَلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وَّلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَّالسَّلَامُ

یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے خدا کے نام سے۔ یہ خط ہے محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں' نجران کے سردار کی طرف۔ میں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا معبود ہے۔ پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آؤ اور بندوں کی ولایت کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ۔ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو۔ اگر اس سے بھی انکار ہو تو تمہیں لڑائی کا اعلان ہے۔ والسلام۔

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو بڑا اسٹپٹایا' گھبرا گیا اور تھرانے لگا' جھٹ سے شرجیل بن وداعہ کو بلوایا جو ہمدان قبیلہ کا تھا۔ سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا' جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی ایہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا' جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضورؐ کا خط اسے دیا۔ جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا' بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرجیل نے کہا' بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے' کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو۔ امر نبوت میں کیا رائے دے سکتا ہوں۔ ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو بیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا'

اسقف نے انہیں تو الگ بٹھا دیا اور عبداللہ بن شرجیل کو بلایا۔ یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا' اسے خط دیا' پڑھایا' رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا' اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھا دیا' پھر جبار بن فیض کو بلایا جو بنو حارث میں سے تھا۔ اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا' بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں' آگ جلا دی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کر دیئے جائیں۔ وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کا کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اگر دن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلا دی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے' اس حکم کے ہوتے ہی چاروں طرف آگ جلا دی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کی وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے' اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا۔ اس میں تہتر گاؤں آباد تھے اور ایک لاکھ بیس ہزار تلوار چلانے والے یہاں آباد تھے۔ جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا' بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو تمام عقلمندوں نے کہا کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی' عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے' یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔

اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا' مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ بہت دیر تک انتظار کیا۔ حضورؐ کچھ بات کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا۔ اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے اور ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات تھی' مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پا لیا' ان سے واقعہ بیان کیا۔ تمہارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خط لکھا۔ ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے' آپ کے پاس گئے' سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی' آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے' اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں؟ ان دونوں نے حضرت علیؓ بن ابو طالب سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے' حضرت علیؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے حلے اور اپنی انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی معمولی لباس میں گئے' سلام کیا' آپؐ نے جواب دیا' پھر فرمایا' اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا۔

اب سوال جواب بات چیت شروع ہوئی' حضور بھی پوچھتے تھے اور وہ جواب دیتے تھے' اسی طرح وہ بھی سوال کرتے اور جواب پاتے' آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰؑ کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں' ہمیں اس کی خوشی ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا' میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں۔ تم ٹھہرو تو میرا رب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا' وہ میں تمہیں سنا دوں گا۔ دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ان مثل عیسی کی کاذبین تک تلاوت کر سنائی۔ انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ ملاعنہ کے لئے حضرت حسنؓ کو اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے۔ پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ آ رہی تھیں' اس وقت آپ کی کئی ایک بیویاں تھیں' شرجیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا' تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو

مانتی ہے اور میری رائے پر کار بند ہوتی ہے' سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص (ﷺ) مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے' یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت و آفت آئے گی' عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا نہ رہے گا' اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا' پھر اے ابو ویہم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں۔ جو کچھ یہ حکم دے' ہم اسے منظور کر لیں' یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا' ان دونوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ اب شرجیل نے حضورؐ سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں' آپ نے دریافت فرمایا' وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں ہمیں منظور ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلے کو نہ مانیں' شرجیل نے کہا' اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمالیجئے' آپ نے ان دونوں سے پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ سارے وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں۔ وہاں ایک بھی ایسا نہیں جو ان کے فیصلے کو ٹال سکے' پس حضورؐ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ ملاعنہ نہ کیا اور واپس لوٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ایک تحریر انہیں لکھ دی کہ جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا کہ تحریر اللہ کے نبی محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے' ان پر اللہ کے رسول کا حکم جاری تھا ہر پھل اور ہر سفید و سیاہ میں اور ہر غلام میں' لیکن اللہ کے رسول یہ سب انہی کو دیتے ہیں' یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دے دیا کریں۔ ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں وغیرہ وغیرہ۔ پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سن ۸ ہجری میں آیا تھا اس لئے کہ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضورؐ کو ادا کیا اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ الخ' اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں ملاعنہ کے لئے کہا اور صبح کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو لئے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا' انہوں نے قبول نہ کیا اور خراج دینا منظور کر لیا' آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں ''نہیں'' کہتے تو ان پر یہی وادی آگ برساتی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں نَدْعُ اَبْنَآءَنَا والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اَنْفُسَنَا سے مراد خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علیؓ اَبْنَآءَنَا سے مراد حسنؓ اور حسینؓ' نِسَآءَنَا سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے۔

پھر جناب باری کا ارشاد ہے' یہ جو ہم نے عیسیٰؑ کی شان بیان فرمائی ہے' حق اور سچ ہے' اس میں بال برابر کمی بیشی نہیں' اللہ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے' اب بھی اگر یہ منہ پھیر لیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے' انہیں بدترین سزا دے گا' اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے' وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے ہم اس کے عذاب سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں' پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں ○

یہودیوں اور نصرانیوں سے خطاب: ☆☆ (آیت:۶۴) یہودیوں' نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے' کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے' جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر سَوَآءٍ الخ' کے ساتھ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ سَوَآءٍ کے معنی عدل وانصاف جیسے ہم کہیں ہم تم برابر ہیں' پھر اس کی تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں۔ صلیب' تصویر' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو' نہ آگ کو نہ اور کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں' یہی عبادت تمام انبیاء کرام کی تھی۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے بھیجا' سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ اعلان کروایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سب سے بچو۔ پھر فرماتا ہے کہ آپس میں بھی ہم اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں' ابن جریجؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں' کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ نہ کریں' پھر اگر یہ لوگ اس حق اور عدل کی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں تم اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنالو' ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے' جس میں ہے کہ ابوسفیان جبکہ دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور ﷺ کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں کافر اور دشمن رسولؐ ہونے کے باوجود آپ کی خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دینا پڑا' یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے' اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) بدعہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں کرتے' لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے' نہیں معلوم اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضورؐ کا نامہ مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں بِسْمِ اللّٰہِ کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمدؐ کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں' (ﷺ) ہرقل کی طرف جو روم کا شاہ ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا تابعدار ہو' اس کے بعد لکھا' اسلام قبول کر۔ سلامت رہے گا' اسلام قبول کر' اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رئیسوں کے گناہوں کا بوجھ تجھ پر پڑے گا' پھر یہی آیت لکھی تھی۔ امام محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۂ آل عمران کو شروع سے لے کر ''انی'' سے کچھ اوپر تک آیتیں وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس بات میں بھی مطلقاً اختلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے' پس یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو پھر فتح سے پہلے حضورؐ نے اپنے خط میں ہرقل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کے جواب کئی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ اتری ہو' اول حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے شروع سورت سے لے کر اس آیت تک وفد نجران کے بارے میں اتری ہو یا یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو' اس صورت میں ابن اسحاق کا یہ فرمانا کہ اسی کے اوپر کی کچھ آیتیں اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں' یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو' یہ صرف

مباہلہ سے بچنے کیلئے بطور مصالحت کے ہو نہ کہ جزیہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیہ اس واقعہ کے بعد اتری جس سے اس کا اتفاقاً الحاق ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر سے پہلے غزوے کے مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر دوسرے حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے' پھر اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کی آیتیں بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہرقل کو بھیجا' اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو۔ پھر آنحضرتؐ کے الفاظ ہی میں وحی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری' اور بدوی قیدیوں کے بارے میں انہی کے ہم خیال فرمان باری نازل ہوا' اسی طرح منافقوں کا جنازہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی' چنانچہ مقام ابراہیم کے مصلے بنانے سے متعلق بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی اور عَسٰی رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ بھی انہی کے خیال سے متعلق آیت اتری' پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہی اتری ہو' یہ بہت ممکن ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توراۃ و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا۔ پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق یہودی اور نصرانی دعوے کی تردید: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۶) یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے اور نصرانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے کہتے تھے اور آپس میں اس پر بحث مباحثے کرتے رہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعوے کی تردید کرتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضورؐ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا' ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہم میں سے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو! تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانے میں نہ موسیٰؑ تھے نہ توراۃ' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب توراۃ شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے' اسی طرح اے نصرانیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی' کیا تم اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کی اس بے علمی کے جھگڑے پر رب دو عالم انہیں ملامت کرتا ہے اگر تم بحث و مباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی' تم تو اس بارے میں گفتگو کرتے ہو جس کا دونوں کو مطلق علم ہی نہیں۔ تمہیں چاہئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو' اسے اس علیم اللہ کے حوالے کر دو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے' اسی لئے فرمایا اللہ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

اور تم نہیں جانتے' ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یکطرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے ○ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے' مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے ○

دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے' وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان کے مالک تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے' یہ آیت اس آیت کی مثل ہے جو سورۂ بقرہ میں گذر چکی السلام کو وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی بننے میں ہدایت ہے۔ پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری کے حقدار ان کے دین پر ان کے زمانے میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین وانصار ہیں اور پھر جو بھی ان کی پیروی کرتے رہیں قیامت تک' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کے ولی دوست نبیوں میں سے ہوتے ہیں' میرے ولی دوست انبیاء میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ) پھر فرمایا جو بھی اللہ کے رسول پر ایمان رکھے' وہی ان کا ولی اللہ ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ○ اے اہل کتاب تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کفر کیوں کر رہے ہو؟ ○ اے اہل کتاب باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ○ اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں ○

یہودیوں کا حسد: ☆☆ (آیت: ۶۹-۷۲) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے کیسے جل بھن رہے ہیں۔ انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کر رہے ہیں' کیسے کیسے مکر و فریب کے جال بچھاتے ہیں' حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے' لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سچائی جانتے ہوئے بھی' حق

کو پہچانتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے منکر ہو رہے ہو۔ علم کے باوجود یہ بدخصلت بھی ان میں ہے کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں ان کو چھپا لیتے ہیں۔ بہکانے کی جو صورتیں بناتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں مشورے کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گزرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں کوئی خرابی یا برائی ہی دیکھی ہوگی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے غرض یہ ایک حیلہ جوئی تھی کہ شاید اس سے کوئی کمزور ایمان والا لوٹ جائے اور سمجھ لے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے نمازیں پڑھیں اس کے بعد اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا ہوگا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں پر کرو مسلمانوں پر نہ کرو نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو نہ اپنی کتابیں انہیں بتاؤ جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کیلئے ہم پر حجت بن جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوٓا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰٓ أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَآءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ تو کہہ کہ بیشک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیئے گئے ہو یا تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے اسے دے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے ○ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○ بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں ○

ہدایت اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت:۳:۷۳) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اے نبی کہہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کیلئے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو۔ انہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے چاہے تم نبی امی ﷺ کی صفتیں چھپاتے پھرو لیکن پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ کی نبوت کے ظاہری نشان کو بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔ اسی طرح کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ

سے تم سے بھی بڑھ جائیں' یا اللہ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تمہیں الزام دیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے' سب کام اسی کے قبضے میں ہیں' وہی دینے والا ہے۔ جسے چاہے ایمان و عمل اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرا اور صحیح سمجھ سے محروم کر دے' اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں' وہ وسیع علم والا ہے' جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے' وہ بڑے فضل والا ہے' اے مسلمانو! اس نے تم پر بے پایاں احسانات کئے ہیں۔ تمہارے نبی کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تمہیں دی۔

بددیانت یہودی: ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۵) اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودیوں کی خیانت پر کرتا ہے کہ ان کے دھوکے میں نہ آ جائیں۔ ان میں بعض تو امانتدار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں' بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے۔ پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بددیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بددیانت ہیں کہ ایک دینار بھی واپس نہ دیں۔ ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ' تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم بھی کر جائیں۔ جب ایک دینار پر یہ بددیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے' لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورت کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے' ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینارؒ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے' مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین' ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالہ میں بہت پوری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے' اس نے کہا۔ گواہ لاؤ' کہا اللہ کی گواہی کافی ہے' اس نے کہا ضامن لاؤ' اس نے کہا ضمانت بھی اللہ ہی کی دیتا ہوں' وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دے دی' وہ اپنے دریائی سفر میں نکل گیا جب کام کاج سے نپٹ گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تا کہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا' پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے' تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دے دیئے' اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دے دوں لیکن نہ ملی۔ پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے' یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چلا آیا' لکڑی پانی میں ڈوب گئی' یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے۔ ادھر قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شاید مقروض کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو۔ جب دیکھا کہ کوئی کشتی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کو جو کنارے پر پڑی ہوئی تھی' یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ جلانے کے کام آئے گی' گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکلا کچھ دنوں بعد قرض دینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے ہر چند کوشش کی کہ کوئی سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی' اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ نے مجھے پہنچا دی ہے' تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔ یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ اسناد کے حوالوں کے ساتھ بھی ہے۔ علاوہ ازیں اور کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے' حقدار کے حق کو نہ ادا کرنے پر آمادہ کرنے والا سبب ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بددینوں' ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں۔ ہم پر یہ مال

حلال ہے جس پر اللہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ پر الزام ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل پسند باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی یا کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسے لینے میں کوئی حرج نہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ ذمیوں کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں۔ ہاں وہ اپنی خوشی سے دے دیں تو اور بات ہے (عبدالرزاق) سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب سے حضور علیہ السلام نے یہ بات سنی تو فرمایا دشمنان الٰہ جھوٹے ہیں جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں اور امانت تو ہر فاسق و فاجر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا
خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرے اور پرہیزگاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○

متقی کون؟ ☆☆ (آیت: ۷۶) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اہل کتاب ہو کر ڈرتا رہے پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرتؐ پر ایمان لائے اس عہد کے مطابق جو تمام انبیاء سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی لازم ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے اس کی شریعت کی اطاعت کرے رسولوں کے خاتم اور انبیاء کے سردار حضرت محمد ﷺ کی پوری تابعداری کرے وہ متقی ہے اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

جھوٹی قسم کھانے والے: ☆☆ (آیت: ۷۷) یعنی جو اہل کتاب اللہ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کرے گا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا۔ نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن میں سے کچھ یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن سے تو نہ اللہ جل شانہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہؐ یہ تو بڑے گھاٹے

اور نقصان میں پڑے' حضورؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا' جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا' دے کر احسان جتانے والا' مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

(۲) مسند احمد میں ہے ابو احمس فرماتے ہیں' میں حضرت ابوذرؓ سے ملا۔ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں تو فرمایا سنو' میں رسول اللہؐ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضورؐ سے سن لیا ہو تو کہئے وہ حدیث کیا ہے؟ جواب دیا' یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ ذوالکرم دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن' تو فرمانے لگے۔ ہاں یہ حدیث میں نے بیان کی ہے اور میں نے حضورؐ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے' فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ سبحانہ کے مقابلے میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینہ چھلنی کروالے یا فتح کر کے لوٹے' دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ سفر میں ہے۔ بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے پڑاؤ ڈالا تو سب سو گئے اور یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اسے ایذا پہنچاتا ہو اور وہ اس پر صبر وضبط کرے یہاں تک کہ موت یا سفران دونوں میں جدائی کرے' میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے۔ فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر' اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے' یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

(۳) مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امرؤالقیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضرمی شخص سے زمین کے بارے میں تھا جو حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا تو آپؐ نے فرمایا اب کندی قسم کھالے تو حضرمی کہنے لگا' یا رسول اللہؐ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے جائے گا۔ آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کرلے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا' اللہ اس سے ناخوش ہو گا' پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امرؤ القیسؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ اگر کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ گواہ رہئے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑی۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی مسلمان کا مال چھین لے تو اللہ جل جلالہ سے جب ملے گا تو اللہ عزوجل اس پر سخت غضبناک ہو گا' حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے۔ ایک یہودی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی۔ اس نے میرے حصہ کی زمین کا انکار کر دیا میں اسے خدمت نبویؐ میں لایا' حضورؐ نے مجھ سے فرمایا' تیرے پاس کچھ ثبوت ہے۔ میں نے کہا نہیں' آپ نے یہودی سے فرمایا' تو قسم کھالے' میں نے کہا حضور یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا' پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی' یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔

(۵) مسند احمد میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے' وہ اللہ ذوالجلال سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا' وہیں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور فرمانے لگے ابو عبدالرحمٰن آپ کون سی حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دہرا دی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمائی ہے' میرے اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضے میں تھا۔ حضورؐ کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ میں نے کہا یا حضرت میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس کی قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا' میرا مقابل تو فاجر شخص ہے۔ اس وقت حضورؐ نے یہ حدیث بھی بیان

فرمائی اوراس آیت کی بھی تلاوت کی۔

(۶) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا' پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والے اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کرے۔

(۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ وہ اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تا کہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے' پس یہ آیت نازل ہوئی' صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔

(۸) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں سے جناب باری تقدس وتعالیٰ قیامت والے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ درد کے عذاب ہیں- ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا' دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے' تیسرا وہ جو مسلمان بادشاہ سے بیعت کرتا ہے- اس کے بعد اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے' اگر نہیں دیتا تو نہیں کرتا ہے' یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں-

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تا کہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو اور دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں' وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ○

غلط تاویل اور تحریف کرنے والے لوگ: ☆☆ (آیت:۷۸) یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ عبارت کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیتا ہے' یعنی اللہ کی کتاب بدل دیتا ہے' اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے' پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا ہے اور جھوٹ بکتا ہے' زبان موڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے- حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف اور ازالہ کر دیتے تھے' مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو اللہ کی کسی کتاب کا لفظ بدل دے مگر یہ لوگ تحریف اور بے جا تاویل کرتے تھے- وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ وانجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں- ایک حرف بھی ان میں سے اللہ نے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف اور تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لی ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں- اللہ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں (ابن ابی حاتم)

حضرت وہبؒ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو عربی زبان میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں' کہیں مضمون کو کم کر دیا گیا ہے' کہیں بڑھا دیا گیا ہے اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھران سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں سے اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں' اور اگر حضرت وہبؒ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو درحقیقت اللہ کی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و سالم ہے اس میں کمی و زیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۗ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے' یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو کہے گا کہ) تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب ○ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا ○

مقصد نبوت: ☆☆ (آیت: ۷۹-۸۰) رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہودیوں اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو ابو رافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی' ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے "رئیس" کہا جاتا تھا' یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی خواہش ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ نہ ہم خود اللہ واحدہ لاشریک کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ حاکم اعلیٰ کا یہ حکم۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ کسی انسان کو کتاب وحکمت اور نبوت ورسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے' جب انبیائے کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی' فضیلت اور مرتبے والے ہیں' یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے' اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں ادنی مومن سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے' یہاں یہ اس لئے فرمایا' یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے۔

قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ' یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔ مسند ترمذی کی وہ حدیث بھی آرہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی۔ پس جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں داخل

ہیں رسولؐ اور ان کی اتباع کرنے والے علماء کرام اس سے یکسو ہیں۔ اس لئے کہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان اور کلام رسولؐ کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیاء کرام روک گئے ہیں' اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیاء تو خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں' حق رسالت ادا کرتے ہیں اور اللہ کی امانت احتیاط کے ساتھ بندگان رب عالم کو پہنچا دیتے ہیں۔ نہایت بیداری' مکمل ہوشیاری' کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ وہ ساری مخلوق کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ احکام رب رحمٰن کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے' علم والے اور حلم والے بن جائیں۔ سمجھدار' عابد و زاہد' متقی اور پارسا ہیں۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ باسمجھ ہوں تَعْلَمُوْنَ اور تُعَلِّمُوْنَ دونوں قرات ہیں پہلے کے معنی ہیں' معنی سمجھنے کے' دوسرے کے معنی ہیں تعلیم حاصل کرنے کے تَدْرُسُوْنَ کے معنی ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو بھیجا ہوا' خواہ فرشتہ ہو قرب الٰہ والا' یہ تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے اور جو ایسا کرے' وہ کافر ہوا اور کفر نبیوں کا کام نہیں' ان کا کام تو ایمان لانا ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا' اور یہی نبیوں کی دعوت ہے۔ جیسے خود قرآن فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے' سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ تم سب میری عبادت کرتے رہو اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو' ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لو۔ کیا ہم نے اپنی ذات رحمان کے سوا ان کی عبادت کیلئے کسی اور کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ الخ' ان میں سے اگر کوئی کہہ دے کہ میں معبود ہوں بجز اللہ تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے' فرمایا کیا تم اس کے اقراری ہو؟ اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو' سب نے کہا ہاں ہمیں اقرار ہے فرمایا تو آپ گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ○ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں ○

انبیاء سے عہد و میثاق: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۲) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے تمام انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کتاب و حکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس

کے بعد اسی کے زمانے میں (آخری) رسولؐ آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و امداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ اپنے علم و نبوت کی وجہ سے اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے' پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور اسی عہد و میثاق پر مجھے ضامن ٹھہراتے ہو۔ سب نے کہا' ہاں ہمارا اقرار ہے تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' بے حکم اور بدکار ہے۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کرے کہ وہ بھی حضورؐ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری میں لگ جائے۔ طاؤسؒ' حسن' بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں' نبیوں سے اللہ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں' کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے۔ اسی لئے حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' یا رسول اللہ میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں انہیں پیش کروں۔ حضور کا چہرہ متغیر ہو گیا' حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم نہیں دیکھتے کہ آپ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے' میں اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمدؐ کے رسول ہونے پر خوش ہوں (ﷺ) اس وقت حضورؐ کا غصہ دور ہوا' اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر حضرت موسیٰؑ تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ' تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔

مسند ابویعلی میں لکھا ہے' اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو' وہ خود گمراہ ہیں تو تمہیں راہ راست کیسے دکھائیں گے بلکہ ممکن ہے تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا حق کی تکذیب کر بیٹھو' اللہ کی قسم اگر موسیٰ بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا' بعض احادیث میں' اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا' پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانے میں بھی آپ کی نبوت ہوتی' آپ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیاء کی تابعداری پر جو اس وقت ہوں' آپ کی فرمانبرداری مقدم رہتی' یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کے امام آپ ہی بنائے گئے' اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو انجام تک پہنچانے میں آپ ہی شفیع ہوں گے۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں' تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے' قیامت کے دن تک' آمین۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا پس اللہ کے دین کے سوااور دین کی تلاش میں ہیں؟ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو بھی سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O تو کہہ دے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیلؑ اور اسحاق اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا' سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے نبی اللہ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں O جو شخص اسلام کے سوااور دین تلاش کرے' اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا O

اسلامی اصول اور روز جزا: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۵) اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرنا' کوئی شخص کسی اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے' اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا الخ' یعنی زمین وآسمان کی تمام تر مخلوق اللہ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً' اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ الخ' کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتی ہیں' آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے کوئی بھی تکبر نہیں کرتا۔ سب کے سب اپنے اوپر والے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں' بجالاتے ہیں' پس مومنوں کا تو ظاہر و باطن' قلب وجسم دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور کافر بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور جبراً اللہ کی جانب جھکا ہوا ہے۔ اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت ومشیت اللہ کے ماتحت ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں' اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ کے فرمان گزار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں' یہ بھی بہ شوق تمام اللہ کے زیر فرمان ہیں' اور ناخوشی سے فرماں بردار وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں' یہ لوگ جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں سے تعجب ہوتا ہے جو زنجیروں اور رسیوں سے باندھ کر جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اس حدیث کی اور سند بھی ہے' لیکن اس آیت کے معنی تو وہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ آیت اس آیت جیسی ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر تو ان سے پوچھ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا اور آخر کار سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے یعنی قیامت والے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ اور قرآن پر ایمان لائے اور ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر جو صحیفے اور وحی اتری' ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولاد پر جو اترا' اس پر بھی ہمارا ایمان ہے' اَسْبَاط سے مراد بنو اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوبؑ کی نسل میں سے تھے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے' حضرت موسیٰؑ کو تورات دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل' اور بھی جتنے انبیاء کرام

اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہمارا ان سب پر ایمان ہے ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے یعنی کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں پس اس امت کے مومن تمام انبیاء اور اللہ تعالیٰ کی کل کتابوں کو مانتے ہیں۔ کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے ہر کتاب اور ہر نبی کے سچا ماننے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ دین اللہ کے سوا جو شخص کسی اور راہ چلے وہ قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں وہ نقصان میں رہے گا۔ جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے نماز آ کر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں جواب ملے گا تو بھی خیر پر ہے روزہ آ کر کہے گا میں روزہ ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو بھی بہتری پر ہے پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا پھر اسلام حاضر ہوگا اور کہے گا اے اللہ تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ فرمائے گا تو خیر پر ہے۔ آج تیرے ہی اصولوں پر سب کو جانچوں گا پھر سزا یا انعام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ الخ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد کافر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا ○ ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں۔ نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے ○ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

توبہ اور قبولیت: ☆☆ (آیت:۸۶-۸۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک انصار مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا۔ پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیتیں اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا (ابن جریرؒ) نسائی حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام حاکمؒ اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارث بن سویدؓ نے اسلام قبول کیا پھر قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیتیں اتریں اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیتیں اسے پڑھ سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے اللہ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے پھر وہ حضورؐ

کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔ بینات سے مراد رسول کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے رسول کی حقانیت مان چکے دلیلیں دیکھ چکے پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے ہوئے اندھے پن کو انہوں نے پسند کیا' اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا' انہیں اللہ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی ہمیشہ لعنت کرتی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ موقوفی' پھر اپنا لطف و احسان رافت و رحمت کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بداعمال کی اصلاح کر لے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں' پھر کفر میں بڑھ جائیں' ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی' یہی گمراہ لوگ ہیں ○ ہاں ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں' ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں ○

جب سانس ختم ہونے کو ہوں تو توبہ قبول نہیں ہوگی: ☆☆ (آیت:۹۰-۹۱) ایمان کے بعد پھر اسی کفر پر مرنے والوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی جیسے اور جگہ ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ الخ' آخر دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں' وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں اور یہی یہاں ہے کہ ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل راہ پر لگ گئے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے' پھر مرتد ہو گئے' پھر اسلام لائے۔ پھر مرتد ہو گئے۔ پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر بھجوایا کہ کیا اب ہماری توبہ قبول ہے؟ انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا' اس پر یہ آیت اتری (بزار) اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہو' نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز' غلام آزاد کرنے والا اور کھانا پینا دینے والا شخص تھا' کیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِيْئَتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ نہیں کہا یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت والے دن بخش' جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع اور فرمایا لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ اس دن نہ خرید و فروخت نہ مروت و محبت۔ اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ الخ' یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے' ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے۔ ان تکلیف والے المناک عذابوں کو سہنا پڑے گا' یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض نے وَلَوِ افْتَدٰى کی واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف کی ماننا اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی' بہت بہتر ہے واللہ اعلم' پس

ثابت ہوا کہ اللہ کے عذاب سے کفار کو کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی چاہے وہ بڑے نیک اور نہایت سخی ہوں۔ گو زمین بھر بھر کر سونا راہ اللہ لٹائیں یا پہاڑوں اور ٹیلوں کی مٹی اور ریت' نرم زمین اور سخت زمین کی خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذاب کے بدلے دینا چاہیں یا دیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیئے میں دے ڈالے گا۔ وہ کہے گا ہاں' تو جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا' میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدمؑ کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو شرک کئے بغیر نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا' ایک ایسے جنتی کو لایا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا اور کچھ مانگنا ہو تو مانگو' دل میں جو تمنا ہو کہو' تو یہ کہے گا باری تعالیٰ میری صرف یہی تمنا ہے اور میرا یہی ایک سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے' میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں' پھر زندہ ہو جاؤں' پھر شہید کیا جاؤں' دس مرتبہ ایسا ہی ہو' کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہوگا۔ اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تو نے اپنی جگہ کیسے پائی؟ وہ کہے گا اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے باری تعالیٰ' اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا' تو جھوٹا ہے' میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا' پس یہاں فرمایا' ان کیلئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے اپنے آپ کو چھڑا سکے یا کوئی ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے نجات دے۔ آمین)

چند اہم مضامین کی فہرست

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو' ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے۔ تم جو کچھ خرچ کرو' اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں ○ تورات کے نزول سے پہلے حضرت یعقوبؑ نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور پڑھ سناؤ ○

سب سے زیادہ پیاری چیز اور صدقہ : ☆☆ (آیت:۹۲) حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں' بر سے مراد جنت ہے یعنی اگر تم اپنی پسند کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو گے تو تمہیں جنت ملے گی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ مالدار صحابی تھے۔ مسجد کے سامنے ہی بیرحا نامی آپ کا ایک باغ تھا جس میں کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہاں کا خوش ذائقہ پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہؐ میرا تو سب سے زیادہ پیارا مال یہی باغ ہے۔ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے راہ للہ صدقہ کیا' اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا فرمائے اور اپنے پاس اسے میرے لئے ذخیرہ کرے۔ آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں' اسے تقسیم کر دیں۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے' مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا' تم اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو' چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضورؐ مجھے اپنے تمام مال میں سب سے زیادہ مرغوب مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے۔ میں اسے راہ للہ دینا چاہتا ہوں' فرمایئے کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا' اسے وقف کر دو' اصل روک لو اور پھل وغیرہ راہ للہ کر دو۔ مسند بزار میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس آیت کی تلاوت کر کے سوچا تو مجھے کوئی چیز ایک کنیز سے زیادہ پیاری نہ تھی' میں نے اس لونڈی کو راہ للہ آزاد کر دیا' اب تک بھی میرے دل میں اس کی ایسی محبت ہے کہ اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے نام پر دے کر پھر لوٹا لینا جائز ہوتو میں کم از کم اس سے نکاح کر لیتا۔

بارگاہ رسالتؐ میں یہودی وفد : ☆☆ (آیت:۹۳) مسند احمد میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم آپ سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں جن کے جواب نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا پوچھو لیکن پہلے تم لوگ وعدہ کرو اگر میں صحیح صحیح جواب دے دوں تو تمہیں میری نبوت کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا کہ اگر آپ نے سچے جواب دیئے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے' ساتھ ہی انہوں نے بڑی قسمیں بھی کھائیں پھر پوچھا کہ بتایئے حضرت اسرائیلؑ نے کیا چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ اور نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جب حضرت اسرائیلؑ سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گا تو میں سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا' جب شفایاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا' مرد کا پانی سفید

رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے' دونوں میں سے جو اوپر آ جائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے اور شکل و شباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امیؐ کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاء کے پاس بھی آتا رہا یعنی جبرئیل علیہ السلام' بس اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ کوئی اور فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے' انہی کے بارے میں آیت مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ' نازل ہوئی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیلؑ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔ جبریلؑ کا نام سن کر کہنے لگے' وہ تو عذاب اور جنگ و جدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے' اگر پیداوار اور بارش کے فرشتے حضرت میکائیلؑ آپ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ حضرت یعقوبؑ کی روش پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ اس آیت کو اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیلؑ نے اپنی چہیتی چیز اللہ کی نذر کر دی' اسی طرح تم بھی کیا کرو لیکن یعقوبؑ کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو نام اللہ پر ترک کر دیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر خرچ کر دیا کریں' جیسے فرمایا وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ اور فرمایا يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ پہلی آیتوں میں نصرانیوں کی تردید تھی تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے۔ ان کے رد میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا' یہاں نسخ کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کی کتاب میں صاف موجود تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا تو ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی چنانچہ توراۃ میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی' اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں۔ یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداء جائز ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا' عورتوں پر لونڈیوں سے نکاح کرنا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا' خود حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ پر حضرت ہاجرہؑ کو لائے لیکن پھر توراۃ میں اس سے روکا گیا' دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوبؑ کے گھر میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراۃ میں یہ حرام ہو گیا۔ اسی کو نسخ کہتے ہیں' اسے وہ دیکھ رہے ہیں۔ اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور ان کے بعد ختم المرسلینؐ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں' تو یہاں فرمایا کہ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل علیہ السلام نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا' تم توراۃ لاؤ اور پڑھو' اس میں موجود ہے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں' کہہ دو کہ اللہ سچا ہے۔ تم سب ابراہیمؑ حنیف کی پیروی کرو جو مشرک نہ تھے ○

(آیت:۹۵) پھر اس کے باوجود تمہاری یہ بہتان بازی اور افتراپردازی کہ اللہ نے ہمارے لئے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کیلئے عید کا مقرر کیا ہے اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراۃ ہی کے عامل رہیں اور کسی اور نبی کو نہ مانیں' یہ کس قدر ظلم و ستم ہے' تمہاری یہ باتیں اور تمہاری یہ روش یقیناً تمہیں ظالم و جابر ٹھہراتی ہے۔ اللہ نے سچی خبر دے دی' ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے۔ تم اس کتاب اور اس نبی کی پیروی کرو' ان سے اعلیٰ کوئی نبی ہے نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی اور شریعت ہے' جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اے نبی تم کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے موحد ابراہیمؑ حنیف کے مضبوط دین کی سیدھی راہ دکھا دی ہے۔ اور جگہ ہے کہ ہم نے تیری طرف وحی کی کہ موحد ابراہیمؑ حنیف کے دین کی تابعداری کر۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا' وہ ہے جو مکہ شریف میں ہے۔ جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے' جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے۔ اس میں جو آ جائے' امن والا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں ○ اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے ○

ذکر بیت اللہ اور احکامات حج: ☆☆ (آیت:۹۶-۹۷) یعنی لوگوں کی عبادت' قربانی' طواف' نماز' اعتکاف وغیرہ کیلئے اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس کے بانی حضرت ابراہیم خلیلؑ ہیں' جن کی تابعداری کا دعویٰ یہود و نصاریٰ' مشرکین اور مسلمان سب کو ہے۔ وہ اللہ کا گھر جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے اور بلاشبہ خلیل اللہ ہی حج کے پہلے منادی کرنے والے ہیں تو پھر ان پر تعجب اور افسوس ہے جو ملت حنفی کا دعویٰ کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں' حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلہ اور کعبہ الگ الگ بناتے پھریں۔ اس بیت اللہ کی بنیادوں میں ہی برکت و ہدایت ہے اور تمام جہان والوں کیلئے ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام' پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد بیت المقدس' پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا چالیس سال' پوچھا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے' نماز پڑھ لیا کرو' ساری زمین مسجد ہے (مسند احمد و بخاری و مسلم)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں' گھر تو پہلے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلا یہی ہے' کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا نہیں۔ ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر یہی پہلا ہے' بیت اللہ شریف

کے بنانے کی پوری کیفیت سورۂ بقرہ کی آیت وَعَهِدْنَا اِلَى اِبْرٰهِيْمَ الخ' کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے- وہیں ملاحظہ فرما لیجئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' سدیؒ کہتے ہیں' سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا لیکن صحیح قول حضرت علیؓ کا ہی ہے اور وہ حدیث جو بیہقی میں ہے' جس میں ہے کہ آدم وحوا نے بحکم الله بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے' یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں- ممکن ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے' انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو- ''مکہ'' مکہ شریف کا مشہور نام ہے- چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں' ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا' اس لئے اسے مکہ کہا گیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مرد ان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''فج'' سے ''تنعیم'' تک مکہ ہے- بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے- بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے' بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے' اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق' بیت الحرام' بلد الامین' بلد المامون' ام رحم' ام القری' صلاح' عرش' قادس' مقدس' ناسہ' ناسسہ' حاطمہ' راس' کوثا البلدہ البنیۃ الکعبہ- اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت وشرافت کی دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بناء یہی ہے- اس میں مقام ابراہیم بھی ہے' جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے' یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ پوری طرح طواف ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کیلئے پریشانی اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو' اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے فالحمد للہ-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے' باقی اور بھی ہیں' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے' یہ بھی آیات بینات میں سے ہیں' کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے- اس میں آنے والا امن میں آ جاتا ہے' جاہلیت کے زمانے میں بھی مکہ امن والا رہا' باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں' بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا- اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا الخ' کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا- اور جگہ ہے وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ الخ' ہم نے انہیں خوف سے امن دیا نہ صرف انسان کیلئے امن ہے بلکہ شکار کرنا بلکہ شکار کو بھگانا' اسے خوفزدہ کرنا' اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور اڑانا بھی منع ہے- اس کے درخت کاٹنا یہاں کی گھاس اکھیڑنا بھی ناجائز ہے- اس مضمون کی بہت سی حدیثیں پورے بسط کے ساتھ آیت وَعَهِدْنَا الخ' کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں-

مسند احمد' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے- اگر میں زبردستی تجھ سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز تجھے نہ چھوڑتا' اور اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جو اس گھر میں داخل ہوا' وہ جہنم سے بچ گیا' بیہقی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے' جو بیت اللہ میں داخل ہوا' وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا' اور گناہ بخش دیا گیا لیکن اس کے ایک راوی عبداللہ بن مؤمل قوی نہیں ہیں-

آیت کا یہ آخر حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ الخ' والی آیت دلیل فرضیت ہے لیکن پہلی بات زیادہ واضح ہے۔ کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے' اس کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا' لوگو تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے' تم حج کرو' ایک شخص نے پوچھا حضور کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا' پھر بجا نہ لا سکتے' میں جب خاموش رہوں تو تم کرید کر پوچھا نہ کرو' تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء سے سوالوں کی بھرمار اور نبیوں پر اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' میرے حکموں کو طاقت بھر بجا لاؤ اور جس چیز میں منع کروں' اس سے رک جاؤ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابسؓ تھے اور حضورؐ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔

ایک روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ الخ' یعنی زیادتی سوال سے بچو' نازل ہوئی (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال حج واجب ہوتا تم بجا نہ لا سکتے تو عذاب نازل ہوتا (ابن ماجہ) ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضورؐ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کیلئے جائز فرمایا تھا' ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں امہات المومنین یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا' حج ہو چکا۔ اب گھر سے نہ نکلنا' رہی استطاعت اور طاقت سو وہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے' کبھی کسی اور کے واسطے سے' جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کون سا حج افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا' جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔

ایک اور شخص نے سوال کیا' حضور سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق سامان خرچ اور سواری' اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کی متابعت اور سند بہت سے صحابیوں سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کی تفسیر میں زاد و راحلہ یعنی توشہ اور سواری بتائی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کل کیا پیش آئے' ابوداؤد وغیرہ میں ہے حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہیئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جس کے پاس تین سو درہم ہوں' وہ طاقت والا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔ پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین پسند کرے' اس سے قبول نہ کیا جائے گا تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے۔ تم بھی حج کرو تو وہ صاف انکار کر بیٹھے جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اور اتنا مال بھی اس کے پاس ہو' پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اللہ کیلئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے' جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے' اس کے راوی پر بھی کلام ہے' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں' طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر' اس کی سند بالکل صحیح ہے (حافظ ابوبکر اسماعیلی) مسند سعید بن منصور میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں۔ وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے

کے حج نہ کرتے ہوں' ان پر جزیہ لگا دیں' وہ مسلمان نہیں ہیں' وہ مسلمان نہیں ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے ○ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ اے ایماندارو اگر تم ان اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تمہیں تمہاری ایمان داری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے ○

کافروں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۹۸-۹۹) اہل کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے دشمنی کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے' دوسرے لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسولؐ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا۔ اگلے انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں' نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی' سید الولد آدمؑ خاتم الانبیاء' رسول رب ارض وسما صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کتابوں میں موجود تھا۔ پھر بھی اپنی بے ایمانی پر بضد تھے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں' تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیاء کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو' میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا۔ اس دن پکڑوں گا جس دن تمہیں کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

کامیابی کا انحصار کس پر ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اہل کتاب کے اس بد باطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی' جیسے اور جگہ ہے و دکثیر الخ' یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تمہیں ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تم ان کے کھوکھلے دباؤ میں نہ آ جانا' گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں' اللہ تعالیٰ کی آیتیں دن رات تم میں پڑھی جا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تم میں موجود ہے۔

جیسے اور جگہ ہے مَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ تم ایمان کیسے نہ لاؤ' رسول تمہیں تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی لیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ نے ایک روز اپنے صحابہؓ سے پوچھا' تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے' آپ نے فرمایا' بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے براہ راست تعلق ہے' صحابہؓ نے کہا پھر ہم' فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔ صحابہؓ نے کہا پھر حضورؐ خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے (امام ابن کثیر نے اس حدیث

کی سندوں کا اور اس کے معنی کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے۔ فالحمد للہ) پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے اللہ کے دین کو تھام رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے' اسی سے گمراہی دور ہوتی ہے' یہی شیوہ رضا کا باعث ہے' اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ع۱۰

(گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ موجود ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے تو بے شک اسے راہ راست دکھایا جائے گا ○ ایمان والو اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے۔ دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا ○

اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۱-۱۰۲) اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' نافرمانی نہ کی جائے' اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے' اس کا شکر کیا جائے' کفر نہ کیا جائے۔ بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے' واللہ اعلم۔ حضرت انسؓ کا فرمان ہے کہ انسان اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حق نہیں بجا لا سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں فرمادیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو' اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو' عدل پر جم جاؤ' یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو۔ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر فرمایا کہ اسلام پر ہی مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تا کہ موت بھی اسی پر آئے' اس رب کریم کا اصول یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے' اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی ناپسند موت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباسؓ بھی وہاں تھے' ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی' بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی ہر کھانے والی چیز خراب ہو جائے' کوئی چیز کھا پی نہ سکیں۔ پھر خیال کرو کہ ان جہنمیوں کا کیا حال ہو گا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہو گا۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو' اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو (مسند احمد)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا (مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں' اس

کے گمان کے پاس ہی ہوں- اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا- (مسند احمد) اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے' مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاریؓ کی بیمار پرسی کیلئے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمدللہ اچھا ہوں' رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں- آپ نے فرمایا سنو! ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں' اللہ اس کی امید کی چیز اسے دیتا ہے اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے' مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور کہا کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں' اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر یہ بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہئے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ میں مسلمان ہوئے بغیر نہ مروں اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھاتا ہوا نہ مارا جاؤں-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے- اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے- اس نے تمہیں بچا لیا' اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم راہ پاؤ ○

تفرقہ میں نہ پڑو: ☆☆ (آیت:۱۰۳) پھر فرمایا' باہم اتفاق رکھو- اختلاف سے بچو- حبل اللہ سے مراد عہد الٰہ ہے جیسے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ' میں ''حبل'' سے مراد قرآن ہے- ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن اللہ کریم کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے- اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ' اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے- اور حدیث میں ہے کہ یہ قرآن اللہ سبحانہ کی مضبوط رسی ہے- یہ ظاہر نور ہے- یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے' اس پر عمل کرنے والے کے لیئے یہ بچاؤ ہے- اس کی تابعداری کرنے والے کے لیئے یہ نجات ہے-

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں' تم اللہ کے راستے پر آ جاؤ' تم اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے' اختلاف نہ کرو' پھوٹ نہ ڈالو' جدائی نہ کرو' علیحدگی سے بچو' صحیح مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین باتوں سے اللہ رحیم خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے- ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو- اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو- دوسرے اللہ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو' تفرقہ نہ ڈالو' تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو' فضول بکواس' زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں' بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے

اور بہت سی احادیث میں نا اتفاقی سے ڈرایا بھی ہے- ان ہدایات کے باوجود امت میں اختلافات ہوئے اور تہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک نجات پا کر جنتی ہوگا اور جہنم کے عذابوں سے بچ رہے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھے-

پھر اپنی نعمت یاد دلائی' جاہلیت کے زمانے میں اوس وخزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی' آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی' جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ کریم کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے- سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو گئے- جیسے اور جگہ ہے هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ الخ' وہ اللہ جس نے تیری تائید کی' اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی- اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تمہیں اس میں دھکیل دیتا لیکن ہم نے تمہیں اسلام کی توفیق عطا فرما کر اس سے بھی الگ کر لیا- حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور علیہ السلام نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی نامناسب الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضورؐ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا- اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصارؓ کیا تم گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی' کیا تم متفرق نہ تھے؟ پھر رب دو عالم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت یہ اللہ والا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں-

حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اوس وخزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں کانٹا کھٹکنے لگا- انہوں نے آدمی مقرر کئے کہ وہ ان کی محفلوں اور مجلس میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلائیں- ان کے مقتولوں کی یاد تازہ کرائیں اور اس طرح انہیں بھڑکائیں- چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھنچ گئیں' ٹھیک دو جماعتیں ہو گئیں اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے ہتھیار سجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھہر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر ان سے دل کھول کر لڑیں اور مردانگی کے جوہر دکھائیں' پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں لیکن حضور علیہ السلام کو پتہ چل گیا- آپ فوراً موقعہ پر تشریف لائے اور دونوں گروہ کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے' پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے' میری موجودگی میں ہی تم نے پھر جنگ وجدال شروع کر دیا؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی' سب نادم ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے سرے سے معانقہ مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے' ہتھیار ڈال دیئے اور صلح صفائی ہو گئی- حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپ کی برات نازل ہوئی تھی تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے' فاللہ اعلم-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا' انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے ○

یوم آخرت منافق اور مومن کی پہچان: ☆☆ (آیت:۴-۱۰۴-۱۰۵) حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس جماعت سے مراد خاص صحابہ اور خاص راویان حدیث ہیں یعنی مجاہد اور علماء امام ابوجعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا' صبر سے مراد قرآن و حدیث کی اتباع ہے' یاد رہے کہ ہر ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہئے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے' اسے ہاتھ سے دفع کر دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے' اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے' یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں' (صحیح مسلم) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرما دے گا' پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے کہ تم سابقہ لوگوں کی طرح افتراق و اختلاف نہ کرنا' تم نیک باتوں کا حکم اور خلاف شرع باتوں سے روکنا نہ چھوڑنا' مسند احمد میں ہے' حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کیلئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ خواہشات نفسانی اور خوش فہمی میں ہوں گے بلکہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں نفسانی خواہشیں اس طرح گھس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا۔ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو ○ اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اے نبی ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں ○ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

خوارج کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۰۶-۱۰۹) پھر فرمایا' اس دن سفید چہرے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے' ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید اور نورانی ہوں گے مگر اہل بدعت و منافقت کے کالے منہ ہوں گے' حسن بصریؒ فرماتے ہیں' یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیوں کیا' اب اس کا مزہ چکھو۔ اور سفید منہ والے اللہ رحیم و کریم کی رحمت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں' ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں' انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آیت يَّوْمَ تَبْيَضُّ تلاوت فرمائی' ابو غالب نے کہا' کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں' ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سنداً غریب ہے۔ دنیا اور آخرت کی یہ باتیں ہم تم پر اے نبی کھول رہے ہیں' اللہ عادل و حاکم ہے' وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے' پھر نا ممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (جن کے کالے منہ ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں ہیں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف ہے' متصرف اور با اختیار حاکم' دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو' اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا' ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں ○ یہ لوگ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے' اگر لڑائی کا موقعہ آ جائے تو پیٹھ موڑ لیں گے پھر مدد نہ کئے جائیں گے ○

سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ ☆☆ (آیت:۱۱۰-۱۱۱) اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں پر بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو' تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو' اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو' ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا' آپ اس وقت منبر پر تھے کہ حضور کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا' سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو' سب سے زیادہ پرہیزگار ہو' سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا' سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا' سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو (مسند احمد)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ساری امت پر مشتمل ہے' بیشک یہ حدیث میں بھی ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ۔ پھر اس کے بعد والا' ایک اور روایت میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم نے اگلی امتوں کی تعداد ستر تک پہنچادی ہے' اللہ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو' یہ مشہور حدیث ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے' اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبیؐ کی افضلیت ہے' آپ تمام مخلوق کے سردار' تمام رسولوں سے زیادہ اکرام و عزت والے ہیں' آپ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کو نہیں ملی تو ظاہر بات ہے کہ ان فضائل کو سمیٹنے والی امت بھی سب سے اعلیٰ و افضل ہے' اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر و افضل ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہر جگہ ہی ذلیل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی' یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے' یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا ○

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں' آپ نے فرمایا' میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں' میرا نام احمد رکھا گیا ہے' میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے' میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے (مسند احمد) اس حدیث کی اسناد حسن ہے' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد و شکر کریں گے اور مصیبت پر طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں حلم و علم نہ ہوگا' آپ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا' میں انہیں اپنا حلم و علم عطاء فرماؤں گا۔ میں چاہتا ہوں یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کردوں جن کا ذکر یہاں مناسب ہے۔ سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے

چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' سب یک رنگ ہوں گے' میں نے اپنے رب سے گذارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما' اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے (مسند احمد) حضورؐ فرماتے ہیں مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی' حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا' حضورؐ کچھ اور زیادتی طلب کرتے' آپؐ نے فرمایا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے' فاروقؓ نے کہا' حضورؐ برکت کی دعا کرتے' آپؐ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پھر گذارش کی کہ اللہ کے نبی اور کچھ بھی مانگتے۔ آپؐ نے فرمایا مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا کہ اس طرح' راوی حدیث کہتے ہیں اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی (فسبحان اللہ و بحمدہ) (مسند احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حمص میں بیمار ہو گئے عبداللہ بن قرط وہاں کے امیر تھے' وہ عیادت کو نہ آ سکے' ایک کلاعی شخص جب آپ کی بیمار پرسی کیلئے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو' اس نے کہا ہاں' فرمایا' لکھو یہ خط ثوبان کی طرف سے امیر عبداللہ بن قرط کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے خادم ہیں' بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کیلئے جاتے' پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ثوبانؓ نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا یک حدیث سنتے جائیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے جنت میں جائیں گے' ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (مسند احمد) یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک رات' ہم خدمت نبویؐ میں دیر تک باتیں کرتے رہے' پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا' سنو آج رات انبیاءؑ اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے' بعض انبیاءؑ کے ساتھ صرف تین شخص تھے' بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ' بعض کے ساتھ ایک جماعت' کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا' جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے' مجھے یہ جماعت پسند آئی' میں نے پوچھا' یہ کون ہیں تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں' میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے' جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو' اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے' جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں' اب مجھ سے پوچھا گیا' کہو خوش ہو' میں نے کہا' میرے رب میں راضی ہو گیا' فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے' اب نبی ﷺ نے فرمایا' تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہو جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضورؐ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے' آپ نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابیؓ نے بھی اٹھ کر یہی گذارش کی تو آپؐ نے فرمایا تم پر حضرت عکاشہؓ سبقت کر گئے۔

ہم اب آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑ نہیں کراتے' آگ کے داغ نہیں لگواتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں (مسند احمد) ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو

مجھ سے کہا گیا' اب اپنی بائیں جانب دیکھو' میں نے دیکھا تو بے شمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ موسم حج کا یہ واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں' مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی' تمام پہاڑیاں اور میدان ان سے پر تھے (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہؓ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ (طبرانی) ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا ساٹھ لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے۔ سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے' چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے (بخاری و مسلم' طبرانی)۔

حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا' رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا' تم میں سے کسی نے دیکھا تھا' میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا' یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نماز میں تھا بلکہ مجھے بچھو نے کاٹ کھایا تھا۔ حضرت سعید نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا' میں نے کہا دم کر دیا تھا' کہا کیوں میں نے کہا' حضرت شعبی نے بریدہ بن حصیب کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑا کرانا ہے' کہنے لگے خیر جسے جو پہنچے اس پر عمل کرے' ہمیں تو حضرت ابن عباسؓ نے سنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھ پر امتیں پیش کی گئیں' کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی' کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا' اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہوگی پھر معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ مجھ سے کہا گیا' آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو' میں نے دیکھا تو وہاں بے شمار لوگ تھے' مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضورؐ تو مکان پر چلے گئے اور صحابہؓ آپس میں کہنے لگے' شاید یہ حضورؐ کے صحابی ہوں گے' کسی نے کہا نہیں' اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا' کیا باتیں کر رہے ہو' ہم نے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا' نہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں نہ کرائیں' نہ داغ لگوائیں نہ شگون لیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی درخواست کی' آپ نے دعا کی کہ یا اللہ تو اسے ان میں سے ہی بنا' پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا' آپ نے فرمایا' عکاشہ آگے بڑھ گئے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا نہیں کرنے کا لفظ نہیں' صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ پہلی جماعت تو نجات پائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا' پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار چہرے والے ہوں گے (مسلم) آپؐ فرماتے ہیں' مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے داخل بہشت ہوں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور تین لپیں اور میرے رب عزوجل کی لپوں سے (کتاب السنن لحافظ ابی بکر بن عاصم) اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخنسؓ نے کہا' حضورؐ یہ تو آپکی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپؐ نے فرمایا' ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہیں اور پھر اللہ نے تین لپیں (ہتھیلیوں کا کشکول) بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں' اس کی اسناد بھی حسن ہے۔ کتاب السنن اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائے گا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے۔ پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں (دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر کٹورا بنانا) بھر کر اور ڈالے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں اور بیٹیوں اور خاندان و قبیلہ میں ہوگی' اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائے گا (طبرانی) اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں' واللہ اعلم۔

کریدؔ میں حضورؐ نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے' میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کیلئے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہو گے (مسند احمد) اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضورؐ کچھ اور زیادہ کیجئے' اسے سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا' ابوبکر بس کرو' صدیقؓ نے جواب دیا' کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے تو آپ کو کیا نقصان ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' اگر اللہ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا' عمرؓ سچ کہتے ہیں (مسند عبدالرزاق) اسی حدیث کی اور سند سے بھی بیان ہے۔ اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے (اصبہانی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہؓ نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدنصیبی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے (ابویعلیٰ) اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے۔ اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا قول اور حضورؐ کی تصدیق کا بیان ہے (طبرانی)

ایک اور حدیث میں جنت میں جانے والوں کا ذکر کر کے حضورؐ نے فرمایا' میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آ ہی جائیں گے۔ پھر باقی تعداد اعرابیوں سے پوری ہوگی (محمد بن سہل) حضرت ابوسعید کہتے ہیں' حضورؐ کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی۔ ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (ﷺ) کی جان اس کے ہاتھ میں ہے' تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے' زمین تم سے پر ہو جائے گی' تمام فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جو جماعت آئی' وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپؐ نے فرمایا' صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہوگی۔ صحابہؓ نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ' ہم نے پھر تکبیر کہی' پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی پھر فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو ہم نے پھر تکبیر کہی' آپؐ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو گے (بخاری و مسلم) طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟ ہم نے کہا' اللہ اور اس کا رسولؐ خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا تہائی حصہ ہو تو' ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا۔ اگر آدھوں آدھ ہو تو' انہوں نے کہا حضورؐ پھر تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا سنو! کل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں' مسند احمد میں بھی ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں۔ ان میں اسی صفیں صرف اس امت کی ہیں۔ یہ حدیث طبرانی' ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔

طبرانی ایک اور روایت میں ہے کہ جب آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم اہل جنت کی چوتھائی ہو' پھر فرمایا بلکہ ثلث ہو' پھر فرمایا بلکہ نصف ہو' پھر فرمایا دو تہائی ہو (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسولؐ کی امت میں پیدا کیا' تیرے سچے رسولؐ کی سچی زبان

سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا' اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ' ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔ باری تعالیٰ تیری رحمت کی ان گنت اور بے شمار بندوں میں سے اگر ایک قطرہ بھی ہم گنہگاروں پر برس جائے تو ہمارے گناہوں کو دھوڈالنے اور ہمیں تیری رحمت و رضوان کے لائق بنانے کیلئے کافی ہے' اللہ اس پاک ذکر کے موقعہ پر ہم ہاتھ اٹھا کر' دامن پھیلا کر آنسو بہا کر امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں' تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضا مندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما۔ (آمین الہ الحق آمین) صحیح بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی۔ ہمیں بعد میں ملی' جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا' ان میں اللہ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی' جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں۔ ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے پیچھے اتوار کے دن۔ دار قطنی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں' انبیاء پر دخول جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو' دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔ یہ وہ حدیثیں تھیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت وارد کرنا چاہتے تھے فالحمدللہ۔ امت کو بھی چاہئے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفیں ہیں' ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم و ثابت رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے جن کی مذمت کلام اللہ نے کی' فرمایا كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمان داروں کی تعریف و توصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے' تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں سے کفر و فسق اور گناہوں پر جمے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ با ایمان بھی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا' اللہ تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل و رسوا کیا' اسی طرح شام کے نصرانی صحابہؓ کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے کلیتہً نکل گیا اور ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حق پر قائم رہے گی' حضرت عیسیٰؑ آ کر ملت اسلام اور شریعت محمد کے مطابق حکم کریں گے' صلیب توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہ کریں گے' صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی' ہاں اللہ کی پناہ کے علاوہ کہیں بھی امن و امان اور عزت نہیں یعنی جزیہ دینا اور مسلم بادشاہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کی پناہ یعنی عقد ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دے دے اگرچہ کوئی عورت ہو یا کوئی غلام ہو' علماء کا ایک قول یہ بھی ہے' حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حبل سے مراد عہد ہے جو غضب کے مستحق ہوئے اور مسکینی چپکا دی گئی' ان کے کفر اور انبیاء کے تکبر' حسد' سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے' اسی باعث ان پر ذلت و پستی اور مسکینی ہمیشہ کیلئے ڈال دی گئی۔ ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

یہ سارے کے سارے یکساں نہیں' بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں' بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں' برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں' یہ نیک بخت لوگ ہیں ○ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں' ان کی ناقدری نہ کی جائے گی' اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ○ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○ یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

ظلم نہیں سزا: ☆☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اہل کتاب اور اصحاب محمدؐ برابر نہیں' مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی۔ پھر جب آئے تو جو اصحاب منتظر تھے' ان سے فرمایا کسی دین والا اس وقت تک اللہ کا ذکر نہیں کر رہا مگر صرف تم ہی اللہ کے ذکر میں ہو۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہل کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت اسد بن عبید' حضرت ثعلبہ بن شعبہؓ وغیرہ کے بارے میں یہ آیت آئی کہ یہ لوگ ان اہل کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری' بلکہ یہ با ایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہے۔ شریعت محمدیہ کی تابع ہے' استقامت و یقین اس میں ہے' یہ پاکباز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں بھی اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے رہتے ہیں' اللہ پر' قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی انہی باتوں کا حکم کرتے ہیں' ان

کیخلاف سے روکتے ہیں' نیک کاموں میں پیش پیش رہا کرتے ہیں' اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں' اس سورت کے آخر میں بھی فرمایا وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ' بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر' اس قرآن اور توراۃ و انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدلہ ملے گا' تمام پرہیزگار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں۔ وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا' وہاں ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے نہ اولاد' یہ تو جہنمی ہیں۔

صِرٌّ کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے' غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر برف پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے' نفع چھوڑ اصل بھی غارت ہو جائے اور امیدوں پر پانی پھر جائے' اسی طرح یہ کفار ہیں' جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں' اس کا نیک بدلہ تو کہاں' اور عذاب ہوگا' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو' ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے' ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو ○ (تو غور کرلو)۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے' تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں' کہہ دو کہ اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے ○

کافر اور منافق مسلمان کے دوست نہیں' انہیں اپنا ہم راز نہ بناؤ: ☆☆ (آیت:۱۱۸-۱۱۹) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہمراز ہونے سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں خوش نہ ہو جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقعہ پا کر یہ تمہیں سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے۔ تم انہیں اپنا رازدار ہرگز نہ سمجھنا' راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا۔

بطانہ کہتے ہیں انسان کے رازدار دوست کو اور مِنْ دُوْنِكُمْ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں' بخاری وغیرہ میں حدیث

ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا' اس کیلئے دو بطانہ مقرر کئے' ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا اور دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے۔ آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپؓ نے فرمایا' اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے' اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ ان کی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثیں سنتے تھے۔ اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصریؒ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آ کر حسن بصریؒ سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپؒ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو' دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دارو اپنے سوا دوسروں کو ہمراز نہ بناؤ (ابویعلی) لیکن حسن بصریؒ کی یہ تشریح قابل غور ہے۔ حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ' چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے' یہ اس لئے تھا کہ حضورؐ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بستی کے پاس نہ رہو۔ اس کے پڑوس سے دور رہو' ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے ابوداؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے' اور حدیث میں ہے' جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بسے' وہ بھی انہی جیسا ہے۔ پھر فرمایا' ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے' ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے' پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں' وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔

پھر فرمایا' دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تمہیں نہ چاہیں' تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں' ان کی کتاب کو تم تو مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں تو چاہئے تو یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں' سامنا ہو جائے تو اپنی ایمانداری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب کی جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر داری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ یہ چاہے جلتے بھنتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا رہے گا' مسلمان دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں' اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی' یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے' اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت حاصل کرتے دیکھیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ
يَّفْرَحُوْا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۱۲۰

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں' ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کا احاطہ کر رکھا ہے ○

(آیت: ۱۲۰) ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تمہیں کوئی نفع پہنچتا ہے' یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر (اللہ نہ کرے) تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں' بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی' یہ کفار پر غالب آئے' انہیں غنیمت کا مال ملا' یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔ اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو' اللہ عزوجل خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا' کسی بھلائی کے حاصل کرنے' کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا' نہیں ہو سکتا' جو اس پر توکل کرے' اسے وہ کافی ہے' اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر وتحمل کا بیان ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مومن و منافق کی ظاہری تمیز ہے۔ سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۱ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۲ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳

اے نبی تو اس وقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقع پر باقاعدہ بٹھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں' اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہئے' جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکرگزاری کی توفیق ہو اور یہ شکرگزاری باعث نصرت و امداد ہو ○

غزوہ احد کی افتاد: ☆☆ (آیت: ۱۲۱-۱۲۳) یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اسے جنگ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ واقعہ جنگ احد کا ہے جو سن ۳ ہجری ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا' جنگ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی۔ ان کے سردار موت کے گھاٹ اترے تھے' اب اس کا بدلہ لینے کیلئے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی تھی۔ وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقعہ پر دوسرے راستے سے بچ کر آ گیا تھا' وہ سب اس لڑائی کیلئے روک رکھا تھا اور چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا اور پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی' ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمروؓ کے جنازے کی نماز

پڑھائی جو قبیلہ بنی النجار میں سے تھے۔

پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کی مدافعت کی کیا صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے' اگر وہ آئے اور ٹھہرے تو گویا ہمارے جیل خانہ میں آ گئے' رکے اور کھڑے رہیں' اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیراندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے' پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہوگی اور اگر یونہی لوٹ گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے' لیکن اس کے برخلاف بعض صحابہؓ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' ان کی رائے تھی کہ مدینہ کے باہر میدان میں جا کر خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے' ان صحابہؓ کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی کی خلاف منشاء تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا۔ اس لئے یہ کہنے لگے کہ حضورؐ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجئے۔ ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں' آپؐ نے فرمایا' اللہ کے نبی کو لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتارے۔ اب تو میں نہ لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ عزوجل کو منظور ہو۔

چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لے کر آپؐ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے' شوط پر پہنچ کر اس منافق عبداللہ بن ابی نے دغابازی کی اور اپنی تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا۔ یہ لوگ کہنے لگے' ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو ہونے کی نہیں' خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرتؐ نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرامؓ کو لے کر میدان میں اترے اور حکم دیا کہ جب تک میں نہ کہوں' لڑائی شروع نہ کرنا' پچاس تیرانداز صحابیوںؓ کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو۔ دیکھو ہم غالب آ جائیں یا (اللہ نہ کرے) مغلوب ہو جائیں تم ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' یہ انتظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے۔ دوہری زرہ پہنی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا۔ آج چند لڑکے بھی لشکر محمدیؐ میں نظر آتے تھے' یہ چھوٹے سپاہی بھی جانبازی کیلئے بہ ہمہ تن مستعد تھے بعض اور بچوں کو حضورؐ نے ساتھ لیا تھا۔ انہیں جنگ خندق کے لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ جنگ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی تھی' قریش کا لشکر بڑے ٹھاٹھ سے مقابلہ پر آ ڈٹا' یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا۔ ان کے ساتھ دو سو کوتل گھوڑے تھے جنہیں موقعہ پر کام آنے کیلئے ساتھ رکھا تھا۔ ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں حصہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہما) ان کا جھنڈے بردار قبیلہ بنو عبدالدار تھا۔ پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے تفصیلی واقعات انہی آیتوں کی موقعہ بہ موقعہ تفسیر کے ساتھ آتے رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے مواقع کی جگہ مقرر کرنے لگے۔ میمنہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید جاننے والا ہے' روایتوں میں یہ آ چکا ہے کہ حضور علیہ السلام جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کیلئے نکلے اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جا کر پڑاؤ ڈال دیا' باقی کارروائی ہفتہ کی صبح شروع ہوئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہمارے بارے میں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیونکہ اس میں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اللہ ان دونوں کا ولی ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تمہیں غالب کیا حالانکہ تم سب ہی کم اور بے سروسامان تھے' بدر کی لڑائی سن ۲ ہجری ۱۷ رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی' اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا۔ اس دن

اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی' شرک برباد ہوا۔ محل شرک ویران ہوا حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے' ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے' فقط ستر اونٹ تھے' باقی سب پیدل تھے' ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنی تھی۔ ایک ہزار میں کچھ ہی کم تھے۔ ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے' ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار' عمدہ عمدہ' کافی سے زیادہ مالدار گھوڑے نشان زدہ جن کو سونے کے زیور پہنائے گئے تھے' اس موقعہ پر اللہ نے اپنے نبی کو عزت اور غلبہ دیا' حالات کے بارے میں ظاہر و باطن وحی کی' اپنے نبیؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سرخرو کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل و خوار کیا' اب اپنے مومن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے باوجود تمہیں کو غالب رکھا تاکہ تم معلوم کرلو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں' اسی لئے دوسری آیت میں صاف فرمادیا کہ جنگ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس زیادتی تعداد اور اسباب کی موجودگی نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ حضرت یزید بن ابوسفیان' حضرت ابن حسنہؓ' حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عیاضؓ اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابوعبیدہؓ سردار ہوں گے۔ اس لڑائی میں ہمیں چاروں طرف سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیر رکھا ہے۔ امداد کیجئے' فاروقؓ کا مکتوب گرامی ہماری گذارش کے جواب میں آیا جس میں تحریر تھا کہ تمہارا طلب امداد کا خط پہنچا۔ تمہیں ایک ایسی ذات بتاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے۔ وہ ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے جس نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی مدد بدر والے دن کی تھی۔ بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا۔ میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کر دو اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا نہ کچھ پوچھنا' اس خط سے ہماری جراتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہوگئیں پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا' الحمد اللہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے' ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا' بہت سا مال غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ کہنے لگے۔ میرے ساتھ دوڑ کون لگائے گا؟ ایک نوجوان نے کہا' اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے۔ میں نے دیکھا ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا دوڑائے چلے جارہے تھے' بدر بن نارین ایک شخص تھا' اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا' یہی نام ہوگیا تھا' بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہوگئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزاری کرسکو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کہ کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا؟ ○ کیوں نہیں بلکہ اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے اور یہ لوگ اپنے اسی جوش سے آئیں تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشاندار ہوں گے ○ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے۔ یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے ○

غزوہ بدر اور تائید الٰہی: ☆☆ (آیت: ۱۲۴-۱۲۷) آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا' حسن بصریؒ عامرؒ شعبیؒ' ربیع بن انسؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ کا بھی اسی سے اتفاق ہے۔ عامر شعبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا۔ اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن نہ وہ آیا اور نہ ہی یہ گئے۔ ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے' پھر تین ہزار ہو گئے' پھر پانچ ہزار' یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے فرمایا اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ مُرْدِفِیْنَ کا لفظ موجود ہے' پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے' بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگ بدر کے لئے تھا نہ کہ جنگ احد کیلئے' بعض کہتے ہیں جنگ احد کے موقعہ پر وعدہ ہوا تھا' مجاہدؒ' عکرمہؒ' ضحاکؒ' زہریؒ' موسیٰ بن عقبہ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کر ہٹ گئے' اس لئے یہ فرشتے نازل نہ ہوئے' کیونکہ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ساتھ ہی فرمایا تھا یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو۔ فَوْر کے معنی وجہ اور غضب کے ہیں۔ مُسَوِّمِیْن کے معنی علامت والے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ کے لباس کی تھی اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان کی نشانی سرخ تھی' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحولؒ کہتے ہیں' فرشتوں کی نشانی ان کی پگڑیاں تھیں جو سیاہ رنگ کے عمامے تھے اور حنین والے دن سرخ رنگ عمامے تھے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں' بدر کے علاوہ فرشتے کبھی جنگ میں شامل نہیں ہوئے' اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی۔ یہ صرف مدد کیلئے اور تعداد بڑھانے کیلئے تھے نہ کہ لڑائی کیلئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سفید رنگ کا صافہ تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ۔ پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تمہیں اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی' دلجوئی اور اطمینان کیلئے ہے' ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ ان کو اتارے بغیر بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تمہیں غالب کر دے' مدد اسی کی طرف سے ہے' جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَا نْتَصَرَ مِنْھُمْ الخ' اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کئے جائیں' ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے' اللہ انہیں راہ دکھائے گا' ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر چکا ہے' وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ جہاد کا حکم بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ۧ

اس امداد الٰہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہوگی اور سارے کے سارے نامراد ہو کر واپس چلے جائیں گے ○ اے پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

(آیت: ۱۲۸-۱۲۹) اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اے نبی تمہیں کسی امر کا اختیار نہیں جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ تمہارا ذمہ صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور جگہ ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ الخ' ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں' اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ' تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے' پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں۔ جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچا دے' تیرے ذمہ یہی ہے۔ ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ رحیم ان کی توبہ قبول فرما لے یا ممکن ہے کہ انہیں ان کے کفر و گناہ کی بناء پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت کر' اس کے بارے میں یہ آیت اتری لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں مثلاً حارث بن ہشام' سہیل بن عمرو' صفوان بن امیہ اور اسی میں ہے کہ بالآخران کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں پر یہ بددعا تھی جس سے روک دیئے گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ اور رَبَّنَا پڑھ کر دعا مانگتے۔ کبھی کہتے اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابو ربیعہ اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں تھی' یہ دعا باآواز بلند ہوا کرتی تھی' اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت بھیج اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔

اور روایت میں ہے کہ جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے' چہرہ زخمی ہوا' خون بہنے لگا تو زبان سے نکل گیا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیا حالانکہ نبیؐ اللہ خالق کل کی طرف سے انہیں بلاتا تھا۔ اس وقت یہ آیت لَيْسَ لَكَ الخ' نازل ہوئی' آپؐ اس غزوے میں ایک گڑھ میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا۔ کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے' اٹھ نہ سکے۔ حضرت حذیفہؓ کے مولیٰ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا جب افاقہ ہوا تو آپؐ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے' سب اس کے غلام ہیں' جسے چاہے بخشے' جسے چاہے عذاب کرے' متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے' کوئی اس پر پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اے ایمان والو بڑھا چڑھا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تمہیں نجات ملے ○ اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

سود خور جہنمی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خوری سے روک رہا ہے' اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے' مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود پر سود بڑھا دیا کرتے تھے- اس طرح سود در سود ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی' اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال غصب کرنے سے روک رہا ہے اور تقوے کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے- پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے' پھر اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم و کرم کا وعدہ دیتا ہے-

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقعہ پر بھی راہ اللہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں' غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے ○

جنت کی خصوصیات: ☆☆ (آیت: ۱۳۳) پھر سعادت دارین کے حصول کیلئے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے' اور جنت کی تعریف کرتا ہے' چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے' جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ یعنی اس کا استر نرم ریشم کا ہے' تو مطلب یہ ہے کہ جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے- اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ عرض و طول یعنی لمبائی چوڑائی دونوں برابر ہے کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر' اس کا عرض و طول یکساں ہوتا ہے- ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو- وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے' اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اسی کی چھت اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم کا عرش ہے-

مسند امام احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضورؐ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپؐ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضورؐ نے فرمایا' سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات

کہاں جاتی ہے؟ جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا' اس سے حضرت یعلی بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں' اس وقت یہ بہت ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضورؐ کو دیا تو آپؐ نے اپنے بائیں طرف کے ایک صحابیؓ کو دیا' میں نے لوگوں سے پوچھا' ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت معاویہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟ یہودی یہ جواب سن کر کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ توراۃ سے ماخوذ' کیا ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی جواب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا جب ہر چیز پر رات آ جاتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ چاہے' آپ نے فرمایا اسی طرح جہنم' بھی جہاں اللہ چاہے (بزار) اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ رات کے وقت ہم گو دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ناممکن نہیں' اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے' دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف چڑھنے لگا' رات دوسری جانب ہوتی ہے' اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں تو کوئی نفی کا امکان ہی نہ رہا۔ واللہ اعلم۔

اہل جنت کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۱۳۴) پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ سختی میں اور آسانی میں' خوشی میں اور غمی میں' تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں راہ اللہ اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً یعنی وہ لوگ دن رات چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں۔ یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ کظم کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصہ کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

غصہ پر قابو پانا: ☆☆ بعض روایتوں میں ہے' اے ابن آدم اگر غصہ کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچا لوں گا (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو بھی اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے' اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے' اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے (مسند ابو یعلی) یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی اختلاف ہے اور حدیث شریف میں ہے آپؐ فرماتے ہیں' پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)۔

صحیح بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا' حضورؐ کوئی نہیں' آپؐ نے فرمایا' میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ اللہ اپنی زندگی میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ' وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ اللہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو' پھر فرمایا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا حضورؐ اسے جسے کوئی گرا نہ سکے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے جذبات پر پورا قابو رکھے' پھر فرمایا' بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو' فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو (مسلم)۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو۔

آپؐ نے فرمایا بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ للہ نہ دیا ہو (مسند احمد) حضرت حارثہ بن قدامہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہو کر خدمت نبویؐ میں عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ مجھے کوئی نفع کی بات کہیے جو مختصر ہوتا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپؐ نے فرمایا غصہ نہ کر اس نے پھر پوچھا آپؐ نے پھر یہی جواب دیا کئی کئی مرتبہ یہی کہا (مسند احمد) کسی شخص نے حضورؐ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے آپؐ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے (مسند احمد)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے (مسند احمد)۔ مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ عروہ بن محمد کو غصہ چڑھا۔ آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ بجھانے والی چیز پانی ہے پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے لوگو! سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پی جانا۔ ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (مسند احمد)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے پر کر دیتا ہے جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کی وجہ سے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا (ابوداؤد) حضورؐ فرماتے ہیں جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے (مسند احمد) اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتے۔ لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ سپرد اللہ کرتے ہیں لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال نہیں گھٹتا۔ دوسرے یہ کہ عفو ودرگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے تیسرے یہ کہ تواضع فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

مستدرک کی حدیث میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہئے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہئے اور توڑنے والوں سے جوڑنا چاہئے اور حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگو! درگزر کرنے والو! اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کے معاف کرنے والے جنتی لوگ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ

اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں' فی الواقع اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا' یہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے ○ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے ○

استغفار کرنا: ☆☆ (آیت: ۱۳۵-۱۳۶) پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً ذکر اللہ اور استغفار کرتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے' پھر اللہ رحمٰن و رحیم کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے کہ پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرے بندے سے گو گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے' میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا' اس سے پھر گناہ ہو تو فرما دیتا ہے' میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا' اس سے پھر گناہ ہو جاتا ہے' یہ پھر توبہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے' چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے (مسند احمد) یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی' عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں' گھر بار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اگر تمہاری حالت یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھر پر آتے' سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے۔ پھر بخشش مانگے اور اللہ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا حضورؐ جنت کی بنیادیں کس طرح استوار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ایک اینٹ سونے کی تو ایک چاندی کی ہے۔ اس کا گارہ مشک خالص ہے اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہیں' اس کی مٹی زعفران ہے' جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ان کی زندگی ہمیشہ کی ہو گی' ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے۔ جوانی کبھی نہیں ڈھلے گی اور تین اشخاص کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی' عادل بادشاہ کی دعا' افطاری کے وقت روزے دار کی دعا اور اور مظلوم کی دعا بادلوں سے اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم' میں تیری ضرور مدد کروں گا اگر چہ کچھ وقت کے بعد ہو (مسند احمد)۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے' پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عز وجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں بروایت امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ پڑھے' اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے' امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں' میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے' آپؐ نے فرمایا ہے' جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے (بخاری و مسلم) پس یہ حدیث تو حضرت عثمانؓ سے' اس سے اگلی روایت حضرت عمرؓ سے اور اس سے اگلی روایت

حضرت ابوبکرؓ سے اور اس سے تیسری روایت کو حضرت ابوبکرؓ سے حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں تو الحمد للہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت اور اس کی بے انتہا مہربانی کی خبر سید الاولین والاخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفاء کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقعہ پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم وکریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں' اللہ تعالیٰ' اے ماں باپ سے زیادہ مہربان' اے عفوودرگزر کرنے والے! اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطا کاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرمادے۔ آمین' مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا (مسند عبدالرزاق)۔

استغفار اور لا الہ الا اللہ: ☆☆ مسند ابویعلی میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی ہلاکت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور استغفار سے ہے' یہ حدیث دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کو خواہش پرستی پر ڈال دیا۔ پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہلاکت میں ہوتے ہیں' لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا' اے رب مجھے تیری عزت کی قسم' میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' مجھے میرے جلال اور میری عزت کی قسم' جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا' مجھ سے گناہ ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' توبہ کر لے' اس نے کہا' میں نے توبہ کی' پھر گناہ ہو گیا' فرمایا' پھر توبہ کر لے' اس نے کہا' مجھ سے پھر گناہ ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' پھر استغفار کر' اس نے کہا' مجھ سے اور گناہ ہوا' فرمایا استغفار کئے جا' یہاں تک کہ شیطان تھک جائے پھر فرمایا' گناہ کو بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا' یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ محمد (ﷺ) کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں) آپؐ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا' اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کئے اڑ نہیں جاتے۔ اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں' مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جگہ ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ' جو شخص کوئی برا کام کرے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا' لوگو تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ لوگو! تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا' باتیں بنانے والوں کی ہلاکت ہے' گناہ پر جم جانے والوں کی ہلاکت ہے۔ پھر فرمایا' ان کاموں کے بدلے ان کی جزا مغفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ بڑے اچھے اعمال ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گذر چکے ہیں' زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ○ عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے ○ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہوؤ۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو ○

شہادت اور بشارت: ☆☆ (آیت: ۱۳۷-۱۳۹) چونکہ احد والے دن ستر مسلمان صحابی شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ڈھارس دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ مال و جان کا نقصان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا' تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کیلئے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تمہیں برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے' مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بددل نہ ہو جانا' نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا۔ فتح و نصرت' غلبہ اور بلند و بالا مقام بالآخر مومنو تمہارے لئے ہی ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴

اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں' ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ ○ جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے' اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ○

(آیت: ۱۴۰-۱۴۲) اگر تمہیں زخم لگے ہیں' تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں۔ وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں' یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے' اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ یہ بعض مرتبہ شکست بالخصوص اس جنگ احد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں کا اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو رکھتے تھے' انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنا جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لئے

بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں تو دور ہو جائیں اور ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیونکہ وہ غالب ہو کر اترائیں گے، سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مر کھپ جائیں گے - ان سختیوں اور زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا جیسے سورۂ بقرہ میں ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ، یہ نہیں ہوگا - اور جگہ ہے الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟ یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا میں ہی ظہور میں نہ آ جائیں تب تک جنت نہیں مل سکتی -

پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقع کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر، اپنی بہادری اور مضبوطی اور استقامت اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ - اللہ کی راہ میں شہادت پاؤ، لو اب ہم نے تمہیں یہ موقعہ دیا - تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ، حدیث شریف میں ہے دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے - پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں، تلواریں کھچ رہی ہیں، بھالے اچھل رہے ہیں، تیر برس رہے ہیں، گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں -

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

حضرت (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو نیک بدلہ دے گا ○ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں، اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دے دیتے ہیں، احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے ○

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا مغالطہ اور غزوۂ احد: ☆☆ (آیت: ۱۴۴-۱۴۵) میدان احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان کے بعض قتل بھی کئے گئے - اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) بھی شہید ہو گئے، اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ خبر اڑا دی کہ میں حضورؐ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا، اس نے حضورؐ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپؐ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی، اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل چھوٹے کر دیئے، ان کے

قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے' اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں' ہوسکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ اللہ کا دین نہیں جاتا رہے گا- ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گرا پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے' اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضورؐ قتل کر دیئے گئے- اس نے کہا' اگر یہ صحیح ہے تو آپؐ تو اپنا کام کر گئے' اب آپؐ کے دین پر تم سب بھی قربان ہو جاؤ' اسی کے بارے میں یہ آیت اتری-

پھر فرمایا کہ حضورؐ کا قتل یا انتقال ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین سے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے' اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسولؐ زندہ ہو یا نہ ہوں- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے' مسجد میں تشریف لے گئے' لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پر آئے' یہاں حضور علیہ السلام پر حبرہ کی چادر اوڑھا دی گئی تھی' آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے' میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا- جو موت آپؐ پر لکھ دی گئی تھی' وہ آپ کو آ چکی' اس کے بعد آپؓ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ خطبہ سنا رہے ہیں' ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ' انہیں چپ کرا کر آپؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ محمدؐ مر گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا' وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے' اس پر موت نہیں آتی- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی- لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے' پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپؐ فوت ہو گئے (ﷺ) حضرت صدیق اکبرؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمرؓ کے تو گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی' انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضورؐ اس جہان فانی کو چھوڑ کر چل بسے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر مرتد ہوں نہ آپ کی شہادت پر' اللہ کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں جس پر آپ شہید ہوئے' اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں' آپ کا ولی ہوں' آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں' مجھ سے زیادہ حقدار آپ کا اور کون ہوگا-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی حکم سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے جیسے اور جگہ ہے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے- اور جگہ ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ الخ ''جس اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی' اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی- موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری برتو' خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ-

حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دشمنان دین کے مقابلے میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا' آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو' یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں' آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے گھوڑوں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں' دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے

اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے' وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں' یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے' بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے' مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا مقصد آخرت طلبی ہو تو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پا لیتا ہے جیسے اور جگہ فرمایا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ الخ' آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گو دنیا دے دیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جگہ ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو' ہم ان میں سے جسے چاہیں' جس قدر چاہیں' دنیا دے دیتے ہیں' پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور باایمان بھی ہو' ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مشکور ہے' اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں بھی راہ اللہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست ہوئے نہ دبے' اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے ۝ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے' اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے ۝ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی' اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے ۝

مجاہدین احد سے خطاب: ☆☆ (آیت:۱۴۶-۱۴۸) پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لے کر دشمنان دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح اللہ کی راہ میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر و شاکر رہے۔ نہ سست ہوئے نہ ہمت ہاری اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کریم کی محبت مول لے لی۔ ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد تم یہ سن کر کہ حضورؐ شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلے میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ پیچھے ہٹے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے' یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی اور ان کے دل چھوٹے نہ کر سکی' پھر تم حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر اتنے کمزور کیوں ہو گئے' ربیون کے

بہت سے معنی آتے ہیں مثلاً علماء' ابرار' متقی عابد' زاہد' تابع فرمان وغیرہ وغیرہ' پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت دعا کو نقل کرتا ہے' پھر فرماتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت و مد د' ظفر و اقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی' یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے ○ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہ ہی بہترین مددگار ہے ○ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری' ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے ○

کافر اور منافقوں کے ارادے اور غزوۂ احد کا پھر اندوہناک تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱۴۹-۱۵۱) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آ ئیگی۔ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تمہیں دین اسلام سے ہٹا دیں' پھر فرماتا ہے مجھ ہی کو اپنا والی اور مددگار جانو' مجھ ہی سے دوستی کرو' مجھ ہی پر بھروسہ کرو' مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ ان شریروں کے دلوں میں ان کے کفر کے سبب ڈر خوف ڈال دوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھے پانچ باتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے زمین مسجد اور اس کی مٹی وضو کی پاک چیز بنائی گئی' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے اور مجھے شفاعت دی گئی اور ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف سے مخصوص بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت' میری نبوت تمام دنیا کیلئے عام ہوئی۔

مسند احمد میں ہے' آپ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر اور بعض روایتوں میں ہے تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائی ہیں' مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا' میرے اور میری امت کیلئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی' میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے' وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے' میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہے' وہیں سے اللہ تعالیٰ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے اور وہ کانپنے لگتا ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ میں مدد کیا گیا ہوں' میرے رعب سے ہر دشمن پر' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے' مجھے پانچ چیزیں دی گئیں' میں ہر سرخ و سفید کی طرف بھیجا گیا' میرے لئے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی' میرے لئے غنیموں کے مال حلال کئے گئے جو میرے سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے اور میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی اور مجھے شفاعت دی گئی' تمام انبیاء نے شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لوگوں کیلئے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کیا ہو بچا رکھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے (پست ہمت ہو گئے) اور حکم میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی' تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا' پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہیں آزمالے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگذر فرمالیا' ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○

(آیت: ۱۵۲) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی' اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا' تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی' لیکن پھر تیراندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا' رک گیا' پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹتے تھے' شروع دن میں ہی اللہ نے تمہیں ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی' ان کی بتائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ اللہ عزوجل نے تمہاری پسند کی چیز فتح دکھادی تھی' یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے' مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا' کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے' تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبیؐ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مال غنیمت کی طرف لپکے' گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بناء پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہوگئی' غالب ہو کر مغلوب ہو گئے۔ فتح کے بعد شکست ہوگئی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔ خطاء کا معاف ہونا بھی عَفَا عَنْكُمْ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی سی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھالیا اور باقی والوں کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ باایمان لوگوں پر فضل و کرم' لطف و رحم ہی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے' کہیں نہیں ہوئی۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے (بعض لوگوں کے) کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا' بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسولؐ کی نافرمانی کی یعنی تیراندازوں نے جنہیں حضورؐ نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو۔ وہ تمہاری پیٹھ کی طرف سے نہ آ جائیں' اگر تم ہار دیکھو بھی' اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کیلئے بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا' جب حضورؐ غالب آ گئے تو تیراندازوں نے حکم عدولی کی اور وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آ ملے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا' صفوں کا کوئی خیال نہ رہا' درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ حملہ کر دیا' چند مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا گیا کہ مسلمانوں

کے قدم نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست سے بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضورؐ بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس بات کا یقین بھی دلا دیا' تھوڑی دیر بعد جبکہ مسلمانوں کی نظریں چہرہ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضورؐ کی طرف لپکے' آپ ادھر آ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے چہرے کو خون آلودہ کر دیا' انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب رہ جائیں' تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا اُعْلُ ھُبَلُ اُعْلُ ھُبَلُ ہبل بت کا بول بالا ہو' ہبل بت کا بول بالا ہو' ابوبکر کہاں ہے؟ عمر کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' حضورؐ اسے جواب دوں؟ آپؐ نے اجازت دی تو حضرت فاروقؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ اللّٰہُ وَاَعْلٰی وَاَجَلُّ' اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے۔ اللہ بہت بلند اور جلال و عزت والا ہے' وہ پوچھنے لگا' بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں؟ ابوبکر کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا' یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ ہوں میں عمر فاروقؓ۔ ابوسفیان کہنے لگا' یہ بدر کا بدلہ ہے' یونہی دھوپ چھاؤں الٹتی پلٹتی رہتی ہے' لڑائی کی مثال کنوئیں کے ڈول کی سی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' برابری کا معاملہ ہرگز نہیں تمہارے مقتول تو جہنم میں گئے اور ہمارے شہید جنت میں پہنچے' ابوسفیان کہنے لگا اگر یونہی ہو تو یقیناً ہم نقصان اور گھاٹے میں رہے' سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کٹے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوا' یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے' یہ ابن عباسؓ کی مرسلات سے ہے اور وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے' مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی فی دلائل النبوۃ میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھلوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا ۵ یعنی تم میں سے بعض طالب دنیا بھی ہیں' جب صحابہؓ سے حضورؐ کے حکم کے خلاف آپ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے' حضورؐ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضورؐ کو گھیر لیا تو آپ فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصار اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جم غفیر کے مقابل تن تنہا داد شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر کفار نے حملہ کیا۔ آپؐ نے یہی فرمایا' ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے یہاں تک کہ ساتوں صحابہؓ اللہ کے ہاں پہنچ گئے اللہ ان سے خوش ہو' حضورؐ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا' اب ابوسفیان نے ہانک لگائی کہ اعل ہبل۔ آپؐ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا عزیٰ بت ہے۔ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں' آپ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَالْکَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں' ابوسفیان کہنے لگا' آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ ہے' کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا' یہ تو ہاتھوں ہاتھ کا سودا ہے' ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ہرگز برابری نہیں' ہمارے شہداء زندہ ہیں' وہاں رزق دیئے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کئے جا رہے ہیں' پھر ابوسفیان بولا' تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لئے گئے ہیں لیکن میں نے نہ یہ کہا نہ اسے روکا نہ اسے میں نے پسند کیا نہ ناپسند' نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا نہ برا۔

اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے انکا کلیجہ لے کر چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا' حضور علیہ السلام نے فرمایا' ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضو بدن کو

جہنم میں لے جانا نہیں چاہتا چنانچہ حمزہؓ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی - پھر ایک انصاریؓ کا جنازہ لایا گیا' وہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ نے پھر نماز جنازہ پڑھی' انصاریؓ کا جنازہ اٹھالیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی (مسند)-

صحیح بخاری شریف میں حضرت براء سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوئی - حضورؐ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو الگ جمادیا اور انکا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور فرمادیا کہ اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آ جائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا' لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہبند اونچا کر کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں' اب تیر انداز گروہ غنیمت غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا' ان کے امیر نے انہیں ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی' بس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہو گئے' ابوسفیان ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا' کیا محمدؐ حیات ہیں؟ کیا ابوبکرؓ موجود ہیں؟ کیا عمرؓ زندہ ہیں لیکن حضورؐ کے فرمان سے صحابہؓ خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے - حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی فرمانے لگے' اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے' بحمد اللہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے زندہ ہیں' پھر وہ باتیں ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں' صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی' اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو' اگلی جماعتیں پچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں' حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمانؓ پر برس رہی ہیں' ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمان ہیں مگر کون سنتا تھا وہ یونہی شہید ہو گئے لیکن حضرت حذیفہؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے' حضرت حذیفہؓ کی یہ بھلائی ان کے آخر دم تک ان میں رہی-

سیرت ابن اسحٰق میں ہے' حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں' میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندہ وغیرہ تہمد اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا' ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضورؐ شہید ہو گئے پھر معاملہ برعکس ہو گیا ورنہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ حارثیہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہو گیا' حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضورؐ تو شہید ہو گئے حضرت انسؓ نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت سے جا ملے رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقعہ آیا تو میں دکھادوں گا' چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا' الٰہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں' پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے' راہ میں حضرت سعد بن معاذؓ سے ملے اور کہنے لگے' کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آ رہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی اسی سے زیادہ تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے' پہچانے نہ جاتے تھے انگلی کو دیکھ کر پہچانے گئے - رضی اللہ تعالیٰ عنہ-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں؟ پوچھا' ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' اب وہ آیا اور کہنے لگا' میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں- حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' پوچھو' اس نے کہا' آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم' کیا آپ کو علم ہے کہ (حضرت) عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا' ہاں- کہا' کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا' ہاں' کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت الرضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا' یہ بھی ٹھیک ہے' اب اس نے (خوش ہوکر) تکبیر کہی' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' ادھر آ' اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں' احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا' بدر کے دن کی غیر حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور وہ اس وقت سخت بیمار تھیں تو خود حضورؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ' مدینہ میں ہی رہو' تمہیں اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے-

بیعت الرضوان کا واقعہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس اپنا پیغام دے کر حضرت عثمانؓ کو بھیجا تھا- اس لئے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی' کسی اور کو اتنی نہ تھی' ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا' یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے' پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا' اب جاؤ اور اسے ساتھ لے جاؤ-

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

جبکہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے' پس تمہیں غم پر غم پہنچا تا کہ تم نہ تو فوت شدہ چیز پر غمگین ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ○

(آیت:۱۵۳) پھر فرمایا اِذْ تُصْعِدُوْنَ الخ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف و دہشت کے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے' رسولؐ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا- وہ تمہیں آوازیں دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں- لوٹ آؤ' حضرت سدیؒ فرماتے ہیں- مشرکین کے اس خفیہ اور پرزور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے' کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے- کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے- اللہ کے نبیؐ آوازیں دیتے رہے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ- اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے' عبداللہ بن زحری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے' آنحضرت ﷺ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے' مسند احمد کی ایک طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے' دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی' تب حضورؐ کے ساتھ صرف گیارہ شخص رہ گئے اور ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آ گھیرا- آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے-

حضرت طلحہؓ نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا اور تیار ہو گئے لیکن آپؐ نے فرمایا' تم ابھی ٹھہر جاؤ' اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ

ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوئے اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور اب صرف حضرت طلحہؓ رہ گئے۔ گو یہ بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضورؐ انہیں روک لیا کرتے تھے۔ آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور یہ ایک طرف' اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے' اب نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے مجمع میں پہنچ چکے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت قیس بن حازمؒ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے ڈھال بنایا تھا' شل ہو گیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں' میرے پاس حضورؐ نے اپنی ترکش سے احد والے دن تمام تیر پھیلا دیئے اور فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' لے مشرکین کو مار' آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا' اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضورؐ کے دائیں بائیں تھے اور سخت تر جنگ کر رہے تھے۔ میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا نہ اس کے بعد' یہ دونوں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو بزرگ حضورؐ کے ساتھ بھگدڑ کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے' انہیں آپؐ فرماتے جاتے تھے کہ کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے اور میرا رفیق بنے۔

ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کروں گا' جب حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا وہ تو نہیں بلکہ میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا۔ احد والے دن یہ خبیث سر تا پا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضورؐ کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا' ادھر سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نا ہنجار کی طرف بڑھے لیکن آپؓ شہید ہو گئے۔ اب حضورؐ اس کی طرف بڑھے' اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا۔ صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔ آپ نے اپنا نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا۔ لوگوں نے اسے اٹھا لیا' لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا' کیوں اس قدر نامردی کرتا ہے۔ آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' میں ابی کو قتل کروں گا' سچ مانو۔ اب میں کبھی نہیں بچ سکتا۔ تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے' اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر کل اہل ذی المجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔

معازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضورؐ کے سامنے ہوا تو صحابہؓ نے اس کے مقابلہ کی خواہش کی لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا اور فرمایا' اسے آنے دو' جب وہ قریب آ گیا تو آپؐ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی' ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا۔ یہ پیغمبر کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے' یہ ابی بن خلف ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپؐ اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا۔

اشارہ کر کے فرما رہے تھے اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبیؐ کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسولؐ اللہ کی راہ میں قتل کرے۔ اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا' عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ حضورؐ کو یہ زخم لگا تھا' سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے' رخسار پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے' مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی' کسی اور کے قتل کی نہ تھی۔ یہ شخص بڑا بدخلق تھا اور ساری قوم سے اس کی دشمنی تھی' اس کی برائی میں حضورؐ کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبیؐ کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضبناک ہے۔ عبدالرزاق میں ہے حضورؐ نے اس کیلئے بددعا کی کہ اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو چنانچہ یہی ہوا اور یہ بدبخت کافر مرا اور جہنم واصل ہوا۔ ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چاروں طرف سے احد والے دن حضورؐ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمدؐ کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا' اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں' اب وہ حضورؐ کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آ گیا۔ اس وقت حضورؐ کے ساتھ کوئی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اسے حضورؐ نظر ہی نہ آئے جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہیں ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے سنو! ہم چار شخصوں نے ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کئے تھے ہم نے ہرچند چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ واقدی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضورؐ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قمیہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہنچانے والا عتبہ بن ابی وقاص تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے۔ میں جب لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضورؐ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ کرے یہ طلحہ ہو' اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہؓ ہی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ میں نے کہا الحمدللہ میری ہی قوم کا ایک شخص ہے' میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے' غور سے دیکھا تو وہ حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' اب جو میں نے بغور حضورؐ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں۔ چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھب گئی ہیں۔ میں آپ کی طرف لپکا لیکن آپؐ نے فرمایا' ابوطلحہؓ کی خبر لو' میں نے چاہا کہ حضورؐ کے چہرے میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ میں نے اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے پھر قسم دی تو میں رک رہا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہؓ کی طرف متوجہ ہوئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں انگلیاں کٹ گئی ہیں ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی حضورؐ کے زخم کا خون حضرت ابوسعید خدریؓ نے چوسا تا کہ خون تھم جائے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو لیکن انہوں نے کہا' اللہ کی قسم میں کلی نہ کروں گا' پھر میدان جنگ میں چلے گئے۔

حضورؐ نے فرمایا' اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے' چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری شریف میں

ہے کہ حضورؐ کا چہرہ زخمی ہوا' سامنے کے دانت ٹوٹے' سر کا خود ٹوٹا' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خون دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال میں پانی لالا کر ڈالتے جاتے تھے۔ جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہؓ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔

پھر فرماتا ہے' تمہیں غم پر غم پہنچا' بغم کا با معنی میں علیٰ کے ہے جیسے فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ میں فی معنی میں علیٰ کے ہے۔ ایک غم تو شکست کا تھا جبکہ یہ مشہور ہو گیا کہ (اللہ نہ کرے) حضورؐ کی جان پر بن آئی' دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آ کر چڑھ جانے کا جبکہ حضورؐ فرماتے تھے یہ بلندی کے لائق نہ تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں ایک غم شکست کا' دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم پہلے غم سے زیادہ تھا' اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آ کر نکل جانے کا تھا۔ دوسرا شکست ہونے کا' اسی طرح ایک اپنے بھائیوں کے قتل کا غم' دوسرا حضورؐ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا غم۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تمہارے ہاتھوں سے گئی اور جو زخم و شہادت ملی' اس پر غم نہ کھاؤ' اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے' وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾

ع ۱۶ ۷

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔ ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ

اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے' اور کہتے تھے' کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے- یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید تجھے نہیں بتاتے- کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے- کہہ دے' اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے' پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا' وہ تو مقتل کی طرف نکل کھڑے ہوئے ○ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا- اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے ○ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوگئی تھی' یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آ گئے لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا' اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا اور تحمل والا ہے ○

تلواروں کے سایہ میں ایمان کی جانچ : ☆☆ (آیت:۱۵۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم و رنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ ڈال دی- ہتھیار ہاتھ میں ہیں' دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکی جا رہی ہیں جو امن و امان کا نشان ہے جیسے سورہ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ [1] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوئی- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لڑائی کے وقت ان کی اونگھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حکمت ہے' حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور کی اونگھ آنے لگی کہ بار بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ گئی' آپ فرماتے ہیں' جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا' ہاں البتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن کے دلوں میں نفاق تھا- یہ مارے خوف و دہشت کے ہلکان ہو رہے تھے اور ان کی بدگمانیاں اور برے خیال حد کو پہنچ گئے تھے-

پس اہل ایمان' اہل یقین' اہل ثبات' اہل توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد کرے گا اور ان کی منہ مانگی مراد پوری ہو کر رہے گی لیکن اہل نفاق' اہل شک' بے یقین' ڈھلمل ایمان والوں کی عجب حالت تھی- ان کی جان عذاب میں تھی- وہ ہائے وائے کر رہے تھے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسواس پیدا ہو رہے تھے- انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے' وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مومن (نعوذ باللہ) اب بچ کر نہیں جائیں گے- اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں- فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا تو ناامیدی کی گھنگھور گھٹاؤں نے انہیں گھیر لیا- ان کے برخلاف ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھتا ہے-

ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ جاتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے' حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں- میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے' اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں' مرنے کا وقت نہیں ٹلتا' گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کٹنا لکھا جا چکا تھا' وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور یہاں میدان میں آ کر ڈٹ گئے اور اللہ کا لکھا پورا اترا- یہ وقت اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے مخفی بھیدوں کو بے نقاب کرے' اس آزمائش سے بھلے اور برے' نیک اور بد میں تمیز ہو گئی' اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہے' اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو بے نقاب کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا- اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی- فرماتا ہے شیطان نے یہ لغزش ان سے کرادی دراصل یہ سب ان کے عمل کا نتیجہ تھا نہ یہ رسولؐ کی نافرمانی کرتے نہ ان کے قدم اکھڑتے' انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اور

ان سے اس نے درگزر فرمالیا اور ان کی اس خطا کو معاف کر دیا' اللہ کا کام ہی درگزر کرنا' بخشنا' معاف فرمانا حلم اور بردباری برتنا تحمل اور عفو کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا' آخر تم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا' اس سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا' بدر کے غزوے میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنت عمرؓ ترک کی' ولید نے جا کر حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا۔ پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا' اس پر عذر لانا کیا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی میری بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں۔ پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوئی ہے' رہی سنت عمرؓ اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمٰن میں' جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ
كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ
لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں' کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مار ڈالے جاتے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے' اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے ○ قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرو بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ○ بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مار ڈالے جاؤ' جمع تو اللہ کی طرف ہی کئے جاؤ گے ○

باطل خیالات کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۱۵۶-۱۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے۔ یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے' اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے' پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت و افسوس کا بڑھانے والا ہے' دراصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے' مرتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے' تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی قضا و قدر ٹلتی نہیں۔ اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی چیز باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً

دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑو مر کر یا قتل ہو کر لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے برا ہو تو' بھلا ہو تو۔!

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۱۵۹

اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دل ہے اور اگر تو بدزبان اور سخت ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر پھر جب تیرا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر' بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے O

اسوۂ حسنہ کے مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ☆☆ (آیت:۱۵۹-۱۶۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ نبیؐ کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کیلئے اللہ نے نبیؐ کے دل کو نرم کر دیا ہے۔ اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ما صلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں جیسے فَبِمَا نَقْضِهِمْ الخ' میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے عَمَّا قَلِيْلٍ میں اسی طرح یہاں ہے یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کیلئے نرم دل ہوا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' یہ حضورؐ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ آیت ٹھیک اس جیسی ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ الخ' یعنی تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری بھلائی کے حریص ہیں۔ جو مومنوں پر شفقت اور رحم کرنے والے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہ باہلیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' اے ابوامامہ بعض مومن وہ ہیں جن کیلئے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ فَظًّا سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد غَلِيْظَ الْقَلْبِ کا لفظ ہے یعنی سخت دل' فرمان ہے کہ اے نبی اکرم تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تمہیں چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آپؐ کے جاں نثار و شیدا بنا دیا ہے اور آپؐ کو بھی ان کیلئے محبت اور نرمی عطا فرمائی اور تاکہ ان کے دل آپؐ سے لگے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی صفتوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپؐ سخت کلام' سخت دل' بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگوں کی آؤ بھگت' خیرخواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح کا حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی فرمان ہے' تو ان سے درگزر کر' ان کیلئے استغفار کر اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر' اسی لئے حضورؐ کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کیلئے مشورہ لیا اور صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپؐ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپؐ کے ساتھ ہیں ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوںؓ کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑ لے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو آپؐ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے' اسی طرح آپؐ نے اس

بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمروؓ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو اسی طرح احد کے موقعہ پر بھی آپؐ نے شوریٰ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے چنانچہ آپؐ نے یہی کیا اور آپؐ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے؟ تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا انکار کیا اور آپ نے اس مشورے کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی' اسی طرح آپؐ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں کا دھاوا بول دیں؟ تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا' ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے' ہمارا اردہ صرف عمرے کا ہے چنانچہ اسے بھی آپؐ نے منظور فرمالیا۔ اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو آپؐ نے فرمایا' اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں' اللہ کی قسم میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں' واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلا آدمی ہے اور آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی جدائی کیلئے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ لیا' غرض لڑائی کے کاموں میں اور دیگر امور میں بھی حضورؐ صحابہؓ سے شوریٰ کیا کرتے تھے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورے کا حکم آپؐ کو بطور وجوب کے دیا تھا یا اختیاری امر تھا تا کہ لوگوں کے دل خوش رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے (حاکم) یہ دونوں حضورؐ کے حواری اور آپ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے باپ ہیں (کلبی) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا' اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارے خلاف کبھی نہ کروں گا۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ عَزم کے کیا معنی ہیں تو آپؐ نے فرمایا جب عقلمند لوگوں سے مشورہ کیا جائے' پھر ان کی مان لینا چاہئے (ابن مردویہ) ابن ماجہ میں آپؐ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے' وہ امین ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اسے حسن کہتے ہیں' اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے' بھلی بات کا مشورہ دے (ابن ماجہ) پھر فرمایا جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو' پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو' اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا ہے کہ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری پر ہی ہونا چاہئے۔ پھر فرماتا ہے نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ عباسؓ فرماتے ہیں' بدر کے دن ایک سرخ رنگ چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو۔ اس پر یہ آیت اتری (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضورؐ پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت وَمَا کَانَ اتری' پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' رسولوں کے سردارؐ ہر قسم کی خیانت سے بیجا طرفداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبیؐ جانبداری نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے۔ اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبیؐ اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپا لے اور امت تک نہ پہنچائے۔

یغل کے معنی اور خائن: ☆☆ یَغُلُّ کو 'یُ' کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں' چنانچہ حضرت قتادہؓ اور حضرت ربیعؒ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپؐ کے اصحابؓ نے مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریرؒ)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہو گا۔ پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ○

(آیت:۱۶۰-۱۶۱) پھر خائن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور سخت عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبا لے۔ اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' جسے ہم حاکم بنائیں گے' اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے' بیوی نہ ہو تو کر سکتا ہے' اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خائن ہو گا۔ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے' ابن جریرؒ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئیگا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا' میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس تجھے کام نہیں آ سکتا' میں تو پہنچا چکا تھا' اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے گا' جو بول رہا ہو گا' یہ بھی کہے گا کہ اے محمدؐ اے محمدؐ! میں کہوں گا' میں تیرے لئے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میں تو تبلیغ کر چکا تھا اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئے گا جو ہنہنا رہا ہو گا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دوں گا کہ میں تو پہنچا چکا تھا۔ آج کچھ کام نہیں آ سکتا اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لئے ہوئے حاضر ہو گا اور کہہ رہا ہو گا یا محمدؐ یا محمدؐ! میں کہوں گا' میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا' میں تجھے حق و باطل بتا چکا تھا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے ابن البتیہ کہتے تھے۔ یہ جب زکوٰۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے' یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے' نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے' ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے تحفے کا' یہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے' تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لے گا' وہ قیامت کے دن اسے گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اونٹ ہے تو چلا رہا ہو گا' گائے ہے تو بول رہی ہو گی' بکری ہے تو چیخ رہی ہو گی۔ پھر آپؐ نے ہاتھ اس قدر بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے' ایسے تحصیلداروں اور حاکموں کو جو تحفے ملیں' وہ خیانت ہیں۔ یہ روایت صرف مسند احمد میں ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول

روایت کا ماحصل ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن میں بھیجا' جب میں چل دیا تو آپؐ نے مجھے بلوایا' جب میں واپس آیا تو فرمایا میں نے تمہیں صرف ایک بات کہنے کیلئے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ لو گے' وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔ بس یہی کہنا تھا جاؤ اپنے کام میں لگو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا۔ پھر جانوروں کو لئے ہوئے قیامت کے دن آنے' حضورؐ سے فریاد رسی کی عرض کرنے اور آپؐ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس میں سونے چاندی کا ذکر بھی ہے' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا' اے لوگو! جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا' یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے حضورؐ میں تو عامل بننے سے دستبردار ہوتا ہوں' فرمایا کیوں؟ کہا آپؐ نے جو اس طرح فرمایا' آپؐ نے فرمایا ہاں' اب بھی سنو' ہم کوئی کام سونپیں' اسے چاہئے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے' جو اسے دیا جائے' وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے' رک جائے۔ یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے۔ بقیع میں آ کر فرمانے لگے تف ہے تجھے' تف ہے تجھے' میں سمجھا آپؐ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضورؐ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا' آپؐ نے فرمایا میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے' اسے میں نے قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا' اس نے ایک چادر لے لی' وہ چادر اب آگ بن کر اس کے اوپر بھڑک رہی ہے (مسند احمد) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے' پھر فرماتے میرا بھی اس میں وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا' خیانت سے بچو' خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہوگی' سوئی دھاگے تک پہنچا دو اور اس سے حقیر چیز بھی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو' وطن م[illegible] سفر میں بھی' جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج و غم سے نجات دیتا ہے' [illegible] یں نزدیک و دور والوں میں جاری کرو۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے (مسند احمد) اس حدیث [illegible] حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے' حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا اے ابو مسعود جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو' میں نے کہا حضورؐ پھر تو میں نہیں جاتا۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا میں تمہیں زبردستی بھیجتا بھی نہیں (ابوداؤد)۔

ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلتا رہے لیکن تہہ کو نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا' پھر خیانت والے سے کہا جائے گا' جا اسے لے آ' یعنی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے' فلاں شہید ہے' فلاں شہید ہے۔ جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے

غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کر لی تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی۔ یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا' کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپؐ نے صدقات میں خیانت کرنے والے کی نسبت فرمایا' اس میں جو شخص اونٹ یا بکری لے لے وہ قیامت والے دن اسے اٹھائے ہوئے آئے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہاں' یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ابن جریرؒ میں حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کیلئے حضورؐ نے بھیجنا چاہا اور فرمایا' اے سعدؓ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے تو حضرت سعدؓ کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ کو لوں اور نہ ایسا ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضورؐ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلم بن عبدالملک کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبداللہ بھی تھے۔ ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا' سردار لشکر نے حضرت سالمؒ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا' مجھ سے میرے باپ عبداللہؓ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ' اسے جلا دو' راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا اور اسے سزا دو چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا۔ حضرت سالم سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا' اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام علی بن مدینیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں' یہ حدیث منکر ہے' امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالمؒ کا اپنا فتویٰ ہے۔ حضرت امام احمد اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں' حضرت علیؓ فرماتے ہیں' اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا اسباب نہیں جلایا۔ واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریفوں کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعودؓ فرمانے لگے' تم میں سے جس سے ہو سکے' وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا' اسی کو لے کر قیامت کے روز آئے گا' پھر فرمانے لگے' میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے۔ پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرآت کو چھوڑ دوں؟ امام وکیعؒ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے' پھر آپؐ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تو نے حضرت بلالؓ کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی' اس نے کہا ہاں' فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا آپ نے فرمایا' اب میں ہرگز نہ لوں گا تو ہی اسے لے کر قیامت کے دن آنا۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَ مَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے O اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں' ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے O بیشک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً۔ یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے O

(آیت:۱۶۲-۱۶۴) اللہ دو عالم پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہونے والے' اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے' اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکانا پائیں گے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں' وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں' جیسا کہ دوسری جگہ ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا۔ اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا۔ نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا سزا ہوگی۔

پھر فرماتا ہے کہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تاکہ یہ اس سے بات چیت کر سکیں' پوچھ گچھ کر سکیں' ساتھ بیٹھ اٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الخ' یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ' کہہ دے کہ میں تو تم جیسا ہی انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تم سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے' وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یعنی اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے کہ مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تاکہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں۔

پس اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر ان کی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے۔ اس رسول کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے' ظاہر برائی اور پوری جہالت میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡهَا قُلۡتُمۡ اَنّٰی هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَ مَآ اَصَابَكُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِیَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۶۶﴾

کیا جب کبھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے' بیشک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے ○ اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈ بھیڑ ہو گئی تھی' وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے ○

غزوات سچے مسلمان اور منافق کو بے نقاب کرنے کا ذریعہ بھی تھے: ☆☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۶) یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے' یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے تھے اور اس سے دوگنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی' بدر والے دن ستر کافر قتل کئے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے' حضرت عمر بن خطابؓ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لے کر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا' اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کئے گئے اور صحابہؓ میں افراتفری پڑ گئی' حضور رسالت مآب ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے' آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا' اس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہو رہا ہے (ابن ابی حاتم' مسند احمد بن حنبل)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا اے محمدؐ! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے' یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں سے اتنی ہی تعداد شہید ہو گی۔ حضور علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں' ہمارے رشتے دار بھائی ہیں' ہم کیوں نہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے چنانچہ جرمانہ وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد غزوہ احد میں شہید ہوئی (ترمذی ونسائی)

پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ خود تمہاری طرف سے یہ سب ہوا یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں۔ وہ شہید ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ اس باعث تمہیں یہ نقصان پہنچا' تیر اندازوں کو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے' جو ارادہ ہو حکم دے' کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔ دونوں جماعتوں کی مڈ بھیڑ کے دن جو نقصان تمہیں پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلے سے بھاگ کھڑے ہوئے تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے' یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے تھا۔ اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم' غیر متزلزل' ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی' جو راستے میں ہی لوٹ گئے۔

اور منافقوں کو بھی معلوم کرلے جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے۔ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے' کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت ہٹا دو O

(آیت:۱۶۷-۱۶۸) ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان حملہ آوروں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے ٹال دیا کہ ہم تو فنون جنگ سے بے خبر ہیں۔ اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے' یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی' یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے' ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں۔ سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ میدان احد کی جانب بڑھے' آدھے راستے میں عبداللہ ابی بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی' اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدے کو نظرانداز رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو! کیوں جانیں کھو رہے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک وشبہ والے لوگ تھے' اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بنوسلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم' اپنے نبی کو' اپنی قوم کو رسوا نہ کرو' انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے ہی کی نہیں۔ جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے' جاؤ' تمہیں اللہ غارت کرے' اللہ کے دشمنو! تمہاری کوئی حاجت نہیں۔ اللہ اپنے نبیؐ کا مددگار ہے' چنانچہ حضورؐ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں۔ کبھی وہ کفر سے قریب جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا' یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں' جیسے ان کا یہی کہنا کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے' حالانکہ انہیں یقیناً معلوم تھا کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے

مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آئے ہیں۔ وہ بڑے جلے کٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے سردار بدر والے دن میدان میں رہ گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب وہ ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں اور یقیناً جنگ عظیم برپا ہونے والی ہے۔

پس جناب باری فرماتا ہے' ان کے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے' اس کے جواب میں جناب باری جل وعلا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہئے کہ تم مرو ہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں بیٹھے ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل بسو گے چاہے تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ' پس ہم تو تمہیں تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ع ۱۷/۱۶ ۸

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں ○ اللہ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے' اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا ○

بیئر معونہ کے شہداء اور جنت میں ان کی تمنا؟ ☆☆ (آیت: ۱۶۹-۱۷۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور رزق پاتی ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بیئر معونہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ جماعت جب اس غار تک پہنچی جو اس کنوئیں کے اوپر تھی تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے' کون ہے جو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اللہ کے رسولؐ کا کلمہ ان تک پہنچائے۔ ایک صحابیؓ اس کیلئے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آ کر با آواز بلند فرمایا' اے بیئر معونہ والو سنو! میں اللہ کے رسولؐ کا قاصد ہوں۔ میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں آرپار نکل گیا' اس صحابیؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ کعبے کے اللہ کی قسم' میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا' ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن میں اترا کہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے' ہم ان آیتوں کو برابر پڑھتے رہے پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھالی گئیں اور آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الخ' اتری (محمد بن جریر)۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں' ہم نے حضرت عبداللہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا' ان کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں' عرش کی قندیلیں ان کیلئے ہیں' ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں' چگیں اور ان قندیلوں میں آرام کریں' ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا' کچھ اور چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں۔ ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں' کھائیں پئیں' اختیار ہے۔ پھر کیا طلب کریں' اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا۔ تیسری مرتبہ یہی سوال کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے۔ ہم پھر دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے جائیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہو؟۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے ہاں بہتری پائیں' وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے جابر تمہیں معلوم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا' اے میرے بندے مانگ' کیا مانگتا ہے؟ تو کہا' اے اللہ دنیا میں پھر بھیج تا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹایا نہیں جائے گا' ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری تھا' اللہ تعالیٰ ان سے رضامند ہو۔

صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت جابرؓ فرماتے ہیں' میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کپڑا ہٹا ہٹا کر بار بار ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا' صحابہؓ مجھے منع کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے پھر حضورؐ نے فرمایا' جابر رومت جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کئے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام وراحت حاصل کریں' جب کھانے پینے رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تا کہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور اللہ کی راہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا' تم بے فکر رہو' میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابوبکر بن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے' جابر کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا' یا رسول اللہ میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا' سن میں تجھے

بتاؤں جس کسی سے اللہ نے کلام کیا' پردے کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی' فرمایا مجھ سے مانگ جو مانگے گا' دوں گا' تیرے باپ نے کہا' اللہ عزوجل میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید کیا جاؤں' رب عزوجل نے فرمایا۔ یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا' کہنے لگے پھر اے اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الخ' نازل فرمائی۔ بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں تو اے اللہ تیری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔ مسند احمد میں ہے شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سے گنبد سبز میں ہیں' صبح شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں' دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے یہیں کھلائے جاتے ہوں۔ واللہ اعلم' یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرنا بالکل برمحل ہوگا جس میں ہر مومن کیلئے یہی بشارت ہے' چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت والے دن جبکہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔ اس حدیث کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں۔ ایک تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے ان کے استاد ہیں۔ حضرت امام مالکؒ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' پس امام احمد' امام شافعی' امام مالکؒ تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمانداروں کی روح جنتی پرندکی شکل میں جنت میں رہتی ہے اور شہیدوں کی روحیں جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے' سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں۔ یہ روحیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مومنین کی روحوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں' یہ اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے' ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایمان و اسلام پر موت دے۔ آمین۔

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں' ان سے بے حد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد راہ اللہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے' انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہوگا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہوگی' اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ حضرت محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے کئی اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں' وہ بھی شہید ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریک حال ہوں گے اور اللہ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں' شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا اور فلاں دن فلاں آئے گا۔ پس جس طرح دنیا والے اپنے کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں' اسی طرح یہ شہداء ان شہیدوں کے آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہوتا جو اب تک دنیا میں ہی ہیں تاکہ وہ جواں مردی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جا گھستے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے' پس نبی ﷺ نے لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہہ دیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی کو دے دی ہے۔ اس سے وہ بہت ہی مسرور و محظوظ ہوئے۔

بخاری و مسلم میں بیئر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر شخص انصاری صحابی تھے۔ رضوان اللہ علیہم اور ایک ہی دن صبح

کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہہ تیغ کیا تھا۔ جن کے قاتلوں کے حق میں ایک ماہ نماز کی قنوت میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی۔ جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے' وہ اللہ کی نعمت و فضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں' یہ آیت یَسْتَبْشِرُوْنَ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر۔ بہت کم ایسے مواقع ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر نہ کرے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کو قبول کیا' اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی' ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے ○ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں' پس تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے ○

(آیت:۱۷۲-۱۷۳) پھر ان سچے مومنین کا بیان تعریف کے ساتھ ہو رہا ہے جنہوں نے حمراء اسد والے دن حکم رسول پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور اپنے گھروں کی طرف واپس چل دیئے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا۔ مسلمان ہار چکے تھے' زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور جم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ نبی ﷺ ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ میرے ساتھ چلو۔ ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تاکہ ان پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی کمزور نہیں ہوئے' احد میں جو لوگ موجود تھے' صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا۔ ہاں صرف حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا' اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یہ کہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیلئے کمربستہ ہو گئے۔ حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا' افسوس تم نے کچھ نہ کیا۔ واپس لوٹو! جب یہ خبر حضور کو پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا' یہ تیار ہو گئے اور مشرکین کے تعاقب میں چل پڑے یہاں تک کہ حمراء الاسد تک یا ''بیئر ابی عینیہ'' تک پہنچ گئے' مشرکین کے دل رعب وخوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چل دیئے کہ اگلے سال دیکھا جائے گا' حضورؐ بھی واپس مدینہ تشریف لائے' یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گنی جاتی ہے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی۔ سولہویں تاریخ بروز اتوار منادی رسولؐ نے ندا دی کہ لوگو دشمن کے تعاقب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے' اس آواز پر حضرت جابرؓ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے' یا رسول اللہ ﷺ کل کی لڑائی میں میں نہ تھا' اس لئے کہ میرے والد حضرت عبداللہؓ نے مجھ سے کہا' بیٹے تمہارے ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں' اسے تو نہ میں پسند کروں اور نہ تو کہ انہیں

یہاں تنہا چھوڑ کر دونوں ہی چل دیں' ایک جائے گا اور ایک یہاں رہے گا۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں۔ اس وجہ سے میں تو وہاں رہا اور میرے والد آپ ؐ کے ساتھ آئے' اب میری عین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں چنانچہ آپ ؐ نے اجازت دی۔

حضور ؐ کا سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں' قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک صحابی ؓ کا بیان ہے کہ غزوہ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم لوٹے تھے' جب اللہ کے رسول ؐ کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندا دی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ کے نبی ؐ کے ساتھ جائیں نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہو لیں' افسوس کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہمارے بے شمار گہرے زخم ہمیں آج جانے سے روک دیں گے' لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی۔ مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے۔ جب میرے بھائی بالکل عاجز آ جاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھا لیتا۔ جب تھک جاتا' اتار دیتا' یونہی جوں توں کر کے ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے (رضی اللہ عنہما) (سیرت ابن اسحاق) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ ؓ سے کہا' اے بھانجے تیرے دونوں باپ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا الخ' آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جبکہ نبی ﷺ کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہٰذا آپ ؐ نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے۔ اس پر ستر شخص اس کام کیلئے مستعد ہو گئے جن میں ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے' دوسرے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ روایت اور بہت سی اسناد سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں سے ہیں لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطا ہے۔ اس لئے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا اختلاف ہے جو حضرت عائشہ ؓ سے اس روایت کو موقوفاً لائے ہیں اور معنی کی رو سے بھی اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ ؓ کے باپ دادا میں سے نہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ ؓ نے اپنے بھانجے حضرت اسماء ؓ بنت ابی بکر کے لڑکے عروہ ؓ سے کہی ہے۔

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾

نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ یہ لوٹے۔ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی۔ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی' اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے' تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایماندار ہو ○

(آیت: ۱۷۴-۱۷۵) حضرت ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجودیکہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا' نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان تمہیں نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے' احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذی قعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغریٰ میں اپنے

ڈیرے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے۔ اس دفعہ بھی اس واقعہ کے بعد لوگ آئے۔ مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے' حضورؐ سے اپنے تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر اگلے سال تک یہ طاقت انہیں حاصل نہیں ہوگی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکانا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ ان لوگوں نے تمہارے استیصال کیلئے لشکر تیار کر لئے ہیں جس بناء پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے' آپؐ نے فرمایا سنو خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا۔ پھر آپؐ کے رغبت دلانے پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ ستر صحابہ آپ کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین' یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغریٰ تک پہنچ گیا' انہی کی اس فضیلت اور جاں بازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے' حضورؐ اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حمراء اسد تک پہنچ گئے۔ مدینہ میں اپنا نائب آپؐ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا۔ وہاں آپؐ نے پیر منگل بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے' اثناء قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا۔ یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضورؐ کی صلح وصفائی تھی۔ اس قبیلہ کے مشرک مومن سب آپ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے کہا کہ حضورؐ کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی' اس پر ہمیں سخت رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی کی خوشی نصیب فرمائے' حمراء اسد پر آپؐ پہنچے مگر اس سے پہلے ابوسفیان چل دیا تھا گو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آ گئے' انہیں قتل کیا' مارا پیٹا زخمی کیا' پھر ادھورا کام کیوں چھوڑیں' واپس جا کر سب کو تہ تیغ کر دیں۔ یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہو کیا خبریں ہیں۔ اس نے کہا آنحضور مع صحابہ کے تم لوگوں کے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے۔ وہ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بھرپور طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں' میں نے تو ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کیلئے تیار تھے' معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لوگے' میں ان کے لشکر' ان کے غصے' ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ' میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں مسلمانوں کے غیظ وغضب اور تہور و شجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں' پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو' ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی' قبیلہ عبدالقیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے' ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہ تیغ کر دینے کیلئے لشکر جمع کر لئے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کے ارادہ میں ہیں' اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تمہیں سوق عکاظ میں بہت ساری کشمش دیں گے چنانچہ ان لوگوں نے حمراء اسد میں آ کر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر یہ وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہؓ نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں نے ان کیلئے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے۔ اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گزشتہ کل کا دن۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراء اسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے انہیں پژمردہ دل کرنے کیلئے دشمنوں کے سازوسامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا

لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے' ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ توکل اور بڑھ گیا اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ الخ' حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت جبکہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ کو خوفزدہ کرنا چاہا' اس وقت پڑھا' تعجب کی بات ہے کہ امام حاکمؒ نے اس روایت کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا۔ حضرت انسؓ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقعہ پر جب حضورؐ کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ نے یہی کلمہ فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کی سرداری کے ماتحت جب حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزاعہ کے ایک اعرابی نے یہ خبر سنائی تو آپؐ نے یہ فرمایا تھا۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آپڑے تو تم حَسْبُنَا اللّٰهُ آخر تک پڑھو۔ مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضورؐ نے فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا' اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ آپؐ نے اسے واپس بلا کر فرمایا' بزدلی اور سستی پر اللہ کی ملامت ہوتی ہے' دانائی' دور اندیشی اور عقل مندی کیا کرو۔ پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہی پڑھ لیا کرو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' کس طرح بے فکر اور فارغ ہو کر آرام پاؤں حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے' صحابہؓ نے کہا' حضورؐ ہم کیا پڑھیں' آپؐ نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پڑھو۔

ام المومنین حضرت زینب اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زینبؓ نے فخر سے فرمایا' میرا نکاح خود اللہ نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح ولی وارثوں نے کئے ہیں۔ صدیقہؓ نے فرمایا' میری برات اور پاکیزگی کی آیات اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں۔ حضرت زینبؓ اسے مان گئیں اور پوچھا' یہ بتاؤ تم نے حضرت صفوان بن معطل کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا' صدیقہؓ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یہ سن کر ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا' تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا۔ چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالیٰ نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے' انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے' دشمن اپنی مکاریوں میں ناکام رہا' ان سے اللہ خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا' اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضورؐ نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل نفع کو آپؐ نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرما دیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضورؐ سے کہا' اب وعدے کی جگہ بدر ہے آپؐ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ وہاں پہنچے تو یہ ڈرپوک آیا ہی نہیں' وہاں بازار کا دن تھا' مال خرید لیا جو نفع سے بکا' اسی کا نام غزوہ بدر صغریٰ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں کے ذریعہ تمہیں دھمکا رہا تھا اور گیدڑ بھبکیاں دے رہا تھا' تمہیں چاہئے کہ ان سے نہ ڈرو۔ صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمانداری کی یہی شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے دھمکائے اور دینی امور سے تمہیں باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ پر بھروسہ کرے۔ اس کی طرف سمٹ جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ الخ' اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔ یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ کافی ہے' توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اور جگہ فرمایا' اولیاء شیطان سے لڑو' شیطان کا مکر بڑا بودا ہے' اور جگہ ارشاد ہے ۔ یہ شیطانی لشکر ہے' یاد رکھو شیطانی لشکر ہی گھاٹے اور خسارے میں ہے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ الخ' اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہوگا ۔ اللہ قوی اور عزیز ہے ۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ الخ' جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ اس کی امداد فرمائے گا ۔ اور فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ الخ' اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری بھی مدد کرے گا ۔ اور آیت میں ہے انا لننصر رسلنا الخ' بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان داروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے' جس دن ظالموں کو عذر معذرت نفع نہ دے گی ۔ ان کیلئے لعنت ہے اور ان کیلئے برا گھر ہے ۔

وَلَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا ۭ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَلَّا یَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں ۔ یقین مان کہ یہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ۔ اللہ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ○ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے' کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں ○ یہ مہلت تو صرف اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں ○

مشفق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عوام : ☆☆ (آیت:۱۷۶-۱۷۸) چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بے حد مشفق و مہربان تھے' اس لئے کفار کی بے راہ روی آپ پر گراں گزرتی تھی ۔ وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے' حضور کا دل غمزدہ ہوتا تھا' اس لئے جناب باری آپ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے حکمت الٰہیہ اسی کی مقتضی ہے' ان کا کفر آپ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا ۔ یہ لوگ اپنا اخروی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لئے بہت بڑے عذابوں کو تیار کر رہے ہیں ۔ ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا ۔ آپ ان پر غم نہ کریں ۔ پھر فرمایا' میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں' وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لئے المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں ۔

پھر اللہ تعالیٰ کافروں کا اللہ کے مہلت دینے پر اترانا بیان فرماتے ہیں ۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ الخ' یعنی کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال واولاد کی زیادتی ہماری طرف سے ان کی خیریت کی دلیل ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں ۔ اور فرمایا فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ الخ' یعنی مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے ۔ ہم انہیں

اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو اور ارشاد ہے فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ الخ یعنی ان کے مال اور اولاد سے کہیں تم دھوکے میں نہ پڑ جانا۔ اللہ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی ان کی جان جائے گی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ جانچ لے گا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا دوست کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مومن، صابر اور منافق، فاجر بالکل الگ الگ ہو جائیں گے اور صاف نظر آنے لگیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے جس میں ایمانداروں کا صبر و استقامت، پختگی اور توکل، فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت، تکذیب اور ناموافقت، انکار اور خیانت صاف ظاہر ہو گئی، غرض جہاد کا حکم، ہجرت کا حکم دونوں گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا، اگر محمدؐ سچے ہیں تو ذرا بتائیں تو کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ الخ، نازل ہوئی (ابن جریرؒ)۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ع ۱۸

جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ نہ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے ○ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے، وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں، بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے، آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ آگاہ ہے ○

(آیت: ۱۷۹-۱۸۰) پھر فرمان ہے اللہ کے علم غیب کو تم نہیں جان سکتے۔ ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اللہ عالم الغیب ہے۔ پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ پر، اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو، شریعت کے پابند رہو، یاد رکھو ایمان اور تقوے میں تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

خزانہ اور کوڑھی سانپ: ☆☆ پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھے - وہ تو اس کیلئے سخت خطرناک چیز ہے' دین میں تو معیوب ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے - حکم ہے کہ بخیل کے مال کا قیامت کے دن اسے طوق ڈالا جائے گا - صحیح بخاری میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے' اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے' طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں' پھر آپ نے اسی آیت وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ الخ' کی تلاوت فرمائی -

مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھاگتا پھرے گا - اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائے گا اور کاٹتا رہے گا - مسند ابو یعلی میں ہے' جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے' وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دو آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے' ان کے پیچھے دوڑے گا - یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا - پھر باقی جسم بھی' طبرانی کی حدیث میں ہے' جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود گنجائش ہونے کے نہ دے' اس کے لیئے قیامت کے دن زہریلا اژدہا پھن سے پھنکارتا ہوا بلایا جائے گا - دوسری روایت میں ہے کہ جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ اسے نہ دے' اس کی سزا یہ ہوگی اور وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا (ابن جریر) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اہل کتاب جو اپنی کتاب کے احکامات کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل کرتے تھے' ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے گو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولیٰ داخل ہے - واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم - پھر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے - اس نے جو تمہیں دے رکھا ہے - اس میں سے اس کے نام خرچ کرو - تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے - سخاوت کرو تا کہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے -

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں' ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والا عذاب چکھو ○ یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے بھیجا - اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

کافروں کا قرض حسنہ پر احمقانہ تبصرہ اور ان کی ہٹ دھرمی پہ مجوزہ سزا: ☆☆ (آیت: ۱۸۱-۱۸۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور وہ اسے زیادہ اور زیادہ کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے' اس پر یہ آیت لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ' نازل ہوئی - ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے' یہاں کا بڑا معلم فخاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا' لوگوں کا مجمع

تھا اور وہ ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے- آپؓ نے فرمایا فنحاص اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا' اللہ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں' ان کی صفتیں توراۃ وانجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا' ابوبکرؓ سن اللہ کی قسم' اللہ ہمارا احتاج ہے' ہم اس کے محتاج نہیں' اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں' ہم غنی اور تونگر ہیں' اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبرؐ کہہ رہا ہے- ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا- اس پر حضرت صدیق اکبرؓ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا' جاؤ بدنصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو' فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدیؐ میں کی- آپ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیقؓ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں اس بارے میں یہ آیت اتری- پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ ان کا یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیاءؑ ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے- ایک طرف ان کا جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا' دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا' ان کاموں کی وجہ انہیں سخت تر سزا ملے گی' ان کو ہم کہیں گے کہ جلنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے پہلے کے کرتوت کا بدلہ ہے' یہ کہہ کر انہیں ذلیل ورسوا کن عذاب پر عذاب ہوں گے- یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے-

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے' تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ ○ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں' صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے ○

(آیت:۱۸۳-۱۸۴) پھر ان کے اس خیال کو جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے جو یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں' ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اس کی امت میں سے جو شخص قربانی کرے' اس کی قربانی کو کھا جانے کیلئے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے' ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لے کر آئے تھے' تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی

آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا۔ ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمہیں تمہاری اپنی بات کا بھی پاس ولحاظ نہیں لہٰذا تم حق کے ساتھی ہو نہ کسی نبی کے ماننے والے ہو تم یقیناً جھوٹے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ تنگ دل اور غمناک نہ ہوں' اگلے اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لئے باعث تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے' زُبُرہ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتاری گئی تھیں اور ''منیر'' سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے' پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے ○ یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور یہ بھی یقینی ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی' اگر تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کر و تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے ○

موت وحیات اور یوم حساب: ☆☆ (آیت: ۱۸۵-۱۸۶) تمام مخلوق کو عام اطلاع ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے۔ جیسے فرمایا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی اس زمین پر جتنے ہیں' سب فانی ہیں۔ صرف رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے' پس صرف وہی اللہ وحدہ لاشریک ہمیشہ کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا' جس طرح انسان کل کے کل مرنے والے ہیں' اسی طرح فرشتے اور حاملان عرش بھی مر جائیں گے' مدت ختم ہو جائے گی' صلب آدم سے جتنی اولاد ہونے والی تھی' ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے' مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا' اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کے چھوٹے بڑے' چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی۔ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا' یہی اس کے بعد کے جملہ میں فرمایا جا رہا ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضورؐ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے۔ ہمیں پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا' اس نے آ کر کہا اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت' ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا' ہر مصیبت کی تلافی اللہ کے پاس ہے' ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا اپنی گم شدہ چیز کو پا لینا ہے اللہ ہی پر بھروسہ رکھو' اسی سے بھلی امیدیں رکھو' سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے' تم پر اللہ کی

طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم) حضرت علیؓ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پالے اور جنت میں چلا جائے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' اگر تم چاہو تو پڑھو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ آخری ٹکڑے کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے اور کچھ زیادہ الفاظ کے ساتھ ابن حبان اور حاکم میں ہے اور ابن مردویہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جانے کی ہو' اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث پہلے آیت وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند احمد میں بھی اور وکیع بن جراح کی تفسیر میں بھی یہی حدیث ہے۔ اس کے بعد دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل' فانی اور زوال پذیر چیز ہے' ارشاد ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی یعنی تم تو دنیا کی زندگی پر ریجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخری ہے۔ دوسری آیت میں ہے تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیات دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی بہترین زینت اور باقی رہنے والی تو وہ زندگی ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

حدیث شریف میں ہے' اللہ کی قسم' دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے۔ اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے' آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہی ہے۔ حضرت قتادہؒ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے۔ ایک یونہی دھوکے کی جگہ ہے جسے چھوڑ چھاڑ کر تمہیں چل دینا ہے۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ تو عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہونے والی چیز ہے' پس تمہیں چاہئے کہ ہوش مندی برتو اور یہاں اللہ کی اطاعت کر لو اور طاقت بھر نیکیاں کما لو' اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔

آزمائش لازمی ہے صبر وضبط بھی ضروری: ☆☆ پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ الخ' مطلب یہ ہے کہ مومن کا امتحان ضرور ہوتا ہے۔ کبھی جانی' کبھی مالی' کبھی اہل وعیال میں' کبھی اور کسی طرح' یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے' سخت دیندار کی ابتلاء بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔ پھر پروردگار جل شانہ صحابہ کرامؓ کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تمہیں اہل کتاب سے اور مشرکوں سے دکھ دینے والی باتیں اور سرزنش سننی پڑے گی' پھر تسلی دیتا ہوا طریقہ سکھاتا ہے کہ تم صبر وضبط کر لیا کرو اور پرہیزگاری برتو۔ یہ بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کر لیا کرتے تھے اور رب کریم کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کیلئے بنو حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے' یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے' یہودی بھی تھے' مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا' مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' حضورؐ کی سواری سے گرد و غبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ' حضورؐ پاس پہنچ ہی چکے تھے۔ سواری سے اتر آئے۔ سلام کیا اور

انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں تو عبداللہ بول پڑا۔ سنئے صاحب آپ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں' آپ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذا دیں اپنے گھر جائیے جو آپ کے پاس آئے اسے سنائیے' یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' حضورؐ بیشک آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں' ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے' اب ان کی آپس میں خوب جھڑپ ہوئی' ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگا اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں لیکن حضورؐ کے سمجھانے بجھانے سے آخر امن وامان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ آپؐ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعدؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ابوحباب' عبداللہ بن ابی بن سلول نے آج تو اس طرح کیا حضرت سعدؓ نے کہا' یا رسول اللہ آپ جانے دیجئے' معاف کیجئے اور درگزر کیجئے' قسم اللہ کی جس نے آپ پر قرآن اتارا' اسے آپؐ سے اس لئے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا فیصلہ ہو چکا تھا ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا لوگوں نے آپ کو نبی مانا اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے' اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے جو کہہ دیا کہہ دیا' آپ اسے اہمیت نہ دیں چنانچہ حضورؐ نے درگزر کر لیا اور یہی آپؐ کی عادت تھی اور آپؐ کے اصحابؓ کی بھی' یہودیوں سے' مشرکوں سے درگزر فرماتے' سنی ان سنی کر دیا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے' یہی حکم آیت وَدَّ كَثِيرٌ میں ہے' جو حکم عفو ودرگزر کا اس آیت وَلَتَسْمَعُنَّ میں ہے۔

ازاں بعد آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں لشکر کفار کے سرداران قتل وغارت ہوئے' یہ حالت اور شوکت اسلام دیکھ کر اب عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی گھبرائے۔ بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں۔ پس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا ہے اور جو برائی اور خلاف شرع کام سے روکتا ہے' اس پر ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں۔ اسے چاہئے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور اللہ کی راہ میں صبر وضبط سے کام لے' اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے' اسی سے مدد طلب کرتا رہے اور اپنی کامل توجہ اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

ع ۱۹

اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں' پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے ○ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا' اس پر

بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

بدترین خرید وفروخت! ☆☆ (آیت: ۱۸۷-۱۸۹) اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر الزمان پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ذکر کو اور آپ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے' انہیں آپ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آ جائیں تو دل سے آپ کے تابعدار ہو جائیں گے' لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپالیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے وعدہ کیا تھا' ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے- ان کی یہ خرید وفروخت بد سے بدتر ہے' اس میں علماء کو تنبیہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سزا ہوگی جو ان کو ملی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی- علماء کرام کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو' جس سے لوگ نیک عمل جم کر کر سکتے ہوں' اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں' حدیث شریف میں ہے' جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا-

دوسری آیت میں ریاکاروں کی خدمت بیان ہو رہی ہے' بخاری ومسلم کی دوسری حدیث میں ہے' جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادہ مال کمانا چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا' بخاری ومسلم کی دوسری حدیث میں ہے' جو نہ دیا گیا ہو' اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مثل ہے' مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کئے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پاسکتا' حضرت عبداللہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں اس آیت سے کیا تعلق' یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے- پھر آپ نے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا جس کی وجہ سے آپ کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور سوال کے اصلی جواب کے چھپالینے اور اپنے جھوٹے فقرہ کے چل جانے پر بھی خوش تھے- اسی کا بیان اس آیت میں ہے' یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے اور صحیح بخاری شریف- میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے- ساتھ نہ جاتے- پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے- اب جب اللہ کے نبیؐ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے' جھوٹے سچے عذر پیش کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کئے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری-

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گذرا کہ حضرت ابن عباسؓ سے پچھوایا تو حضرت ابوسعیدؓ نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منافقوں کو قرار دیا' جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے- اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے- اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح ونصرت کی خوشی کا اظہار کرتے' اس پر مروان نے کہا' کہاں یہ واقعہ' کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابتؓ بھی اس سے واقف ہیں- مروان نے حضرت زیدؓ سے پوچھا' آپ نے بھی اس کی تصدیق کی' پھر حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا' اس کا علم حضرت رافع بن خدیج کو بھی ہے جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ ان کی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں' چھین لیں گے' باہر نکل کر حضرت زیدؓ نے کہا' میری

شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا تم نے سچی شہادت ادا کر دی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا' پھر میں بھی سچی شہادت دینے پر مستحق تعریف تو ہوں۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ کا امیر تھا' دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیج سے ہی پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کی روایت میں گذر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پچھوایا تھا تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور نفی کا عنصر نہیں' ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے۔ اس میں بھی شامل ہے اور اس میں بھی' مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیئے۔ پھر مزید تشفی کے طور پر حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا ہو' واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہؐ مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو' اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند ہوں۔ تیسرے یہ کہ حضورؐ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے۔ خوش ہو کر کہنے لگے۔ کیوں نہیں یارسول اللہؐ۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی زندگی انتہائی اچھی گزری اور موت شہادت کی نصیب ہوئی' مسلیمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں آپ نے شہادت پائی۔ تَحْسَبَنَّهُمْ کو يَحْسَبَنَّهُمْ پڑھا گیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ تو انہیں عذاب سے نجات پانے والے خیال نہ کر' انہیں عذاب ضرور ہوگا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے۔ اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا۔ پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کر لو۔ نہ تو کوئی اس سے بڑا نہ اس سے زیادہ قدرت والا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں ○ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں' کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں' (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا' تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچالے ○

مظاہر کائنات دلیل رب ذوالجلال دعوت غور و فکر: ☆☆ (آیت: ۱۹۰-۱۹۱) طبرانی میں ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کہا اژدھا بن جانے والی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ' پھر نصرانیوں کے پاس گئے۔ ان سے کہا' تمہارے پاس حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کیا نشانیاں لائے تھے' جواب ملا کہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب یہ قریش آنحضرت ﷺ کے پاس

آئے اور آپ سے کہا' اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے- آپ نے دعا کی جس پر یہ آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ' اتری یعنی نشان قدرت دیکھنے والوں کے لئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں- یہ اسی میں غور فکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے' لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے- وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف میں ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے- واللہ اعلم- آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت اور لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ' جنگل' درخت' گھاس' کھیتیاں' پھل اور مختلف قسم کے جاندار' کانیں' الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص والے میوے وغیرہ' کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ عزوجل کی طرف نہیں کر سکتیں جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے' پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا' پھر برابر ہو جانا' یہ سب اس عزیز و حلیم اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں' جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں' جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور غور فکر نہیں کرتے' ان میں کے اکثر باوجود اللہ تعالیٰ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں بچ سکتے - اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں-

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عمران بن حصینؓ سے فرمایا' کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو' اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی' یعنی کسی حالت میں اللہ عزوجل کے ذکر سے غافل مت رہو' دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہا کرو' یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت' علم و حکمت' اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں' حضرت شیخ سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے' میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے' حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے' حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا' حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں' غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے ؎

اِذَا الْمرءا كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ فَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ

یعنی جس انسان کو باریک بینی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی' اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں' خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو' لقمان حکیم کا نصیحت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اور اسی قدر غور و فکر اور دور اندیشی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے' اسی قدر راستے انسان پر وہ کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں گے- حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں' جس قدر مراقبہ زیادہ ہوگا' اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اور جتنی سمجھ زیادہ ہوگی' اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا' نیک اعمال بھی بڑھیں گے' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے' حضرت مغیث اسودؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو قبرستان ہر روز جایا کرو تا کہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو' پھر اپنے دل میں اس منظر

کو حاضر کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو' پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے۔ اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کر دو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اس کے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ' اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا۔ اے بندہ حق اس وقت تیرے پاس دو خزانے ہیں۔ ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان اور دوسرا خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ۔ پیشاب پاخانہ ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے' اے اجڑے ہوئے گھرو تمہارے رہنے والے کہاں گئے؟ پھر خود فرماتے' سب زیر زمین چلے گئے' سب فنا کا جام پی چکے' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہمیشہ کی مالک بقا ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے' دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں' اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گذار دی لیکن دلچسپی نہ تھی' حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ابن آدم اپنے پیٹ کے تیسرے حصے میں کھا' تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لئے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر' اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور وفکر کر سکے' بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر عبرت حاصل کئے بغیر نظر ڈالتا ہے' اس غفلت کی وجہ سے اس کی دلی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں' حضرت بشیر بن حارث حافی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں' حضرت عامر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی غور وفکر اور مراقبہ میں ہے۔ مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم اے ضعیف انسان جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ' دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ' اپنا گھر مسجدوں کو بنالے' اپنی آنکھوں کو رونا سکھا' اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا' اپنے دل کو غور وفکر کرنے والا بنا' کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا' اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ○ اے ہمارے رب ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے' اے اللہ اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر اور ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر ○ اے ہمارے پرورش کرنے والے اللہ' ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

(آیت: ۱۹۲-۱۹۴) امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ

پوچھی تو آپ نے فرمایا' میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور و فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں' حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے اس میں عبرت و نصیحت ہے اور وعظ و پند ہے' حسین بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح و ثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں۔ مومنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ سبحانہ کا ذکر کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے' پھر اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو بے کار بنائے' اے خالق کائنات' اے عدل و انصاف سے کائنات کو سجانے والے' اے نقصان اور عیبوں سے پاک ذات' ہمیں اپنی قوت و طاقت سے ان اعمال کی توفیق اور ہمارا رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں' یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ جسے تو جہنم میں لے گیا' اسے تو نے برباد اور ذلیل و خوار کر دیا' مجمع حشر کے سامنے اسے رسوا کیا' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ انہیں نہ کوئی چھڑا سکے نہ بچا سکے۔ نہ تیرے ارادے کے درمیان آسکے' اے رب ہم نے پکارنے والے کی پکار سن لی جو ایمان اور اسلام کی طرف بلاتا ہے' مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ ہم ایمان لا چکے اور تابعداری بجا لائے پس ہمارے ایمان اور فرماں برداری کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ ان کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے' تو نے ہم سے جو وعدے اپنے نبیوں کی زبانی کئے ہیں' انہیں پورے کر' اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا' لیکن پہلا معنی واضح ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے۔ یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شہید اٹھائیں گے جو وفد بن کر اللہ کے پاس جائیں گے۔ یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں ان کے کٹے ہوئے سر ہوں گے۔ ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہوگا' یہ کہتے ہوں گے اے اللہ ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کئے ہیں' انہیں پورے کر' ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر' تو وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میرے یہ بندے سچے ہیں اور انہیں نہر بیضہ میں غسل کروائیں گے جس غسل کے بعد پاک صاف گورے چٹے رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ساری جنت ان کے لئے مباح ہو گی جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پئیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے واللہ اعلم۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوا نہ کر' تیرے وعدے سچے ہیں تو نے جو کچھ خبریں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں' سب اٹل ہیں' قیامت کا روز ضرور آنا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے پر رسوائی' ڈانٹ ڈپٹ' مار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اسے قائل معقول کیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا (ابو یعلی) اس حدیث کی سند بھی غریب ہے۔

احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھتے تب سورۂ آل عمران کی ان دس آخری آیتوں کی تلاوت فرماتے' چنانچہ بخاری شریف میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رات گذاری۔ یہ ام المومنین حضور کی بیوی صاحبہ تھیں۔ حضور جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپ حضرت میمونہؓ سے باتیں

کرتے رہے۔ پھر سو گئے۔ جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے آخر سورت تک آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پھر کھڑے ہوئے' مسواک کی' وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی' حضرت بلالؓ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں۔ پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا لیٹیں۔ آدھی رات کے قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضورؐ جاگے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیتوں کی تلاوت کی۔ پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا۔ میں بھی آپ کی بائیں جانب آپ کی اقتدار میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا حضورؐ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعت کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعت پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک موذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی۔ آپ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی۔

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضورؐ کی آل میں گذارو اور آپ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو۔ رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے' میں بیٹھا رہا' جب حضورؐ جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا' کون عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں' فرمایا کیوں رکے ہوئے ہو' میں نے کہا' والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ کے گھر گذاروں تو فرمایا بہت اچھا آؤ' گھر جا کر فرمایا۔ بستر بچھاؤ' ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضورؐ اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھا پھر سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی یہ آیتیں پڑھیں۔ اور روایت میں ہے کہ آیتوں کی تلاوت کے بعد حضورؐ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ بَیْنِ یَدَیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ (ابن مردویہ) یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث گذری ہے' اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطاؒ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت عبید بن عمیرؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے' آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا' حضرت صدیقہؓ نے پوچھا' عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید نے جواب دیا' اماں جان صرف اس لئے کہ کسی شاعر کا قول ہے زرغبا تزد دحبا یعنی کم کم آؤ تا کہ محبت بڑھے' حضرت ابن عمرؓ نے کہا' اب ان باتوں کو چھوڑو ام المومنین ہم یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتائیں۔ حضرت عائشہؓ رو دیں اور فرمانے لگیں' حضور ﷺ کے تمام کام عجیب تر تھے' اچھا ایک واقعہ سنو۔ ایک رات میری باری میں حضورؐ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ عائشہ میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں' مجھے جانے دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ۔ اللہ کی قسم میں آپ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں' اب آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپؐ نے ہلکا سا وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ پھر کروٹ کے بل

لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے آ کر نماز کے لئے بلایا اور آپ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسولؐ' آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں' آپؐ نے فرمایا' بلال میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ الخ 'افسوس ہے اس شخص کے لئے جو اسے پڑھے اور پھر اس میں غور و تدبر نہ کرے۔

عبد بن حمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہؓ کے پاس گئے' ہم نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے رخسار تلے ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور حضرت بلالؓ کے جواب میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اور آیتوں کے نازل ہونے کے بارے میں عَذَابَ النَّارِ تک آپ نے تلاوت کی' ابن مردویہ کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۂ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو پڑھتے۔ اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت' میں ہرگز ضائع نہیں کرتا' تم آپس میں ایک ہی ہو' پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے' میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے ○

دعا کیجئے' قبول ہو گی بشرطیکہ؟ ☆☆ (آیت:۱۹۵) یہاں اِسۡتَجَابَ کے معنی میں اجاب کے ہیں اور یہ عربی میں برابر مروج ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز حضورؐ سے پوچھا کہ کیا بات ہے عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا' اس پر یہ آیت اتری' انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں' حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں۔ ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلی کی آیتوں میں تھا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مراد انہیں عطا فرمائی' اسی لئے اس آیت کو ''ف'' سے شروع کیا جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ الخ' یعنی میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دے کہ میں تو ان کے بہت ہی نزدیک ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار کو قبول فرما لیتا ہوں۔ پس انہیں بھی چاہئے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ ممکن ہے کہ وہ رشد و ہدایت پا لیں۔

پھر قبولیت دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت' ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے' پس جو لوگ شرک کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آ جائیں' دارالکفر سے ہجرت کریں' بھائیوں' دوستوں' پڑوسیوں اور اپنوں کو اللہ کے نام پر ترک کر دیں' مشرکوں کی ایذائیں سہہ سہہ کر' تھک کر بھی' عاجز آ کر بھی ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں جبکہ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ پہ چلنے والے تھے' صرف میری توحید کو مان کر دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی' میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ یہ لوگ رسول کو اور تمہیں صرف اس بنا پر وطن سے نکال دیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے' اور ارشاد ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ اللہ عزیز وحمید پر ایمان لائے ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کئے اور یہ شہید بھی ہوئے' یہ سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہے' ایسا شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے' اس کی سواری کٹ جاتی ہے' منہ خاک وخون میں مل جاتا ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یارسول اللہ ؐ اگر میں صبر کے ساتھ' نیک نیتی سے' دلیری سے' پیچھے نہ ہٹ کر' اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا؟ آپ ؐ نے فرمایا' ہاں پھر دوبارہ آپ ؐ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے دوبارہ اپنا سوال دھرا دیا' آپ ؐ نے فرمایا ہاں مگر قرض معاف نہ ہوگا' یہ بات جبرائیل ابھی مجھ سے کہہ گئے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی خطا کاریاں معاف فرما دوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن میں چاروں طرف نہریں بہہ رہی ہیں' جن میں کسی میں دودھ ہے' کسی میں شہد' کسی میں شراب' کسی میں صاف پانی اور وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنیں' نہ کسی آنکھ نے دیکھیں' نہ کسی انسانی دل میں کبھی خیال گزرا۔ یہ ہے بدلہ اللہ کی طرف سے۔ ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہوگا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب' قیاس سے بڑھ کر کیونکہ اس کی ذات بے پرواہ ہے' نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں' لوگو اللہ تعالیٰ کی قضاء پر غمگین اور بے صبرے نہ ہو جایا کرو۔ سنو مومن پر ظلم وجور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر وضبط کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِھَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

تجھے کافروں کا شہر میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے ۞ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے' اس کے بعد ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے' اور وہ بری جگہ ہے ۞ لیکن جو لوگ اپنے

رب سے ڈرتے رہیں ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے مہمان ہیں اللہ کی طرف سے اور نیک کاروں کے لئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ○

دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں: ☆☆ (آیت:۱۹۶-۱۹۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بدمستی کے سامان تعیش ان کی راحت و آرام ان کی خوشحالی اور فارغ البالی کی طرف اے نبی آپ نظریں نہ ڈالیں۔ یہ سب عنقریب زائل ہو جائے گا اور صرف ان کی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں ان کے لئے باقی رہ جائیں گی۔ ان کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً مَا یُجَادِلُ فِیۡٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغۡرُرۡکَ تَقَلُّبُھُمۡ فِی الۡبِلَادِ اللہ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں۔ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ الخ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا میں چاہے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔ پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت ترسزائیں دیں گے۔

ارشاد ہے انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گہرے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کو کچھ مہلت دے دے اور جگہ ہے کیا وہ شخص جو ہمارے بہترین وعدوں کو پالے گا اور وہ جو دنیا میں آرام سے گزار رہا ہے لیکن قیامت کے دن عذابوں کے لئے حاضری دینے والا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ چونکہ کافروں کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہوا اس لئے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متقی گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہوگا ابن مردویہ میں ہے رسول کریم افضل الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے یہی روایت حضرت ابن عمرو سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذا نہ دیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص کے لئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لئے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے گناہ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب ان کا بڑھنا ختم ہوا۔ پہلے کی دلیل وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ہے اور دوسری کی دلیل لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَھُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِھِمۡ الخ ہے یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں۔ یہ ڈھیل ان کے گناہوں میں اضافہ کر رہی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَاِنَّ مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡھِمۡ خٰشِعِیۡنَ لِلّٰہِ ۙ لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾

ع ۲۰ ۱۱

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اترا اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہیں اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں' ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو ○

ایمان والوں اور مجاہدین کے قابل رشک اعزاز: ☆☆ (آیت:۱۹۹-۲۰۰) اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریف کرتا ہے جو پورے ایمان والا ہے۔ قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبیؑ کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے۔ رب کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرتا رہتا ہے۔ پیغمبر آخر الزمانؐ کے جو پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں' اسے دنیا کے بدلے چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو بتاتا ہے اور آپ کی رسالت کو مان لینے کی رغبت دلاتا ہے' ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائے گی خواہ یہودیوں کی ہو' خواہ نصرانیوں کی۔ سورہ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ الخ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے' وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے' یہ برحق کتاب ہمارے رب کی ہے' ہم تو پہلے سے ہی اسے مانتے تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے کتاب دی اور جسے وہ اسے صحیح طور پر پڑھتے ہیں' وہ تو اس قرآن پر بھی فوراً ایمان لاتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے' دوسرے مقام پر بیان ہے لَيْسُوْا سَوَآءً الخ یعنی اہل کتاب سب یکساں نہیں۔ ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی اللہ کی کتاب پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی ہے۔ اور جگہ ہے' اے نبیؐ! تم کہو کہ لوگو تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' جنہیں پہلے سے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اس کلام مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور سچا ہو کر رہنے والا ہے۔ یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گرتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ صفتیں یہودیوں میں پائی گئیں گو بہت کم لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علماء لیکن ان کی گنتی دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آ گئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے جیسے اور جگہ ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا آخر آیت تک' مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک اور ایمان والوں سے محبت رکھنے میں پیش پیش نصرانی ہیں۔

اب فرماتا ہے' ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ حدیث میں یہ بھی آ چکا ہے کہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہ' ارکین سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپؑ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں' صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے اور اس کے جنازے کی نماز ادا کرو اور میدان میں جا کر صحابہؓ کی صفیں مرتب کر کے آپؐ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا' اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو تو بعض لوگوں نے کہا' دیکھئے حضورؐ ہمیں اس نصرانی کے لئے استغفار

کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی' ابن جریرؒ میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضورؐ نے دی کہ تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے' پھر حضورؐ باہر نکلے اور جس طرح جنازے کی نماز پڑھاتے تھے اسی طرح چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری' ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اس کی سلطنت پر حملہ آور ہوا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لئے چلئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے' اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا لیکن نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں' اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضورؐ سے پہلے تھے' اسلام کو پہچانتے تھے اور حضورؐ کی تابعداری کا بھی شرف انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا۔ ایک تو حضورؐ سے پہلے کے ایمان کا' دوسرا اجر آپؐ پر ایمان لانے کا' بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا اور باقی دو کو بھی ذکر کیا' اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے یعنی اپنے پاس علمی باتوں کو چھپاتے نہیں جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے اور شمار کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جمے رہو۔ شدت اور نرمی کے وقت' مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں بھی اسے نہ چھوڑو۔ یہاں تک کہ دم نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر سے کام لو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں' امام حسن بصری وغیرہ علماء سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

مرابطہ کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو اور کہا گیا ہے' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو' یہی قول ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ' سہل بن حنیف اور محمد بن کعب قرظیؒ کا۔ صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے' تکلیف ہوتے ہوتے بھی کامل وضو کرنا' دور سے چل کر مسجدوں میں آنا' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے' یہ مرابطہ ہے' یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ ابوسلمہؓ سے ایک دن حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا' اے میرے بھتیجے جانتے ہو' اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپؓ نے فرمایا' سنو اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں بسیرا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب ایمان ہیں۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ ناپسندیدگی کے وقت کامل وضو کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے۔ اور حدیث میں زیادہ قدم رکھ کر چل کر مسجد میں آنا بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں اور یہی اس آیت کا مطلب ہے لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں' یہاں ''رَابِطُوا'' سے مطلب انتظار نماز ہے' لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے- واللہ اعلم- اور یہ بھی کہا گیا ہے ''رَابِطُوا'' سے مراد دشمن سے جہاد کرنا' اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے- اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے ایک دن کی یہ تیاری ساری. دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے' مسلم شریف کی حدیث میں ہے' ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آ جائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا' سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے- اور فتنوں سے امن پاتا ہے- مسند احمد میں ہے' ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حالت میں مر جائے' اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے' ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اسے امن ملے گا' مسند کی اور حدیث میں ہے' اسے صبح و شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابط کا اجر ملتا رہتا ہے- مسند احمد میں ہے جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے' اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے-

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے' ایک مرتبہ فرمایا' میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں- میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا' آپؐ نے فرمایا ہے' اللہ جل شانہ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں- دوسری روایت میں اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسولؐ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چل دو- اب میں سنا دیتا ہوں- ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے' اس کا پابند ہو جائے-

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے پھر فرمایا' کیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی بات پہنچا دی- لوگوں نے کہا ہاں- آپؓ نے فرمایا' اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ' ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرجیل بن سمط محافظت سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسیؓ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا' آؤ میں تجھے پیغمبر اللہ ﷺ کی ایک حدیث سناؤں- آپؐ نے فرمایا ہے' ایک دن سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام و قیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے' وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں-

ابن ماجہ میں ہے کہ ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو' ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے. جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی رب العزت کی راہ میں تیاری تاکہ مسلمان با حفاظت رہیں' طلب ثواب کی نیت سے ماہ رمضان کے بغیر اللہ کے نزدیک ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہے گا- یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے- اس کے ایک راوی عمرو بن صبیح متہم ہیں' ابن ماجہ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے- ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے' اس کے راوی سعید بن خالد ابو زرعہؒ

وغیرہ ہیں ۔ ائمہ نے اسے ضعیف کہا ہے بلکہ امام حاکمؒ فرماتے ہیں اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں ۔ ایک منقطع حدیث میں ہے لشکر اسلام کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو (ابن ماجہ) ۔

حضرت سہل بن حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ حنین والے دن ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ چلے شام کی نماز میں نے حضورؐ کے ساتھ ادا کی ۔ اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اور کہا یارسول اللہ میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں جمع ہو گئے ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں بکریاں عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں ۔ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا ان شاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کی مال غنیمت ہوگا ۔ پھر فرمایا بتاؤ آج کی رات پہرہ کون دے گا ؟ حضرت انس بن ابومرشد نے کہا یارسول اللہ میں حاضر ہوں آپؐ نے فرمایا جاؤ سواری لے کر آؤ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا اس گھاٹی پر چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ خبردار تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو صبح جس وقت نماز کے لئے حضورؐ تشریف لائے دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا کہو تمہارے پہرے دار سوار کی تو کوئی آہٹ نہیں سنی ۔ لوگوں نے کہا ۔ نہیں یارسول اللہ اب تکبیر کہی گئی اور آپؐ نے نماز شروع کی ۔ آپ کا خیال اسی گھاٹی کی طرف تھا ۔ نماز سے سلام پھیرتے ہی آپؐ نے فرمایا ۔ خوش ہو جاؤ ۔ تمہارا گھوڑ سوار آ رہا ہے ہم نے جھاڑیوں میں جھانک کر دیکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گئے ۔ آ کر حضورؐ سے کہا یارسول اللہ میں اس وادی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزاری ۔ صبح میں نے دوسری گھاٹی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ کیا رات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترے تھے ۔ جواب دیا نہیں صرف نماز کے لئے اور قضا حاجت کے لئے تو نیچے اترا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اپنے لئے جنت واجب کر لی اب تم اس کے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں (ابوداؤد و نسائی) ۔

مسند احمد میں ہے ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی ۔ یہاں تک کہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر اپنے اوپر ڈھالیں لے لے کر پڑے ہوئے تھے ۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت آواز دی کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضورؐ میں تیار ہوں ۔ آپؐ نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لئے بہت دعا کی ۔ ابوریحانہ یہ دعائیں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے یارسول اللہ میں بھی پہرہ دوں گا ۔ آپؐ نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لیئے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دعا کم تھی پھر آپؐ نے فرمایا اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو اللہ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ اللہ میں شب بیداری کرے مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت و تنخواہ کے وہ اپنی آنکھوں سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لئے جو اس آیت میں ہے وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم سب اس پر وارد ہو گئے ۔

صحیح بخاری میں ہے دینار کا بندہ برباد ہوا اور کپڑوں کا بندہ اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے یہ بھی برباد ہوا اور خراب ہوا اگر اسے کانٹا چبھ جائے تو نکالنے کی کوشش بھی نہ کی جائے ۔ خوش نصیب ہوا اور پھلا خوب پھولا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے ۔ بکھرے ہوئے بال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں ۔ اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیدارہ کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصے میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو الحمد للہ اس آیت کے متعلق خاصی حدیثیں بیان ہو گئیں ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہم اس

کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے ۔ تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رومیوں کی فوج کی کثرت' ان کی آلات حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیتیں بیان کیں اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقعہ ہے' یہاں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب گیا جس میں حمد و ثناء کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھیج دیتا ہے ۔ سنو ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی ۔ سنو پروردگار عالم کا فرمان ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے سن ۱۷۰ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم بن سکینہ کو جبکہ وہ ان کو وداع کرنے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے' یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کو بھجوائے ۔

یَا عَابِدَ الْحَرَمَیْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا لَعَلِمْتَ اِنَّکَ فِیْ الْعِبَادَۃِ تَلْعَبُ
مَنْ کَانَ یَخْضِبُ خَدَّہٗ بِدُمُوْعِہٖ فَنُحُوْرُنَا بِدِمَآئِنَا تَتَخَضَّبُ
من کان یتعب خیلہ فی باطل فنخیولنا یوم الصبیحتہ تتعب
رِیْحُ الْعَبِیْرِ لَکُمْ وَنَحْنُ عَبِیْرُنَا رَھْجُ السَّنَابُکِ وَالْغُبَارُ الْاَطْیَبُ
وَلَقَدْ اَتَانَا مِنْ مَّقَالِیْ نَبِیِّنَا قَوْلٌ صَحِیْحٌ صَادِقٌ لَا یَکْذِبُ
لَا یَسْتَوِیْ غُبَارُخَیْلِ اللّٰہِ فِیْ اَنْفِ امْرِیْٔ وَ دُخَانُ نَارٍ تَلْھَبُ
ھٰذَا کِتَابُ اللّٰہِ یَنْطِقُ بَیْنَنَا لَیْسَ الشَّھِیْدُ بِمَیِّتٍ لَا یَکْذِبُ

''اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے' اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے' ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن اللہ کی راہ میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں ۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں ۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار ہے ۔ یقین مانو' ہمیں نبی کریم کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے نام میں اس اللہ تعالیٰ کے لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی' اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا ۔ اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ۔''

محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں' جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار زار روئے اور فرمایا' ابوعبدالرحمٰن نے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں' صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بے حد خیر خواہی کی ۔ پھر مجھ سے فرمایا' کیا تم حدیث لکھتے ہو' میں نے کہا جی ہاں' کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ میرے پاس لائے' اس کے بدلے میں تمہیں ایک حدیث لکھواتا ہوں ۔ وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جس سے میں مجاہد کا ثواب پا لوں' آپ نے فرمایا' کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے' اس نے کہا حضور اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ہی ضعیف ہوں ۔ آپ نے فرمایا' اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی

سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا' تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھرادھر چرجائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔ جناب رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا' اے معاذ جہاں بھی ہو' اللہ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ چاروں کام کر لینے سے تم اپنے مقصد میں کامیاب اور بامراد ہو جاؤ گے۔ دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے' تم میرا لحاظ رکھو' میرے خوف سے کانپتے رہو' میرے اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے' نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے۔ انتہی

تفسیر سورة النساء

(تفسیر سورۂ نساء) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ شریف میں اتری ہے' حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اب روک رکھنا نہیں' مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی مجھے مل جائے جب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے' اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے' وہ جداگانہ ہے اور آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ الخ' اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے اور آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ' یعنی یہ لوگ گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار طلب کرتا تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں' یوں تو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمان کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے' عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ الخ' کے بدلے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہے یعنی جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے' پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں یا تو رہ گیا ہے اور اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث اور پانچویں آیت اس حدیث و من یعمل الخ' کی مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ والی آیت پوری ہے اور وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں احادیث میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں (واللہ اعلم۔ مترجم)۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ الخ' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان

کر دے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے۔ اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے' دوسری آیت وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔

تیسری آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر تخفیف کرنا چاہتا ہے' باقی آیتیں وہی جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ نساء کی بابت سنا۔ پس میں نے قرآن پڑھا اور میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا (حاکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾

شروع کرتا ہوں' اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ لوگو اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو' بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

محبت و مودت کا آفاقی اصول: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ اپنے تقوے کا حکم دیتا ہے کہ جسم سے اسی ایک ہی کی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے' ان کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو بھی انہی سے پیدا کیا' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا' آپ نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے' اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو' صحیح حدیث میں ہے عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بے شک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم و حوا سے بہت سے انسان مرد و عورت چاروں طرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں' صفتیں' رنگ و روپ' بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے' جس طرح یہ سب پہلے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا' ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضے میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت عبادت بجا لاتے

رہو اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے پاک نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں' اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو اللہ جل شانہ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو۔ انہیں توڑو نہیں بلکہ جوڑو صلہ رحمی' نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔

ارحام بھی ایک قرات میں ہے یعنی اللہ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال سے واقف ہے۔ خوب دیکھ بھال رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ اللہ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے' صحیح حدیث میں ہے اللہ عزوجل کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے' مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگراں ہے' یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو' کمزور اور ناتواں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو' صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ الخ' کی تلاوت کی۔ پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی چنانچہ جس سے جو ہو سکا۔ ان لوگوں کے لئے دیا' درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی۔ یہ حدیث' مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے۔ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو' پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو' اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ' بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں سے بھی جو تمہیں اچھی لگیں' تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی' ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ ○ عورتوں کو ان کے مہر بخوشی دے دیا کرو' ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو ○

یتیموں کی نگہداشت اور چار شادیوں کی اجازت: ☆☆ (آیت: ۲-۴) اللہ تعالیٰ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں' انہیں سونپ دو' پورے پورے' بغیر کمی اور خیانت کے ان کے حوالے کرو'

اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈ مڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو حلال رزق جب اللہ رحیم تمہیں دے رہا ہے' پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی' اپنے حلال مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں' نہ لو' دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو' بوٹی دے کر بکرے کی فکر نہ کرو' ردی دے کر اچھے کی اور کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو' پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی' کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے' ان کے مال تلف نہ کرو' یہ بڑا گناہ ہے' ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی حوب کا لفظ گناہ کے معنی میں آیا ہے' حضرت ابوایوبؓ نے جب اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے' چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے' ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابوطلحہؓ اور ام سلیمؓ کا مروی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو' اس سے باز رہو' اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی۔ جس کی پرورش میں وہ تھی' اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری۔ میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن شہاب نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے' یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے۔ اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے' اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس سے اپنی نیت چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے' پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ الخ نازل ہوئی۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں۔

ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اظہار نکاح کر لیں' دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں۔ اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار' جیسے اور جگہ یہ الفاظ انہی معنوں میں ہیں' فرماتا ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُولِيٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے' ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار چار پروں والے۔ فرشتوں میں اس سے زیادہ پروالے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے' لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہے' یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے۔ پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے' اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کا بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں۔ اسی پر علماء کرام کا اجماع ہے' البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنی جائز ہیں' بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں' کوئی تعداد مقرر ہے ہی نہیں' ان کا

استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں' اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا' تیرہ کی رخصتی ہوئی' ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپؐ کے پاس تھیں' انتقال کے وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجمعین۔ ہمارے علماء کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی' امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں' جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو۔ باقی کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا' شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے' اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب ختم ہونے والی ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابو رغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دارقطنی' بیہقی وغیرہ) مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہی ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی اختلاف ہے واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں۔ ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضورؐ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں' یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں بھی موجود تھیں۔ اس پر بھی آپ نے چھ علیحدہ کرا دیں۔ پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

<u>''چار سے زائد نہیں'' وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی!</u> ☆☆ ''دوسری حدیث'' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' حضرت امیرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے جس وقت اسلام قبول کیا' میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو چاہو رکھ لو' اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان نہیں ہوتا ''تیسری حدیث'' مسند شافعی میں ہے۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔ میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھی' انہیں طلاق دے دی' پس یہ حدیثیں حضرت غیلان والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے فرمایا۔

پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل وانصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اپنی کنیزوں سے استماع کرو جیسے اور جگہ ہے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو۔ پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے۔ جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔

اس کے بعد کے جملے کے مطلب میں بعض نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ان معنی کے کہ تمہارے عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا يَدْرِي الْفَقِيْرُ مَتٰى غِنَاهُ   فَمَا يَدْرِي الْفَقِيْرُ مَتٰى يَعِيْلُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائے گا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا' جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں عَالَ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ' عرب میں کہا جاتا ہے عَالَ فِي الْحُكْمِ جبکہ ظلم وجور کیا ہو' ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِيْزَانِ قِسْطٍ لَّا يَخُسُّ شَعِيْرَةً   لَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ نَفْسِهٖ غَيْرُ عَائِلِ

ضمیر بہترین ترازو ہے: ☆☆ یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتا۔ اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک خط کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسولؐ نے لکھا کہ اِنِّيْ لَسْتُ بِمِيْزَانِ اَعُوْلَ میں ظلم کا ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو' ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے۔ ہاں یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ اسی طرح لَا تَعُوْلُوْا کے یہی معنی ہیں یعنی تم ظلم نہ کرو' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت ابو مالک' حضرت ابو رزین' حضرت نخعی' حضرت شعبی' حضرت ضحاک' حضرت عطا خراسانی' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو طالب کا وہی شعر پیش کیا ہے' امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو' ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بے شک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال وطیب ہے' نبی ﷺ کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم وبیش لے۔ ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا تو مال عورت اور شفا شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن حاتمؒ اور ابن جریرؒ) اس حکم کو سن کر لوگوں نے سرور مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم) حضورؐ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو' ایک شخص نے کھڑے

ہو کر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا' جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں' اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دے دو' جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو ○ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو۔ پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو' مالداروں کو چاہئے کہ (اس مال سے) بچتے رہیں' ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھائے' پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کر لیا کرو' دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے ○

کم عقل اور یتیموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ (آیت: ۵-۶) اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیویوں کو مال کے تصرف سے روکیں' مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے' مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بے وقوف ہو اور بے دین ہو' بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو' اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو' جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا' اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہاں سُفَهَآءَ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں' اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ حکم بن عینیہ' حسن اور ضحاک رحمتہ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یتیم مراد ہیں۔ مجاہد' عکرمہ اور قتادہ رحمهم اللہ علیہم کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں' ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک عورتیں بے وقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں' ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے' اسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھ' اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے' دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بے وقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو- تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو- ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو' اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے- اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو' اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے-

پھر فرمایا یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں' یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ تمام دن رات چپ رہنا ہے- دوسری حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے' بچے سے جب تک بالغ نہ ہو' سوتے سے جب تک جاگ نہ جائے' مجنوں سے جب تک ہوش نہ آئے' پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے-

دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے- اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث ہے' جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضورؐ نے اپنے ساتھ اس لئے نہیں لیا تھا کہ اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں حاضر کیا گیا' آپؐ نے قبول فرما لیا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا' نابالغ بالغ کی حد یہی ہے- تیسری علامت بلوغت کی زیر ناف کے بالوں کا نکلنا ہے- اس میں علماء کے تین قول ہیں- ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے' دوسرے یہ کہ نہیں- تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو وہ اسے کیوں استعمال کرے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جبلی امر ہے- علاج معالجہ کا احتمال بہت دور کا احتمال ہے- ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں' دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے' جس میں حضرت عطیہ قرظیؓ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضورؐ کے سامنے کئے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے- جس کے یہ بال نکل آئے ہوں' اسے قتل کر دیا جائے اور نہ نکلے ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہ بال میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا- سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں- حضرت سعدؓ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا- پھر حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں- غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی- حضرت عمرؓ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا' دیکھ لو' اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں دیکھا تو اگے نہ تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی-

پھر فرماتا ہے جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہوں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں- بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں' ان کا مال نہ کھاؤ- جسے ضرورت نہ ہو' خود امیر ہو' کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے' مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے- ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بے شک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے- اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو- اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے' پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے

مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے- امام شافعیؒ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے' اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یارسول اللہ ﷺ میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں- آپؐ نے فرمایا' ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا' نہ جمع کر' نہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے- ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے- ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا' جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے' اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر' نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر- حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں' ان کے بھی اونٹ ہیں- میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفتاً دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپؓ نے فرمایا' اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کو تو ڈھونڈ لاتا ہے' ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے' ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بے شک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے (موطا مالک) حضرت عطا بن رباح' حضرت عکرمہ' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت عطیہ عوفی' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے-

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا- جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا- دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے- اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض لوں گا- جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا) یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے- بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے- ابن عباسؓ سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کھائے- اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں' معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے' [1] حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں' اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا' تو بے شک کھا لے لیکن پھر ادا کرنا ہو گا' یحییٰؒ بن سعید انصار اور ربیعہؒ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا لیکن عبارت یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو' وہ کچھ نہ لے' یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہو گا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو- دوسری آیت میں وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ [2] یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے- پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو- پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے- یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے- وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا' تباہ و برباد کیا' جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے' نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال

رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا۔ ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا' نگران و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے ابوذر میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں' وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ خبردار ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی جو مال ماں باپ اور خویش' اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ' حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے ○ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ○

وراثت کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۷-۸) مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں۔ اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو یا خواہ بوجہ عقد زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو' ''ام کجہ'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور میرے دو لڑکے ہیں۔ ان کے والد فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس اب کچھ نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی' یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ واللہ اعلم۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگے اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آ جائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ابتداء اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکرؓ حضرت ابوالعالیہؒ حضرت شعبیؒ حضرت حسنؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابن سیرینؒ' حضرت عطاء بن ابورباحؒ حضرت زہریؒ حضرت یحییٰؒ بن معمر رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی باقی بتاتے ہیں بلکہ یہ حضرات سوائے حضرت ابن عباس کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت عبیدہ ایک وصیت کے ولی تھے۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا' حضرت عروہؒ نے حضرت مصعبؓ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا' حضرت زہریؒ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں' ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وصیت پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب عبدالرحمان بن حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہؓ کی موجودگی کا ہے تو گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے' سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا' اس نے ٹھیک نہیں کیا۔ اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ آیت یُوصِیکُمُ اللّٰہُ ہے' حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا۔ پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو' حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے۔ ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آ جائیں تو انہیں بھی دے دو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں' ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آ ؤ لیکن اس میں نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے' پس یہ قول امام ابن جریر رحمتہ اللہ کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے رہے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو۔ ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم کو اچھا نہیں لگتا۔ بطور صدقہ کے راہ اللہ ان سے بھی کچھ اچھا سلوک کر دو تا کہ یہ خوش ہو کر جائیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی جیسے کہ سورۂ نون میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کے لئے چلتے ہیں۔ وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔ دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے' اس کا مال اس وجہ سے غارت ہو جاتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِينَ يَاْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۱۲

اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں ○ جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں' وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے ○

(آیت: ۹-۱۰) پھر فرماتا ہے' ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے۔ اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہئے جیسی اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی کرانا چاہتا ہے جبکہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعدؓ نے کہا' یا رسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا خیر

لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے' اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھیریں' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں' اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو اس سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم اپنی چھوٹی اولاد کا اپنے مرنے کے بعد چاہتے ہو کہ لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں پوچھا گیا۔ کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک' جادو' بے وجہ قتل' سود خوری' یتیم کا مال کھا جانا' جہاد سے پیٹھ موڑنا' بھولی بھالی ناواقف عورتوں پر تہمت لگانا۔

ابن ابی حاتم میں ہے' صحابہؓ نے حضورؐ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں۔ پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں اتر کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بے طرح چیخ چلا رہے ہیں۔ ہائے ہائے مچا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا' یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ' آنکھوں' نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو' عورتوں کا اور یتیم کا۔ ان کے مال سے بچو' سورۂ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے' انہوں نے ان کا اناج پانی بھی الگ کر دیا۔ اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو کھاتے یا سڑنے کے بعد پھینک دی جاتی گھر والوں میں سے کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا ہے اس پر آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھا کرو چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے' اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائیاں ملیں گی اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے' اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد' تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے' تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے' یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے O

مزید مسائل میراث جن کا ہر مسلمان کو جاننا فرض ہے: ☆☆ (آیت:۱۱) یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں' یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے' اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض سیکھنے کی رغبت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے' یہ سب سے زیادہ اہم ہیں' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی ہے' آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں۔ سنت قائمہ یعنی جو احادیث ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول بھال جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی' حضرت ابن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسے آدھا علم اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنوسلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے۔ میں اس وقت بے ہوش تھا۔ آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا۔ جس سے مجھے ہوش آیا تو میں نے کہا حضورؐ میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی' صحیح مسلم شریف' نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعید بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا رسول

اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ یہ دونوں حضرت سعد کی لڑکیاں ہیں- ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے- ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے- ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے - آپؐ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی - آپ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے-بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کے سوال پر اس سورت کی آخری آیت اتری ہوگی جیسے عنقریب آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ- اس لئے کہ ان کی وارث صرف ان کی بہنیں ہی تھیں- لڑکیاں تھیں ہی نہیں، وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعید بن ربیعؓ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابرؓ ہیں- ہاں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے- اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی، واللہ اعلم-

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے، اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا- ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا اس۔ لئے کہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں، وہ عورتوں کے ذمہ نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت، تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عوتوں سے دوگنا دلوایا- بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے- ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اپنی مخلوق پر ہے، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا، وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جیسے ہی ملا، اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی- آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحابؓ سے فرمایا، بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ہرگز نہیں- آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار مال کا صرف لڑکا تھا- ماں باپ کو بطور وصیت کے کچھ مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دلوایا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھوں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور پاؤ- فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا، یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلوایا جارہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جارہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جارہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لاسکتا ہے- اچھا تم اس حدیث سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے- ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ان احکام کو بدل دیں، پھر انہوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل، آپ بچے کو ورثہ دلا رہے ہیں، بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے مرنے کے قابل ہو- سب سے بڑے لڑکے کو وارث قرار دیتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو فرمادیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے، اور اگر صرف لڑکی کو دے دیا جائے اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے گا؟ مترجم)

لفظ فَوْقَ کو بعض لوگ زائد بتاتے ہیں جیسے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ میں لفظ فَوْقَ زائد ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو- اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے' پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد فَلَهُنَّ نہ آتا بلکہ فَلَهُمَا آتا- ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جبکہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے تو دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے' اور حدیث میں آ چکا ہے' دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کی شان نزول کے بیان میں حضرت سعدؓ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے- پس کتاب وسنت سے یہ ثابت ہو گیا- اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائدہ کا ہے- واللہ اعلم-

پھر ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے' ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا یعنی چھٹا حصہ ماں کو' اور چھٹا حصہ باپ کو اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہے تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لے گی' چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا حصہ جو باقی رہا' وہ بھی بطور عصبہ باپ کو مل جائے گا- پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصیب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصبہ بچت کا مال- دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل ماں باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دگنا باپ کو مل جائے گا- اب اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے' مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں صرف ماں باپ ہیں اور خاوند سے یا بیوی سے تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو پاؤ ملے گا' پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں- ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا' اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا' دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند چھوڑ کر مری ہو خواہ مرد عورت چھوڑ کر مرا ہو اس لئے کہ باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور وہ تیسرے حصے جو باقی رہے' وہ باپ لے لے گا- حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور بہ اعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی فیصلہ ہے' حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول ہے' ساتوں فقہا اور چاروں اماموں اور جمہور علماء کا بھی فتویٰ ہے-

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا' اس لئے کہ آیت عام ہے- خاوند بیوی کے ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو- عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ثلث دلوایا گیا ہے' حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے- حضرت شریحؒ اور حضرت داؤد ظاہریؒ بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابوالحسین بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے' اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جبکہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو' اور جبکہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصے کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں ثلث ملے گا-

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کی چوتھائی ملے گی۔ اگر کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے گا۔ باقی بچے پانچ حصے۔ وہ باپ لے لے گا لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کئے۔ تین تو خاوند لے گیا۔ دو ماں لے گئی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے اس لئے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے۔ ایک ماں کو اور دو باپ کو' حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے' یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے' ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ لے لے گا اور بھائی بھی شریعت میں بہت سے بھائیوں کے مترادف ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے۔ قرآن میں اِخْوَۃٌ جمع کا لفظ ہے' دو بھائی اگر مراد ہوتے' اخوان کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چاروں طرف یہ مسئلہ اسی طرح پہنچا ہوا ہے' تمام لوگ اس کے عامل ہیں' میں اسے نہیں بدل سکتا' اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں۔ اس کے راوی حضرت شعبہؒ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباسؓ کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں' دو کو بھی اِخْوَۃ کہا جاتا ہے' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالے میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا' علماء کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے۔ اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے' یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا' انہیں دے دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے' ابن عباسؓ کا قول ہے' کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

پھر فرمایا وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہو گی' تمام سلف خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پہلے ادا کرایا ہے۔ پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے' آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو' یہ حدیث صرف حضرت حارثؓ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے لیکن یہ حافظ فرائض تھے' اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بڑے ماہر تھے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی بلکہ اسلام میں بھی

پہلے بھی ایسا ہی حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جاتا' ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بیان ہو چکا۔ یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا' تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی' امید دونوں سے نفع کی ہے۔ یقین کسی پر بھی ایک سے زیادہ نہیں' ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔

پھر فرماتا ہے' یہ مقررہ حصے اور اور میراث کے یہ احکام اللہ کی طرف سے فرض ہیں اور اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق ہے نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ جو جس کا مستحق ہے' اسے اتنا دلواتا ہے۔ ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے۔ اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں' تمہیں چاہئے کہ اس کے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو ○

وراثت کی مزید تفصیلات: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ کر مریں' اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ حصہ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی ملے گا' وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے' پہلے قرض ادا کیا جائے۔ پھر وصیت پوری کی جائے۔ پھر ورثہ تقسیم ہو' یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کی ہی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کو حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ۔ چوتھائی تو اس حالت میں کہ مرنے والے خاوند کی اولاد نہ ہو اور آٹھواں حصہ اس حالت میں کہ اولاد ہو۔ اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں۔ چار ہوں تو ان میں یہ حصہ برابر تقسیم ہو جائے گا۔ تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔ كَلَالَه مشتق ہے اكْلِيل سے' اِكْلِيل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے' یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث اردگرد حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں' صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے كَلَالَه کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں' میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں۔ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور رسولؐ اس سے بری الذمہ ہیں' کلالہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا مجھے ابوبکر کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریرؒ وغیرہ) ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت کا سب سے آخری زمانہ پانے والا میں ہوں۔ میں نے آپ سے سنا' فرماتے

تھے' بات وہی ہے جو میں نے کہی' ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ ولد ہو اور نہ والد۔ حضرت علی' ابن مسعود' ابن عباس' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین' شعبی' نخعی' حسن' قتادہ' جابر بن زید' حکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ساتوں فقہا' چاروں امام اور جمہور سلف وخلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں یہی آیا ہے۔ ابن لباب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے' جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں۔ اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو' مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اللہ تعالیٰ دانا ہے' بردبار ہے ○

پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن وقاص وغیرہ بعض سلف کی قرات ہے' حضرت صدیقؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں' ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں۔ دوسرے یہ کہ ان کے مرد وعورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو۔ پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے۔ چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں۔ مرد ہوں یا عورت' حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضورؐ سے یہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے' قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے تئیں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہے ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب، قاضی شریح، مسروق، طاؤس، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحاق بن راھویہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہاں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفرض سے بچ جائے، بلکہ وکیع بن جراحؒ کہتے ہیں، حضرت علیؓ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مشہور یہی ہے۔ شعبی، ابن ابی لیلیٰ، ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن حسن، حسن بن زیادہ، زفر بن ہذیل، امام احمد، یحییٰ بن آدم، نعیم بن حماد، ابوثور، داؤد ظاہری رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان فرضی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔ وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو۔ کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر جبر و ظلم کیا گیا ہو، کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے (ابن ابی حاتم) نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے، بعض روایتوں میں حضرت ابن عباسؓ سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں۔ موقوف قول ہے۔ ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں، مالک، احمد بن حنبل، ابوحنیفہ کا قول یہی ہے، شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤسؒ، حسنؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند رکھے ہوں وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں، بہ سبب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے اس کا یہ اقرار جائز نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے، بدگمانی سے بچو، بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔

قرآن کریم میں فرمان الٰہی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ پہنچا دو اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں، یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے ایک بہانہ بنا لیا ہو تو بالا جماع اسے پورا کرنا حرام ہے اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں (اقرار فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مترجم) پھر فرمایا یہ اللہ عزوجل کے احکام ہیں جو اللہ عظیم و اعلیٰ علم و حلم والا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بڑی مطلب یابی ہے ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا - ایسوں ہی کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے ○

نافرمانوں کا حشر : ☆☆ (آیت:۱۳-۱۴) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے' یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا جسے دلوایا ہے' یہ سب اللہ ذوالکرم کی حدود ہیں - تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو - جو شخص اللہ عزوجل کے ان احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم وبیش دلوانے کی کوشش نہ کرے - حکم الٰہ اور فریضہ الٰہ جوں کا توں بجالائے - اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ بہنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب' نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہوگا - اور جو اللہ کے کسی حکم کو بدل دے' کسی وارث کے ورثے کو کم وبیش کر دے' رضائے الٰہی کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے' وہ اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے' پھر وصیت کے وقت ظلم وستم کرتا ہے' اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے - اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے' پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے اور خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے - پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور اس آیت کو پڑھو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ سے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ تک - سنن ابی داؤد کے باب الاضرار فی الوصیۃ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہے ہیں' پھر موت کے وقت وصیت میں کوئی کمی بیشی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے - پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ سے آخر آیت تک پڑھی - ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے - امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں - مسند احمد میں یہ حدیث تمام وکمال کے ساتھ موجود ہے -

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْھُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھو اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید کر رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے۔ تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کرلیں انہیں ایذا دو اگر وہ توبہ اور اصلاح کرلیں تو ان سے منہ پھیر لو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○

سیاہ کار عورت اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے اس فیصلہ کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہوگئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورۂ نور کی آیت نہیں اتری تھی زنا کار عورت کے لئے یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا۔ حضرت عکرمہ حضرت سعید بن جبیر حضرت حسن حضرت عطا خراسانی حضرت ابو صالح حضرت قتادہ حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی۔ کیفیت وحی سے نکلے تو آپؐ نے فرمایا مجھ سے حکم الٰہی لو۔ اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لیئے راستہ نکال دیا ہے۔ اگر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ سے مروی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد میں بھی۔

ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے حضورؐ نے فرمایا سورۂ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے۔ اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپؐ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے۔ پھر جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم وغیرت دلا کر جوتیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا حضرت عکرمہ عطا حسن عبداللہ کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں سدی فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں لواطت کے

بارے میں یہ آیت ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جسے تم قوم لوط کا فعل کرتے دیکھو تو فاعل مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں' اپنی بدکاری سے توبہ کریں' اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں۔ پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بڑے علم والا' حکمت والا ہے ○ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی۔ نہ ان کی توبہ ہے' جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

عالم نزع سے پہلے توبہ؟ ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں۔ پھر توبہ کر لیں۔ گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد عالم نزع سے پہلے ہو۔ حضرت مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آ جائے۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' صحابہؓ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے' وہ جہالت ہے' حضرت قتادہؒ بھی صحابہؓ کے مجمع سے اس طرح کی روایت کرتے ہیں۔ عطاؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ توبہ جلدی کر لینے کی تفسیر میں منقول ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کے قریب مراد ہے۔ اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے' غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے' حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' ساری دنیا قریب ہی ہے' اس کے متعلق حدیثیں سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک سانسوں کا ٹوٹنا شروع نہ ہو' (ترمذی) جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے' اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے تک بھی بلکہ ایک سانس پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے' حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ایوبؓ نے یہ

آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضورؐ سے ایسے ہی سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا' میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کرلے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں میں نے خود سنا ہے کہا میں نے سنا ہے۔ کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا میں نے تو حضورؐ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک جان نکلتے ہوئے گلے سے نکلنے والی آواز شروع نہ ہو' تب تک توبہ قبول ہے۔ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔ حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی' اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا' مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں بھی جب تک اس میں روح رہے گی' اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔ پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے' توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے' فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے' سینے میں گھٹن لگے' حلق میں اٹکے' سانسوں سے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (دو آیتوں تک) مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا کوئی نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ الخ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی' اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے' اسے نہ اس کا عمل نفع دے گا نہ اس کا ایمان۔ پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ کوئی فائدہ نہ دے گی نہ ہی اس کا فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا چاہے زمین بھر کر سونا دینا چاہے۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے' پوچھا گیا پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک ہمیشہ رہنے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں' ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بودوباش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے ○

عورت پر ظلم کا خاتمہ: ☆☆ (آیت:۱۹) صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبل اسلام جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے۔ اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے۔ میکے والوں سے زیادہ اس عورت کے حقدار سسرال والے ہی گنے جاتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی' دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دستبردار ہو جائے' یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے' یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کا خاوند مرتے ہی کوئی بھی آ کر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا' تو روایت میں ہے کہ یہ کپڑا ڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اگر یہ بدصورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مرجائے۔ پھر اس کے مال کا وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گہرا دوست کپڑا ڈال دیتا۔

پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مرجاتی۔ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' اہل مدینہ کا یہ دستور تھا کہ وارث اس عورت کے بھی وارث بن جاتے۔ غرض یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں تیرا نکاح ہو' اس طرح کی قیدوبند سے رہائی پانے کی پھر یہ صورت ہوتی کہ وہ عورت کچھ دے کر جان چھڑاتی' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمادیا' ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے ان کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب کوئی مرجاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اگر چاہتا خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے یا جس کو چاہے۔

حضرت عکرمہؒ کی روایت میں ہے کہ ابوقیس کی جس بیوی کا نام کبیثہ تھا' رضی اللہ عنہا اس نے اس صورت کی خبر حضورؐ کو دی کہ یہ لوگ نہ مجھے وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی' ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آ جائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی' اسے یہ روکے رکھتے تھے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مرجائے گی ہم اس سے نکاح کر لیں گے یا اپنے لڑکے سے ان کا نکاح کرا دیں گے' ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممانعت کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی۔ واللہ اعلم۔ ارشاد ہے عورتوں کی بودوباش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جارہا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے' دل نہیں ملا' چھوڑ دینا چاہتا ہے تو اس صورت میں حق مہر وغیرہ کے علاوہ بھی تمام حقوق دینے پڑیں گے۔ اس صورتحال سے بچنے کے لئے اسے ستانا یا طرح طرح سے تنگ کرنا تا کہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو جائے' ایسا رویہ اختیار کرنے سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا۔ ابن سلمانیؒ فرماتے ہیں' ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو ختم کرنے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی' ابن مبارکؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر

اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے' اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہؓ تابعینؒ وغیرہ زنا کاری ہے' یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تاکہ خلع پر رضامند ہو' جیسے سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے مراد خاوند کے خلاف کام کرنا' اس کی نافرمانی کرنا' بدزبانی' کج خلقی کرنا' حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ عام ہیں' زنا کو اور تمام مذکورہ عوامل بھی شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تاکہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس سے اللہ نے منع فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان جاہلیت کی رسم کو اسلام میں سے خارج کرنے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں' مکہ کے قریش میں یہ رواج تھا کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا' موافقت نہ ہوئی تو اسے طلاق دے دی لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی' اس بات پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے قید رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی' بقول مجاہد رحمتہ اللہ علیہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی کا رویہ رکھو' ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو۔ نرم بات کہو' نیک سلوک کرو' اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو۔ جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے' تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو جیسے اور جگہ فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔

بہترین زوج محترم: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا رویہ رکھتا ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف و خوشی' بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے' انہیں خوش رکھتے تھے' ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے' ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے' کشادہ دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے' ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپ نے دوڑ لگائی۔ اس دوڑ میں صدیقہ آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ لگی۔ اب کے حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں تو آپؐ نے فرمایا معاملہ برابر ہو گیا۔ اس سے بھی آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہؓ خوش رہیں۔ ان کا دل بہلے' جس بیوی صاحبہ کے ہاں آپ کو رات گزارنی ہوتی' وہیں آپ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں۔ دو گھڑی بیٹھتیں۔ بات چیت ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضورؐ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپؐ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی' اپنی بیوی صاحبہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے۔ کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا' عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہوتا الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ رکھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فرمانبرداری کا دوسرا نام اچھائی ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں والحمدللہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ

چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بودوباش رکھنے میں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی فرمائے۔ ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی بھلائیاں نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہوگا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

ع ۸

اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟ ○ تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے ○ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا' یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے ○

(آیت: ۲۰-۲۲) پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے چاہے خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔

حق مہر کے مسائل: ☆☆ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے' امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرمادیا تھا۔ پھر اپنے قول سے رجوع کیا' جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دنیوی طور پر کوئی بھی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ کے رسول ﷺ عمل کرتے۔ حضورؐ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ) انسان زیادہ مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے میرے کندھے پر مشک لٹکا دی' یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ایک میں ہے کہ آپؓ نے منبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر فرمایا' لوگو تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول اللہؐ اور آپ کے زمانہ کے آپ کے اصحاب نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے۔ اگر یہ تقویٰ اور کرامت کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتا تو تم زیادہ حق مہر ادا کرنے میں بھی ان پر سبقت نہیں لے سکتے تھے؟ خبردار آج سے میں نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا حق مہر مقرر کیا۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشی خاتون سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین' کیا آپؓ نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر سے لوگوں کو منع فرمادیا ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں' کہا' کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے' نہیں سنا؟ کہا وہ کیا؟ کہا سنئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا الخ' تم نے انہیں خزانہ دیا

ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا' اللہ مجھے معاف فرما' عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے- پھر واپس اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا' لوگو میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے- اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے' میں نہیں روکتا اور ایک روایت میں اس عورت کا آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا مِنْ ذَهَبٍ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمرؓ پر غالب آ گئی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی القصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ زائد رقم میں بیت المال کے لئے لے لوں گا- اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا' حضرت آپ یہ حکم نہیں دے سکتے-

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی کو دیا ہوا حق مہر واپس کیسے لے سکتے ہو؟ جبکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا ضرورت پوری کی- وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے- بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور حضورؐ کے سامنے پیش ہوا- بیوی نے بھی اپنے بے گناہ ہونے اور شوہر نے اپنے سچا ہونے کی قسم کھائی- پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ فرمایا تو اس مرد نے کہا میں نے جو مال اس کے مہر میں دیا ہے' اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی- اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر اور ناممکن بات ہو گی- اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نفرہؓ نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا- جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے- حضورؐ سے ذکر کیا- آپ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہو گا' وہ تیرا غلام ہو گا اور مہر تو اس کی حلت کا سبب تھا-

غرض آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے- اس پر اجماع ہے- حضرت ابو قیسؓ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے' ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی جو ان کی سوتیلی ماں تھیں- اس پر اس بیوی صاحبہ نے فرمایا' بے شک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں- خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں- جو وہ حکم فرمائیں' وہ حاضر ہوئیں اور حضور کو ساری کیفیت بیان کی آپؐ نے فرمایا' اپنے گھر لوٹ جاؤ' پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا' اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے' ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادے سے باز رکھا گیا- ایک تو یہی ابو قیس والا واقعہ' ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمرہ تھا-

دوسرا واقعہ خلف کا تھا ان کے گھر میں ابو طلحہ کی صاحبزادی تھیں اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا- سہیلی میں لکھا ہے' جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا جسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا- اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کیا گیا' کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا' نضر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے- تو معلوم ہوا کہ یہ رسم ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور اسے نکاح شمار کرتے تھے-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جاہلیت والے بھی جن جن رشتوں کو اللہ نے حرام کیا ہے' سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ

نکاح میں رکھنے کے سواسب کو حرام ہی جانتے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرایا۔ حضرت عطا ؒ اور حضرت قتادہ ؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے' وہ غور طلب ہے' بالکل صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ بہر صورت یہ رشتہ امت مسلمہ پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا' یہ نہایت فحش برا کام' بغض کا ہے۔ دونوں میاں بیوی میں خلوت وصحبت ہو چکی ہے۔ پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیمان ہے' اس میں تم جکڑے جا چکے ہو' اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے' چنانچہ حدیث میں بھی ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کا کلمہ پڑھ کر یعنی نکاح کے خطبہ تشہد سے حلال کرتے ہو' رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جب بہترین انعامات عطا ہوئے' ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ سے فرمایا گیا' تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)

نکاح کے احکامات: ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا' تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا' ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی مگر طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ سبب اور براراستہ ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الخ' یعنی کسی برائی' بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی الخ' زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے' یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے' وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ؐ کی بیویاں امہات المومنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپ ؐ کے حق' باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ کی محبت خود جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور براراستہ ہے۔ اب جو ایسا کام کرے' وہ دین سے مرتد ہے' اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فے کے داخل کر لیا جائے' سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پہ قبضہ کر لو۔

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گذرے۔ میں نے پوچھا کہ چچا حضور ؐ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)

سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے: ☆☆ مسئلہ ☆☆ اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے' خواہ ملکیت میں لا کر' خواہ شبہ سے' وہ عورت بیٹے پر حرام ہے' ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضا دیکھے ہوں جن

کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں' حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہؓ کے مولی تھے' حضرت معاویہؓ کے لئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی۔ اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے' اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی' پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ۔ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو۔ ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ' یہ بڑے فقیہہ تھے' جب آئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضا دیکھے ہیں' یہ برہنہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہؒ نے فرمایا' امیر المومنین ایسا نہ کیجئے' یہ اس کے قابل نہیں رہی' فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو' اچھا جاؤ' عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ' وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے' اس سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو' یہ عبداللہ بن مسعدہؓ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا تھا۔ آپ نے انہیں پالا پرورش کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا۔ پھر یہ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے تھے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں۔ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے دخول کر چکے ہو' ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں' اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

کون سی عورتیں مردوں پر حرام ہیں؟ ☆☆ (آیت:۲۳) نسبی' رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں' ان کا بیان آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سات عورتیں بوجہ نسب حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں بہن کی لڑکیوں تک نسبی رشتوں کا ذکر ہے۔ جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو' وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہ'

مالک اور احمد بن حنبلؒ کا ہے امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے حوالے سے یہ بیٹی کے حکم سے خارج ہے اور ورثہ نہیں پاتی' اسی طرح اس آیت حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے' اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے' رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے ہے' بعض فقہا نے اس میں سے چار صورتیں' بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کی فروع کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں۔ اس لئے کہ اسی کے مانند بعض صورتیں نسبت میں بھی پائی جاتی ہیں' اور ان صورتوں میں سے بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں لہذا احادیث پر اعتراض خارج از بحث ہے۔ والحمدللہ۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں۔ دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی۔ امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمرؓ سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر اور زہری رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پئے تو حرمت ثابت ہو گئی' جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمد' اسحاق بن راہویہ' ابوعبیدہ' ابوثور رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت ام الفضلؓ' حضرت ابن زبیرؓ' سلیمان بن یسار' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے کم نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا۔ پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضورؐ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابوحذیفہؓ کے مولی تھے' پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں' حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں' اسے یہی حکم دیتیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو' اس کا مفصل بیان آیت حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور ائمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر (صحیح قول جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم مترجم)

پھر فرماتا ہے' ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا' مجرد نکاح ہونے کے سبب اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے' ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہو گی۔ اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں' اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں' صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس

شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا' پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے' آپ فرماتے تھے' جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے' حضرت ابوبکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی' وہ بہت مالدار تھیں' میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کر لوں۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا' تمہارے لئے یہ جائز ہے۔ پھر میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے اپنے والد سے ذکر کیا' انہوں نے تو امیر معاویہ کو ہی سوال کیا حضرت امیر معاویہؓ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام۔ تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں' غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے۔ اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے' حضرت مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے' ابن جبیرؒ اور حضرت ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں' حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔ شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے۔ یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علماء اس طرف ہیں۔ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں۔ چونکہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود' عمران بن حصین' مسروق' طاؤس' عکرمہ' حسن' مکحول' ابن سیرین' قتادہ اور زہری رحمہم اللہ اجمعین سے بھی اسی طرح مروی ہے' چاروں اماموں' ساتوں فقہا اور جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے' والحمدللہ۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز نہیں جبکہ اس پر اتفاق ہو اور ایک غریب حدیث میں بھی یہ مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جبکہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے' اگر اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے' پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے' گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اسکی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد

دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے- واللہ اعلم- مترجم)

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں' وہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو- جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں- اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے یہ کوئی قید نہیں جیسے اس آیت میں ہے وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو- یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے- یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو- اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں چاہے نہ ہوں' پھر بھی حرام ہی ہیں-

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے کہا' یارسول اللہ آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی عزہ سے نکاح کر لیجئے- آپ نے فرمایا' کیا تم یہ چاہتی ہو؟ ام المومنین نے کہا' ہاں میں آپ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی' پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ نے فرمایا' سنو مجھ پر وہ حلال نہیں' ام المومنین نے کہا' میں نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں- آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے؟ کہا ہاں- فرمایا اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے- دوسری یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں- مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے- خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو- بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر میرا نکاح ام سلمہ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں یعنی صرف نکاح کو آپ نے حرمت کا اصل قرار دیا' یہی مذہب چاروں اماموں' ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف و خلف کا ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو بھی حرام ہے ورنہ نہیں-

حضرت مالک بن اوس بن حدثانؓ فرماتے ہیں' میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں- مجھے ان سے بہت محبت تھی- اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا- حضرت علیؓ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے پہلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے؟ میں نے کہا' ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے- فرمایا' پھر اس سے نکاح کر لو- میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ بقول تمہارے طائف میں رہتی ہے' تیرے پاس ہے ہی نہیں گو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ قول بالکل غریب ہے' حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی قول بتایا ہے' ابن حزمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ نسبی نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا- واللہ اعلم- حجور سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ ہاں جو کنیز ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو- اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا' میں اسے پسند نہیں کرتا' اس کی سند منقطع ہے-

حضرت ابن عباسؓ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے' ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے' دوسری آیت سے حرام' اس لئے میں تو ایسا ہرگز نہ کروں' شیخ ابوعمر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بناء پر وطی کرے- اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دے دیا ہے- یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک ملکیت احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے کی جاتی ہے لیکن ائمہ فتاویٰ اور ان کے

تابعین میں سے کوئی بھی اس پر متفق نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اس طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے' سب حرام ہیں' حضرت ابوالعالیہؒ سے بھی اسی طرح یہ روایت قتادہ سے مروی ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ سے مراد حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں' ان سے نکاح کرنا ہے' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دیئے جائیں۔ کپڑا ہٹا دیا جائے۔ چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریجؒ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو' فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے سے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہوگی تاوقتیکہ یہ کہ جماع نہ ہوا ہو۔ پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں' ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے سسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ الخ' یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر ان کے۔ لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے' حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی' اس پر یہ آیت اور آیت وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ نازل ہوئیں یعنی بے شک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں۔ آنحضرت ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں' حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں' تمہاری ساسیں۔ حضرت طاؤس' ابراہیم زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میرے خیال میں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں ہی شامل ہیں اور صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی حرمت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا رضاعت' سے وہ حرام ہے جو نسبت سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔ اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا' اس سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں جیسے اور جگہ ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى [1] یعنی وہاں موت نہیں آئے گی۔ ہاں پہلی موت جو آنی تھی سو آ چکی تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ' تابعین' ائمہ اور سلف و خلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔ حضرت فیروزؓ فرماتے ہیں' میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں۔ پس آنحضرتؐ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو (مسند احمد) ابن ماجہ' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے' ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ

واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔
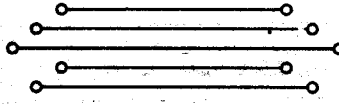
حضرت دیلمی نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپ نے فرمایا' ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد ضحاک بن فیروز ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متبنی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں' ایک ساتھ جمع کرنا' ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا۔ سائل نے کہا قرآن میں جو ہے اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا' تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور ائمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے' دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا ہوں۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابیؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا' انہوں نے فرمایا' اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرتناک سزا دیتا' حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں' میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً علیؓ تھے۔ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔

استذکار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت الیاس بن عامرؓ کہتے ہیں' میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں' دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں' ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے' اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں' پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے' وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوں گی کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سودمند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا' دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں' ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ہوتا ہے اور دوسری سے حلال' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن انہیں خود آپس میں جو قرابت ہو' اس سے مجھ پر حرام نہیں ہوتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو جو

ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا وہ حرام نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام قرار دیا۔ اس وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرما دیا کہ جو نکاح ہو چکے' وہ ہو چکے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں' وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں' ہاں تعداد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں' حضرت شعبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابوعمرؒ فرماتے ہیں' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے' وہی سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہی حضرات سے بہت کچھ اختلاف ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار' پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا' حجاز' عراق' شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہا اس کے مخالف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر' سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کی مخالفت کی ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے' دو لونڈیوں کو بھی جو آپس میں بہنیں ہوں' بہ وجہ ملکیت کے ایک ساتھ نکاح میں نہیں لا سکتے' اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں' بیٹی' بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں۔ ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی جنسی اختلاط حرام ہے غرض نکاح اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں' نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم ہے کہ دو بہنوں کے جمع کرنے' ساس اور دوسرے خاوند سے اپنی عورت کی لڑکی ہو' اس کے بارے میں خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی دلیل ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے اور الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کہہ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

چند اہم مضامین کی فہرست

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں' اللہ تعالٰی نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں' ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے' پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو' اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالٰی علم و حکمت والا ہے ○

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں اور --- متعہ: ☆☆ (آیت:۲۴) یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں' مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی ﷺ سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری - ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا۔

ترمذی' ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے' سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل کے مترادف ہے' ابراہیمؒ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی لونڈی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے' حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں' بیچنا بھی طلاق ہے' آزاد کرنا بھی' ہبہ کرنا بھی' برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں - چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں - مترجم)۔

حضرت ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن لونڈیوں کی طلاق ان کا بک جانا ہے' حضرت معمرؒ اور حضرت حسنؒ بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے' ان کی دلیل حضرت بریرہؓ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا - رسول اللہ ﷺ نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہؓ نے فسخ کرنے کو پسند کیا - یہ واقعہ مشہور ہے' پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت ﷺ حضرت بریرہؓ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا

اختیار نہ دیتے - اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں - واللہ اعلم -
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار' ابوالعالیہؒ اور طاؤسؒ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں - عمر اور عبید فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں - ہاں کنیزوں میں یہ گنتی نہیں - پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی - پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو - اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں -

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا' ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں - ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطاؒ کا قول ہے - حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں - یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام - پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو' چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعیین کے لیکن ہو بہ طریق شرع - اسی لئے فرمایا زناکاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے - پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ' ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو جیسے اور آیت میں ہے وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لوگے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو - اور فرمایا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو - اور جگہ فرمایا وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا الخ' تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے -

اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے - بے شک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا' امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا - بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا - پھر منسوخ ہو گیا - پھر مباح نہیں ہوا - حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے' حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے' ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیرؒ اور سدیؒ سے مِنْهُنَّ کے بعد اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى کی قرات مروی ہے' مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے' لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اسکا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا - اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں -

صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے - آپؐ نے ارشاد فرمایا' اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی' یاد رکھو بے شک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے - جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو -

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے حجتہ الوداع میں یہ فرمایا تھا' یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے' جن کی تفصیل

کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں- پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کرلو تو کوئی حرج نہیں- اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے' پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو' اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں-

سدیؒ کہتے ہیں' اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے' وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں' پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں- وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی- ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث- نہ یہ مرد اس عورت کا' اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کے مصداق کہا ہے' ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے- جیسے فرمایا' مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے' معاف کر دے' اس سے دستبردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں- حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں- پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے' امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے- پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے' ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں' جو حکمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے-

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے' تم سب آپس میں ایک ہی ہو' تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر انہیں دو- وہ پاک دامن ہوں نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں' پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے- کنیزوں کے نکاح کا حکم تم میں سے ان کے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے' اللہ تعالیٰ بڑا

بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے ○

آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق ہدایات: ☆☆ (آیت:۲۵) ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت وقدرت نہ ہو' ربیعہ فرماتے ہیں طَوُلً سے مراد قصد وخواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش' ابن جریرؒ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کی ملکیت میں جو لونڈیاں ہیں' ان سے وہ نکاح کر لیں' تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر واضح ہے' تم حقائق کو صرف سطحی نگاہ سے دیکھتے ہو' تم سب آزاد اور غلام ایمانی رشتے میں ایک ہو' لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا' اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے' وہ زانی ہے' ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے' کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے۔ وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو' گھٹا کر' کم کر کے' تکلیف پہنچا کر' لونڈی سمجھ کر' کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں یعنی نہ تو اعلانیہ زناکار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چاپ دوست آشنا بناتی پھریں۔ جو ایسی بداطوار ہوں' ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے اُحْصِنَّ کی دوسری قرات اَحْصَنَّ بھی ہے' کہا گیا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے' یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے لیکن یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں' ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، طاؤسؒ، سعید بن جبیرؒ، حسنؒ، قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ابو علی طبری نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے' اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے' شعبیؒ اور نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اُحْصِنَّ سے مراد تو نکاح ہے اور اَحْصَنَّ سے مراد اسلام ہے' امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہے۔ واللہ اعلم' اس لئے کہ سیاق آیات کی دلالت اسی پر ہے ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں بھی اشکال باقی ہے اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو' شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہو' باوجود یہ کہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جمہور کا قول ہے کہ بے شک ''جو بولا گیا'' مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے' اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا' لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں' یا نہ ہوں' رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا' چونکہ وہ نفاس میں تھی' اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا'

تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا''۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا' جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' میں نے حضورؐ سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگر چہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔ عبداللہ بن عباش بن ابو ربیعہ فخر وی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت کی لونڈیوں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے۔ ابن عباسؓ اسی طرف گئے ہیں۔ طاؤس' سعید' ابو عبید داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا' اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ' پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ' پھر بیچ ڈالو گو ایک رسی کے ٹکڑے کے قیمت ہی پر کیوں نہ بیچنا پڑے' راوی حدیث ابن شہابؒ فرماتے ہیں' میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں کی حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں' اسے مرفوع کہنا خطا ہے' یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ والی حدیثیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابیؓ تھے' روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو بیچ دو اگر چہ ایک رسی کے ٹکڑے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے' جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا گیا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے

جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو رجم۔ واللہ اعلم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا' اسے زنا پر مارا نہ جائے' اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ' تو یہ قول بالکل غریب ہے' ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا کی جائے۔ پس یہ قیاس حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب و سنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ یعنی زناکار عورت زناکار مرد کو ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور جیسے حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری بات لے لو' میری بات سمجھ لو' اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال لیا۔ اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور حدیثیں بھی ہیں۔

حضرت داؤد بن علی ظاہریؒ کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں' اس سے بھی زیادہ سزا کی سزا اور وہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے۔ پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ پس اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو داؤدؒ سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضورؐ پر واجب تھا۔ اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے۔ وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضورؐ سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا نازل ہوا اور صلوٰۃ و سلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہؓ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں' صلوٰۃ کی کیفیت بیان فرمائیں۔ پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے۔ مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثورؒ کا ہے جو داؤدؒ کے جواب سے زیادہ بودا ہے' وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زناکاری کی حد ان پر آدھی ہے۔ اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زناکاری کی حد تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔

پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں' کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں' اس لئے کہ آیت کی دلالت کرتی ہے کہ ان پر

محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ہے' اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں- اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں- بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زنا کاری کو جو حد سزا تھی' اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں کہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے- رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے- واللہ اعلم-

پھر مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے' اس میں ہے کہ اس میں صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زنا کاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا- مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا- آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا تصفیہ سونپا' علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے- بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے- پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے- اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر یعنی جبکہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے- پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد نکاح' دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے' صاحب مصباح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں' امام بیہقی اپنی کتاب سنن و آثار میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے- اس طرح کہ آدھی حد کی دلیل صرف آیت ہے- اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے- اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا- امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے- ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں' اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کرو' شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور وہ عام حدیثیں جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور خاوندوں کے بغیر کوئی تفصیل نہیں' حضرت ابوہریرہؓ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے' یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (ملخص)- الغرض لونڈی کی زنا کاری کی حد میں کئی قول ہیں- ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا' اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلاوطنی ہو گی' دوسرے یہ کہ نہ ہو گی- تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں آدھے سال کو ملحوظ رکھ جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا' پورے سال کا نہیں' پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے-

یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے- وہ حد میں سے نہیں' امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے' مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں' ہاں امام مالکؒ کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے' عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت

میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی' حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری) اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکال جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زنا کاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہیے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے جو یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد اس پر بہت شاق گزر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی' وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہوگی۔ ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔

پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور ورحیم ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے۔ دوسرے ایک طرح ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔ ہاں جمہور کے مخالف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں' یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو' اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو اس کی بڑی دلیل یہ آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں' یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹائے اللہ تعالیٰ پورے علم وحکمت والا ہے ○ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں ○ وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

پچاس سے پانچ نمازوں تک: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۸) فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال وحرام تم پر کھول کھول کر بیان فرما دے جیسے کہ اس سورۃ میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا۔ وہ چاہتا ہے کہ سابقہ لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم بھی اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی پسندیدہ ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمالے۔ جس گناہ سے جس حرام کاری سے تم توبہ کرو وہ فوراً قبول فرمالیتا ہے۔

وہ علم وحکمت والا ہے اپنی شریعت اپنے اندازے اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود ونصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حکم احکام میں یعنی روکنے اور ہٹانے میں شریعت اور اندازہ مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور یہاں آ کر بالکل بے وقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے لوٹے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا ہر دن رات میں پچاس نمازیں تو کلیم اللہ نے فرمایا واپس جایئے اور اللہ کریم سے تخفیف طلب کیجئے۔ آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے چنانچہ آپ واپس گئے دس معاف کرا لائے پھر بھی یہی باتیں ہوئیں پھر گئے پھر دس ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ رہ گئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید وفروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے ○

خرید وفروخت اور اسلامی قواعد وضوابط؟ ☆☆ (آیت:۲۹) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خوری قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی چاہے اسے جواز کی شرعی صورت دے دی ہو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی

اسے باطل مال میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو سکتی ہے' آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ہاں کھانا چھوڑ دیا جس پر یہ آیت لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی اتری تِجَارَۃً کو تِجَارَۃٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثنا منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ لو۔ ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی باہم رضامندی سے ہو۔ جیسے دوسری جگہ ہے کہ کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور جیسے دوسری آیت میں ہے' وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ حضرت امام شافعیؒ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں' خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ گو صرف لین دین کر لینا کبھی کبھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں' تینوں اور اماموں کا قول ہے' جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے' اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں' کم قیمت کی معمولی چیزوں میں تو صرف دینا لینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ بھی ہو لیکن صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں' خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو' سب کے لئے حکم شامل ہے۔ ابن جریرؒ کی مرفوع حدیث میں ہے' تجارت ایک دوسرے کی رضامندی سے ہی لین دین کرنے کا نام ہے گویا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تجارت کے نام سے دھوکہ دے' یہ حدیث مرسل ہے' پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری جب تک جدا نہ ہوں با اختیار ہیں۔ بخاری شریف میں ہے' جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو دونوں کو الگ الگ ہونے تک مکمل اختیار ہوتا ہے۔ اسی حدیث کے مطابق امام احمدؒ امام شافعیؒ اور ان کے سب ساتھیوں جمہور سلف و خلف رحمھم اللہ کا بھی یہی فتوی ہے اور اس پوری رضامندی میں شامل ہے۔ خرید و فروخت کے تین دن بعد تک اختیار دینا رضامندی میں شامل ہے بلکہ یہ مدت گاؤں کی رسم کے مطابق سال بھر کی بھی ہو سکتی ہے' امام مالکؒ کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب کا بھی یہی خیال ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں' صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار سے مراد یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کا بے جا طور پہ پر پہ مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' اللہ تم پر رحیم ہے' ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ○ اگر تم بچتے رہو گے' ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے ○

احترام زندگی: ☆☆ (آیت:۳۰-۳۱) مسند احمد ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا۔ سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کی صبح کی نماز پڑھی۔ جب وہاں سے ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا' کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے کہا' حضور جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اپنے تئیں ہلاکت نہ کر ڈالو اللہ رحیم ہے' پس میں نے تیمم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تب آپ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے عذر پیش کیا۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا' وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مر جانے کی نیت سے زہر کھا لے گا' وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا' وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کو زخم لگے' اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا' تمام خون بہہ گیا اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا' میرے بندے نے اپنے آپ کو فنا کرنے میں جلدی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اس پر جنت کو حرام کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے' جو شخص بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے' دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند رہے' وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عقل مند کو اس سخت تنبیہ سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس طرح کی کوئی اور سخت وعید نہیں ملی جس کی تعمیل میں تمہیں اپنے اہل و مال سے الگ ہو جانا چاہئے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے کبیرہ گناہوں کو ہمارے چھوٹے موٹے گناہوں سے معاف فرماتا ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کو پیدا کیا۔ آپؐ نے فرمایا مگر اب جو میں جانتا ہوں' وہ بھی سن لو۔ جو شخص اس دن اچھی طرح غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئے اور نماز ختم ہونے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ قتل سے بچا۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تین مرتبہ یہی فرمایا' پھر سر نیچا کر لیا' ہم سب نے بھی سر نیچا کر لیا اور ہم سب رونے لگے۔ ہمارے دل کانپنے لگے کہ اللہ جانے اللہ کے رسولؐ نے کس چیز کے لئے قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے سر اٹھایا اور آپ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو بھی اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپ فرمانے لگے' جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچا رہے' اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔

سات کبیرہ گناہ : ☆☆ جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے' ان کی تفصیل بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔ گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ حضورؐ وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جس کا قتل حرام ہوا سے قتل کرنا۔ ہاں کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے۔ جادو کرنا' سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے میں پیٹھ دکھانا اور بھولی بھالی پاکدامن مسلمانوں عورتوں کو تہمت لگانا۔ ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہی ہیں جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت انتہائی' بے معنی قول اور غلط اصول ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہوں اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا' لوگو! سن لو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجالاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھتے اور فرض جان کر ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ شرک' قتل' میدان جنگ سے بھاگنا' مال یتیم کھانا' سودخوری' پاکدامنوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے' وہ نبی ﷺ کے ساتھ سونے کے محلوں میں ہو گا۔

حضرت طیسلہ بن میامن فرماتے ہیں' مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا' میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا' وہ کبیرہ گناہ نہیں کبیرہ گناہ نو ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' سود کھانا' یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا' مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور ماں باپ کو نافرمانی کے سبب رلانا' حضرت طیسلہؒ فرماتے ہیں کہ اس بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمرؓ نے محسوس کیا کہ خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا' کیا تمہارے دل میں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا' بہت زیادہ' فرمایا' کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا' صرف والدہ حیات ہیں' فرمایا بس تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو تو تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیسلہ بن علی نہدی حضرت ابن عمرؓ سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا' کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا' ہاں ہاں اور ان گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں۔ میں نے پوچھا کیا کیا؟ تو فرمایا شرک اور تہمت لگانا' میں نے کہا' کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے؟ فرمایا ہاں ہاں اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا' لڑائی سے بھاگنا' جادو اور سودخواری' مال یتیم کھانا' والدین کی نافرمانی اور بیت اللہ میں الحاد پھیلانا جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جو اللہ کا بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' نماز قائم رکھے' زکوٰۃ ادا کرے' رمضان کے

روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے' وہ جنتی ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' کبائر کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' مسلمان کو قتل کرنا' لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا' ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض اور سنن کی تفصیلات تھیں۔ دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی گئی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایماندار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب یہ فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات اس وقت آپ تکیئے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے دل میں سوچا کاش اب آپ نہ دہرائیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور گون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک کرے یہ جانتے ہوئے کہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے؟ میں نے پوچھا اس کے بعد' فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ' اِلَّا مَنْ تَابَ تک پڑھی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا' مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے' شرابی تارک نماز ہوتا ہے وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا' یہ حدیث غریب ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو کسی کے پاس مصدقہ جواب نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے دریافت کر آؤ' میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آ کر اس مجلس میں یہ جواب سنا دیا۔ اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا۔ پھر اس سے کہا کہ یا تو تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی کو ایک کر یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا۔ اس غور و تفکر کے بعد اس نے جان جانے کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا۔ جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکا تھا۔ حضورؐ نے یہ واقعہ گوش گزار فرما کر ہم سے فرمایا' جو شخص شراب پیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو' اس پر اللہ جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے' یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ابن حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان

کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس نے مچھر کے پر برابر زیادتی کی اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور اپنے ماں باپ کو کوئی کیسے گالی دے گا؟ آپؐ نے فرمایا' اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی۔ اس نے اس کے باپ کو' اس نے اس کی ماں کو برا کہا' اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے' سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے' لوگوں نے کہا' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اکبرا لکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔

ترمذی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس شخص نے دو نمازوں کو عذر کے بغیر جمع کیا' وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی' اس میں یہ بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے' الغرض ظہر' عصر یا مغرب' عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر کسی شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے' اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے؟ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے' سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ جس نے اسے چھوڑا' اس نے کفر کیا۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی' اس کے اعمال غارت ہوئے اور حدیث میں ہے' جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی گویا اس کا مال' اس کا اہل و عیال سبھی ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی کے مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے' ابن مردویہ میں ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں سب سے کبیرہ گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے' یہ روایت بہت ہی غریب ہے' پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں اسے بھی گنا گیا ہے لیکن اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور اسے مرفوع کہنا بالکل غلط ہے۔ ٹھیک بات وہی ہے جو تفسیر ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے جس میں فرمایا' لوگو کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا۔ پھر دہرایا۔ پھر فرمایا۔ تم مجھ سے ان کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المومنین فرمایئے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا' پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا' یتیم کا مال کھانا' سود خوری کرنا' لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا' اور ہجرت کے بعد پھر دارالکفر میں آ بسنا۔

راوی حدیث حضرت محمد بن سہلؒ نے اپنے والد حضرت سہل بن خیثمہؒ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو گا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے۔ مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے۔ مجاہدین

میں اس کا نام درج کر دیا جائے۔ پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دارالکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ خون ناحق سے بچو (ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے) زناکاری نہ کرو' چوری نہ کرو۔ وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کو دہرایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یتیم کا مال کھانا' لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا' پاکدامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' خیانت کرنا' جادو کرنا' سود کھانا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس گناہ کو کیا کہو گے جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں۔ آخر آیت تک آپؐ نے تلاوت کی۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

اب اس بارے میں سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے جو اقوال ہیں' وہ ملاحظہ ہوں۔ ابن جریر میں منقول ہے' چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ انہیں لے کر مدینہ آئے۔ اپنے والد سے ملے۔ آپ نے پوچھا کب آئے ہو؟ جواب دیا کہ چند دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا بھی جواب دیا۔ پھر اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کا ذکر اور مقصد بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں جمع کرو۔ سبھی کو ان کے پاس لائے اور ان میں سے ہر ایک کو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ تجھے اللہ اور اسلام حق کی قسم' بتاؤ تم نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں' فرمایا' تو نے اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں اور اگر ہاں کہتا تو حضرت عمرؓ اسے کماحقہ دلائل سے عاجز کر دیتے' پھر فرمایا کیا تم سب نے قرآن حکیم کے مفہوم کو نگاہوں میں' زبان میں اور اعمال میں ڈھال لیا ہے' پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا' پھر فرمایا تم عمرؓ کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو بالکل کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ ہمارے رب کو پہلے سے ہی ہماری خطاؤں کا علم تھا۔

پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا الخ' کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا مقصد معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' فرمایا' اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کرنا پڑتا اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی۔ گو یہ روایت حسن کی حضرت عمرؓ سے ہے جس میں انقطاع ہے لیکن پھر بھی اتنے سے نقصان پر اس کی پوری شہرت بھاری ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' کسی کو مار ڈالنا' یتیم کا مال کھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' لڑائی سے بھاگ جانا' ہجرت کے بعد دارالکفر میں قیام کر لینا' جادو کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' سود کھانا' جماعت سے جدا ہونا' خرید و فروخت کا عہد توڑ دینا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بڑے سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کی پوشیدہ تدبیروں سے بےخوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کی شروع آیت سے لے کر تین آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے۔ پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کو ناخوش کرنا' آسودگی کے بعد کے بچے ہوئے پانی کو

حاجت مندوں سے روک رکھنا' اپنے پاس کے نر جانور کو کسی کی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا۔ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے' بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔ اور روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ ہی ان کی فرد جرم ہٹائے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک ہی شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے' اللہ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا الخ' میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں یعنی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے لوگوں نے کہا' کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے کئی کئی مرتبہ فرمایا' سات ہیں' دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا' سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں' اور ایک شخص کے کہنے پر آپ نے فرمایا' وہ سات سو ہیں اور سات بہت ہی قریب ہیں' ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور تکرار سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' جس گناہ پر بھی جہنم کی وعید اللہ تعالیٰ کے غضب' لعنت یا عذاب کی ہے' وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس کام سے اللہ منع فرمادے' اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے یعنی جس کام میں بھی اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہؒ فرماتے ہیں' کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' قتل نفس بغیر حق' میدان جہاد میں پیٹھ پھیرنا' یتیم کا مال اڑانا' سود خوری' بہتان بازی' ہجرت کے بعد وطن پرستی۔ راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمد سے پوچھا' کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا' یہ لفظ بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عبید بن عمیرؒ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں۔ شرک پر وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ' یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا اور اسے پرندے لپک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز نا معلوم اور بدترین جگہ پھینک دے۔ یتیم کے مال پر اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا الخ' یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر لیتے ہیں' وہ سب پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خوری پر اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا الخ' جو لوگ سود خوری کرتے ہیں' وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ' جو لوگ پاکدامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ایمان والو! جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ' ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ' یعنی لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں' قتل مومن پر وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے' اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطاء سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہؒ فرماتے ہیں' یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمتہ اللہ سے یہ مروی ہے' امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں یہ باور نہیں کرسکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھے (ترمذی) حضرت زید بن اسلمؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' کبائر یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا' جادو کرنا' اولاد کو مار ڈالنا' اللہ تعالیٰ سے اولاد اور بیوی کو نسبت دینا اور اسی جیسے وہ اعمال اور وہ اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں کئی ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جاسکتا ہے۔ ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچو' ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔ امام ترمذیؒ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں' ان میں سے بھی صحیح روایات ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے' کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لئے ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطا کاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لئے بھی ہے۔

اب علماء کرام کے اقوال سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو۔ بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دین داری کم ہوتی ہو اور دیانت داری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابوسعید ہرویؒ فرماتے ہیں' جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ۔ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی روبانیؒ فرماتے ہیں' کبائر سات ہیں۔ بے وجہ کسی کو مار ڈالنا' زنا' لواطت' شراب نوشی' چوری' غصب' تہمت۔ اور ایک آٹھویں جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سودخواری' رمضان کے روزے کا بلاعذر ترک کر دینا' جھوٹی قسم' قطع رحمی' ماں باپ کی نافرمانی' جہاد سے بھاگنا' یتیم کا مال کھانا' ماپ تول میں خیانت کرنا' نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا' مسلمان کو بے وجہ مارنا۔

رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا' آپ کے صحابیوںؓ کو گالی دینا اور بے سبب گواہی چھپانا' رشوت لینا' مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا' بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا' زکوٰۃ روک لینا' باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا' بری باتوں سے نہ روکنا' قرآن سیکھ کر بھول جانا' جاندار چیز کو آگ سے جلانا' عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا' رب کی رحمت سے ناامید ہو جانا' اللہ کے مکر سے بے خوف ہو جانا' اہل علم اور عاملان قرآن کی برائیاں کرنا' ظہار کرنا' سور کا گوشت کھانا' مردار کھانا ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو ادویات کے مصداق ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں' ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے؟ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبیؒ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں سترہ کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔ اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے' مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے' اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا' اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○

جائز رشک اور جواب باصواب: ☆☆ (آیت:۳۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں' اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی الخ' اتری۔ اور یہ بھی روایت میں ہے کہ عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش کہ ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔ دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے۔ گو پھر اس تناسب سے عملاً ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدیؒ فرماتے ہیں' مردوں نے کہا تھا کہ جب دوہرے حصے کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے؟ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں ہمیں تو شہادت کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال اور اولاد میرا ہوتا؟ اس پر حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں۔ ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا۔ پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں' کسی نیک کام حاصل ہونے کی تمنا یا حرص کرنا محمود ہے۔ اس کے برعکس کسی کی چیز اپنے قبضے میں لینے کی نیت کرنا ہر طرح مذموم ہے۔ جس طرح دینی فضیلت حاصل کرنے کی حرص جائز رکھی ہے اور دنیوی فضیلت کی تمنا ناجائز ہے۔ پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔ خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے۔ ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں' کریم ہوں' وہاب ہوں' دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ سے مانگنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہیں۔ اللہ علیم ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے' اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

عَقَدَتْ اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِیۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدًا ﴿۳۳﴾

ماں باپ اور قرابت دار جو چھوڑ مریں' اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں' اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی' انہیں ان کا حصہ دو' حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے ○

مسئلہ وراثت میں موالی؟ وارث اور عصبہ کی وضاحت و اصلاحات: ☆☆ (آیت:۳۳) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہیں' چچا کی اولاد کو بھی موالی کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل بن عباس کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصبہ مقرر کر دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ مریں اور تمہارے منہ بولے بھائی ہیں۔ تم جن کی قسمیں کھا کر بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں' انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیان ہو چکا تھا' یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیان ہوئے' وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں اور بعد کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا۔ اس کے ذو رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے۔ پس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو' انہیں فائدہ پہنچاؤ' ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی۔ ہاں وصیت کر جاؤ۔

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث' اسی طرح قبائل عرب عہد و پیان کر لیتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور اس قسم کے عہد اس آیت نے منسوخ قرار دے دیئے اور فرمایا' معاہدوں والوں کی بہ نسبت ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ ترجیح کے مستحق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دار الندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ ابن جریرؒ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں شامل تھا۔ میں اس قسم کو سرخ اونٹوں کے بدلے بھی توڑنا پسند نہیں کرتا۔ پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا' وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے تھا۔ لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ لیکن اب اسلام میں رسم حلف کالعدم قرار دی گئی ہے۔ فتح مکہ والے دن بھی آپؐ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اسی بات کا اعلان فرمایا۔

داؤد بن حصین کہتے ہیں' میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا' میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی گود میں یتیمی کے ایام گزار رہے تھے' میں نے جب اس آیت میں عَاقَدَتْ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا عَقَدَتْ پڑھو اور یاد رکھو یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمانؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب عبدالرحمان اسلام کے منکر تھے' حضرت صدیقؓ نے قسم کھالی کہ انہیں وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کے بے انتہا حسن اعمال سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیقؓ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی

بناء پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمدؒ سے بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔

جسے جمہور اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے صحیح قرار دیا ہے اور مشہور قول کی بناء پر امام احمد بھی اسے صحیح مانتے ہیں۔ پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حصہ داروارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسموں کا تبادلہ کیا ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ان کا حصہ یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ کالعدم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلف برداروں کو میراث نہ ملے۔ اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا حصہ نصرت امداد خیر خواہی اور وصیت ہے میراث نہیں۔ آپ فرماتے ہیں لوگ عہد و پیمان کرلیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا بعد والا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ تبارک تعالیٰ نے آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ نازل فرما کر حکم دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہے البتہ اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو یعنی اگر ان کو مال کا تیسرا حصہ دینے کی وصیت کر جاؤ تو جائز ہے۔ یہی معروف و مشہور امر اور بہت سے سلف سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صاحب کو اپنا مولیٰ بنایا تھا تو انہیں وارث بنایا۔

ابن المسیب فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں تو برقرار رکھا میراث کا مستحق موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں اور عصبہ کو قرار دے دیا اور سابقہ رسم کو ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعوؤں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ نہ دیا جائے۔ ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دے سکتے ہو۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت نصیحت اور معونت کا۔ یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتلانے کی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا۔ اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے تھے انہیں وفا کرو۔ پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحب کے قول میں ذرا اشکال ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے بھی ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر بھی منقول ہیں۔ جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصار کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہوگیا۔ پھر امام صاحب کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿۳۴﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں' پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں' اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو' انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو' پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے ○

مرد عورتوں سے افضل کیوں؟ ☆☆ (آیت:۳۴) جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم' رئیس اور سردار ہے۔ ہر طرح سے اس کا محافظ و معاون ہے اسی لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں ہی رہی بعینہ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر' نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے اور بہ اعتبار نفع کے اور حاجت براری کے بھی اس کا درجہ بڑا ہے۔ اسی بناء پر مرد کو عورت پر سردار مقرر کیا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ الخ' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اس کے بال بچوں کی نگہداشت' اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک عورت نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے' پس آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضور ﷺ سے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ' میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے' آپؐ نے فرمایا' اسے حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا' میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے' دیکھو اگر مرد عورت پر زناکاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں' اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے' بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند کے مال کی محافظت کرے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا' جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے' رمضان کے روزے رکھے' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے' اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے' اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہ جنت میں چلی جا۔

پھر فرمایا' جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو' نافرمانی کرتی ہو' بے پرواہی برتتی ہو' دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو۔ ہر طرح سمجھاؤ' اتار چڑھاؤ بتاؤ' اللہ کا خوف دلاؤ' حقوق زوجیت یاد دلاؤ۔ اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو

اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کوئی عورت روٹھ کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں' تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بجھاؤ۔ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ابن عباس فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بڑی بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں' ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا' یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا' جب تو پہن تو اسے بھی پہنا' اس کے منہ پر نہ مار' گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔ پھر فرمایا اس سے بھی ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو' نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے' پلاتے' پہناتے اوڑھاتے رہو۔ ہو پس ایسی مار نہ مارنی چاہئے جس کا نشان باقی رہے' جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں' اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے' یا رسول اللہ عورتیں آپ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا' سنو میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی۔ یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں' وہ اچھے آدمی نہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔ حضرت اشعثؒ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے' اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی عورت کو کس بناء پر مارا؟ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی (نسائی)۔ پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے کے لئے اللہ تعالیٰ ہے اور یقیناً وہ بہت زور آور اور زبردست ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے ۝

میاں بیوی مصالحت کی کوشش اور اصلاح کے اصول: ☆☆ (آیت:۳۵) اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ اگر نافرمانی اور کج بحثی عورتوں کی جانب سے ہو اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے؟ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم وزیادتی کس طرف سے ہے؟ پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں' اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔ لیکن شارع نے تو اسی امر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہو سکے' کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی بہت ہو تو اس کی عورت کو اس سے الگ کر لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان ونفقہ نہیں دلائیں اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں' اگر دونوں پنچ اس امر پر متفق ہوں گے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کے بعد ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا' وہ اس کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن جو ناراض تھا' اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا (ابن جریرؒ)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو منصف مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل ملاپ کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی' ایک روایت ہے کہ عقیل بن ابوطالبؓ نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا' تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی؟ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے' تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے' ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے' بنو عبد مناف میں یہ علیحدگی میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل کے گھر آئے' دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے' اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے لوگ بھی' علیؓ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں منصف مقرر کر دیا اور پھر دونوں پنچوں سے کہا' جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اتفاق کرا دو۔ اگر چاہو تو الگ الگ کرا دو۔ یہ سن کر عورت نے کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں' مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ نہیں نہیں اللہ کی قسم تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں' دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے' تفریق کا نہیں' حضرت قتادہ اور زین بن اسلم کا بھی یہی قول ہے' امام احمد اور ابوثور اور داؤد رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی

مذہب ہے۔ ان کی دلیل اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا الخ والا جملہ ہے کہ ان میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا۔ اس میں کسی کو پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے چاہے ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کو بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش' بہرصورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا' آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے لیکن مخالف گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علیؓ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جس طرح عورت نے دونوں صورتوں کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور اسی طرح تو بھی نہ مانے تو تو جھوٹا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے۔ ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ماں باپ سے سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا O

حقوق العباد اور حقوق اللہ: ☆☆ (آیت:۳۶) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ جب خالق رزاق نعمتیں دینے والا' تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جانتے ہو اللہ عزوجل کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول بہت زیادہ جاننے والے ہیں آپؐ نے فرمایا' یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو' وہی تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنے ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اور وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک واحسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے' مسکین کو صدقہ دینا اور صلہ رحمی کرنا بھی اسی حسن

سلوک کی شاخ ہے- پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے ناز لاڈ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے- پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں' خالی ہاتھ ہیں محتاج ہیں' ان کی ضرورتیں تم پوری کرو ان کی احتیاج تم رفع کرو ان کے کام تم کر دیا کرو' فقیر و مسکین کا پورا بیان سورہ برأۃ کی تفسیر میں آئے گا- ان شاءاللہ تعالیٰ-

پڑوسیوں کے حقوق: ☆☆ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ بھی برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں- خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں- یہ بھی کہا گیا ہے کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد بیوی ہے اور جَارِ الْجُنُبِ سے مراد مرد رفیق سفر ہے- پڑوسیوں کے حق میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' کچھ سن لیجئے- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے حضرت جبرائیل پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے' فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سے سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک میں زیادہ ہو' فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی کے بغیر خود شکم سیر ہو جائے- ایک مرتبہ آپ ؐ نے صحابہ سے سوال کیا' زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا' وہ حرام ہے' اللہ نے اور اس کے رسول ؐ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا' آپ ؐ نے فرمایا سنو دس عورتوں سے زنا کاری کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے' پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ؐ نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے' آپ ؐ نے فرمایا' سنو دس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے-

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے- میں نے پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے- ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا- وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور ؐ ان کی طرف متوجہ ہیں- میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ ؐ سے کچھ کام ہوگا- حضور کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں' بڑی دیر ہو گئی' یہاں تک کہ مجھے آپ ؐ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا' بہت دیر کے بعد آپ ؐ لوٹے اور میرے پاس آئے' میں نے کہا' حضور ؐ اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا- میں تو پریشان ہو گیا' آپ ؐ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے' آپ ؐ نے فرمایا' اچھا تم نے انہیں دیکھا- میں نے کہا' ہاں خوب اچھی طرح دیکھا' فرمایا جانتے ہو' وہ کون تھے؟ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہوا کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے (مسند احمد)- مسند عبد بن حمید میں ہے' حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا- اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی جب آپ ؐ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا' حضور ؐ کے ساتھ یہ دوسرا شخص کون نماز پڑھ رہا تھا- آپ ؐ نے فرمایا- تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا' تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی' یہ جبرائیل ؑ تھے' مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے

دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ' دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو' دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ ایک حق اسلام' دوسرا حق پڑوس' تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو' پڑوسی بھی ہو اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام' حق ہمسائیگی' حق صلہ رحمی تین تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں' میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں؟ آپؐ نے فرمایا' جس کا دروازہ قریب ہو۔ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا لوگوں نے آپ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آپ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہواً رہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے' پڑوسی کے ساتھ سلوک و احسان کرے۔ مترجم) گیارہویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہو گا' وہ پڑوسیوں کا ہو گا۔

پھر حکم ہوتا ہے صَاحِبِ بِالْجَنْبِ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں' مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے۔ عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں' ابن سبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو سفر میں کہیں ٹھہر گیا ہو' اگر مہمان بھی یہاں مراد لیا جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے' اس کا پورا بیان سورہ براۃ کی تفسیر میں آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

غلاموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ پھر غلاموں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تمہارے ہاتھوں اسیر ہے۔ اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے' تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو' رسول کریم ﷺ تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں' لوگو نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ بار بار اسی کو فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔

مسند کی حدیث میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں تو جو خود کھائے' وہ بھی صدقہ ہے' جو اپنے بچوں کو کھلائے' وہ بھی صدقہ ہے' جو اپنی بیوی کو کھلائے' وہ بھی صدقہ ہے' جو اپنے خادم کو کھلائے' وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا' اب تک نہیں دی' فرمایا جاؤ دے کر آؤ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے' ان سے روک رکھے۔ مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو۔ خیال کرو کہ اس نے پکانے کی گرمی اور تکلیف اٹھائی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمے ہی دے دیا کرو' آپؐ فرماتے ہیں' تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو' اسے اپنے کھانے سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ کرے کہ وہ عاجز ہو جائے' اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا

ساتھ دے۔(بخاری ومسلم)

پھر فرمایا کہ خود بین' معجب' متکبر' خود پسند' لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا' اپنے آپ کو تولنے والا' اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا' اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے' لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے۔ بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں' شکر بجا نہ لائے' لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں' میرے پاس یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ حضرت ابورجا ہروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بدخلق' متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا' ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا پڑھی' حضرت عوام بن حوشبؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں' مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ملی تھی' میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا' ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں؟ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' اسے تو تم کتاب اللہ میں پاتے بھی ہو' بنو ہجیم کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے' مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ' کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ ناپسند رکھتا ہے۔

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے' اسے چھپاتے ہیں' ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے' اور جس کا ہمنشین اور ساتھی شیطان ہو' پس وہ بدترین ساتھی ہے ○ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے انہیں جو دے رکھا ہے' اس کے نام پر دیتے' اللہ خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگ: ☆☆ (آیت:۳۷-۳۹) ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابت داروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' یتیم' مسکین' پڑوسی' رشتہ دار

غیر رشتہ دار پڑوسی' ساتھی' مسافر غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت فی سبیل اللہ نہیں دیتے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے' کون سی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے؟ اور حدیث میں ہے' لوگو بخیلی سے بچو' اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا' اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق و فجور جیسے برے کام نمایاں ہوئے۔ پھر فرمایا' یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں۔ انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ یعنی انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور خصلت پر گواہ ہے۔ پھر وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ وہ مال کی محبت میں مست ہے۔ پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے۔

پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا۔ پس بخیل بھی اللہ کی نعمتوں کا چھپانے والا' ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا قرار دیا ہے۔ پس وہ نعمتوں کا کافر ہوا' حدیث شریف میں ہے اللہ جب کسی بندے پر اپنی نعمت و انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ دعا نبویؐ میں ہے' وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثنا خوان بنا۔ ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان کی نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو وہ اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے۔ گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت اقربا ضعفا کو مال دینے کے بارے میں ہے' اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریا کاری کے طور پر فی سبیل اللہ مال دینے کی مذمت بھی بیان کی جا رہی ہے۔ پہلے ان کا بیان ہوا جو ممسک اور بخیل ہیں' کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

پھر ان کا بیان ہوا جو دیتے تو ہیں لیکن بدنیتی اور دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی' وہ یہی ریاکار ہوں گے۔ ریاکار عالم' ریاکار غازی' ریاکار سخی۔ ایسا سخی کہے گا' باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے' تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی' وہ میں نے تجھے دنیا میں ہی دے دی' پس تیری مراد حاصل ہو چکی۔ اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا' وہ اسے مل گیا۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین و فقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور نام الہ بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔ اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے۔ یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔ ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْاَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِىْ

''انسان کے بارے میں نہ پوچھ۔ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کر لے۔ ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے''۔

پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص و یقین پر قائم ہو جانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ ان کا اس میں کیا نقصان ہے؟ بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی۔ یہ کیوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں۔ اللہ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اللہ انہیں خوب جانتا ہے' ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے۔ اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں۔ وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر' اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر' اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے' عَيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش کہ انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ○

بے مثال خریدار؟ ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا' کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرماؤں گا جیسے اور آیت میں ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور فرمایا کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ' اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو' گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو' اللہ اسے لا حاضر کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خریدار ہے۔ اور جگہ فرمایا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ الخ' اس دن لوگ اپنے مختلف احوال پر لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا۔

بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان دیکھو' اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہوگی' حضرت ابوسعیدؓ یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے' اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا سب اہل محشر کو با آواز بلند سنا کر کہے گا' یہ

فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس کا نام یہ ہے' جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہوگی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے آئے رشتے ناطے کٹ جائیں گے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے' معاف فرمائے گا لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ اسی طرح جب کوئی حقدار آئے گا تو فریق ثانی سے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر' یہ کہے گا' دنیا تو ختم ہو چکی' آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں؟ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور اگر وہ بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے بلکہ بدبخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہوگا کہ فرشتہ کہے گا کہ باری تعالیٰ اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہوگا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لادو۔ پھر اسے جہنم واصل کرو اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے۔ ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا' یا رسول اللہ آپ کے چچا ابو طالب آپؐ کے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے۔ آپ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہوتا۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے' قیامت میں اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی۔ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے۔ آمین۔

مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے' حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں' مجھے خبر ملی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں سب سے زیادہ میں رہا ہوں' میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہؓ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا' معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت سے وہاں پہنچا' ملاقات ہوئی تو میں نے کہا ابو ہریرہؓ میں نے سنا ہے' آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہے؟ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ کو اچھا قرض دے اللہ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولنا کی بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیاء علیہ السلام کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی۔ نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا۔ اور جگہ فرمان ہے وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ، ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عبداللہ نے کہا' یا رسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا؟ آپ پر تو اترا ہی ہے' فرمایا' ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں' پس میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی' پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت فَكَيْفَ کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا بس کرو' میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس چٹان پر بیٹھ گئے جو اب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری سے فرمایا' قرآن پڑھو' وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت فَكَيْفَ تک پہنچا تو آپ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہوگئی اور عرض کرنے لگے' یا رب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں' ان کی بابت کیسے؟ (ابن ابی حاتم)۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ آپ نے فرمایا' میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر نگہبان ہے۔ ابو عبداللہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے؟ اس میں حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے۔ پس آپ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید کا خود کا قول ہے' دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے۔ جس کا نام ہی نہیں۔ تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے' ہاں امام قرطبیؒ اسے قبول کرتے ہیں۔ وہ اس کے لانے کے بعد فرماتے ہیں' پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پس وہ انبیاء پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نبیؐ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی۔ (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر کہے گا' کاش میں کسی زمین میں سما جاؤں' پھر زمین برابر ہو جائے گی۔ کافر نا قابل برداشت ہولنا کیوں' رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا' جیسے اور آیت میں ہے يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ الخ' جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا' کاش کہ میں مٹی ہو گیا ہوتا۔ پھر فرمایا یہ ان تمام بدافعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا' اور دوسری جگہ ہے کہ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اللہ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے۔ پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا' اس کا اور وقت ہے۔ اس کا وقت اور ہے' جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے' آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو' کیا عجب کام چل جائے۔ پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے (ابن جریرؒ) مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آن کر کہا تھا' بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا' کیا مطلب تجھے کیا

قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں- ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے- آپ نے فرمایا- جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آیا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی- ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ حضرت نافع بن ارزق تھے- یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی ایسی مجلس سے آ رہے ہو جہاں ان کا تذکرہ ہو رہا ہوگا یا تم نے کیا ہوگا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباسؓ سے دریافت کرتا ہوں- اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی جا کر سنا دو- پھر یہی جواب دیا-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

اے ایمان والو تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو- ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھ مل لو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور بخشنے والا ہے ○

بتدریج حرمت شراب اور پس منظر: ☆☆ (آیت:۴۳) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے اور ساتھ ہی جنبی شخص جسے نہانے کی حاجت ہو محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے- ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے تو جائز ہے نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورہ بقرہ کی آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ[1] کی تفسیر میں بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما- پھر نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی یہ آیت اتری- اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا- اسے سن کر بھی جناب فاروقؓ نے یہی دعا مانگی تو آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے- اسے سن کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا' ہم باز آئے- اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے-

ابن ماجہ شریف میں ہے' حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں- ایک انصاری نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی- ہم سب نے خوب کھایا پیا' پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے' پھر آپس میں فخر جتانے لگے- ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا- اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی' یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے- ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عوفؓ نے دعوت کی' سب نے کھانا کھایا' پھر شراب پی اور مست ہو گئے- اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں اس طرح پڑھا مَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ - اس پر یہ آیت اتری اور نشے کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا- یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے- ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمانؓ اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات خلط ملط کر دی' اس پر یہ آیت اتری' ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے- ابن جریرؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہئے تھا' نہ پڑھ سکے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ وَ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے- پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریرؒ)-

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے بالکل تائب ہو گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے' امام ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن اتنے نشہ میں بھی نہیں کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں کیونکہ نشے کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے- بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلام کو سمجھ سکیں- ایسے نشہ والوں کی طرف نہیں جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے اس لئے کہ خطاب کا تکلیف کی سمجھنا شرط ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے- واللہ اعلم' پس یہ حکم بھی اسی طرح ہو گا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو- تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے- یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو' یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے- نشہ والا انسان قرات میں خلط ملط کر دے گا- اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ ہی اسے عاجزی اور خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے' مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب تم میں سے اگر کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز چھوڑ کر سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے- بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے لئے استغفار کرے لیکن اس کی

زبان سے اس کے خلاف نکلے۔

آداب مسجد اور مسائل تیمم: ☆☆ پھر فرمان ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور گزر جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کے ایک طرف سے نکل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں بیٹھے نہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین کا یہی قول ہے' حضرت یزید بن ابوحبیب فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے' گھر میں پانی نہیں ہوتا تھا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے' انہیں اجازت مل گئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضورؐ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں' سب کو بند کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ رہنے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے تو انہیں ہر وقت بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبرؓ کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابوبکرؓ کے حضرت علیؓ کا نام ہے' وہ بالکل غلط ہے' صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے' اس آیت سے اکثر ائمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرانا حرام ہے۔ ہاں گزر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حیض ونفاس والی عورتوں کو بھی اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں' ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو تو ام المومنین نے عرض کیا' حضورؐ میں حیض سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کے لئے بھی یہی حکم ہے یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے جا آ سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسولؐ ہے کہ میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ امام ابومسلم خطابیؒ فرماتے ہیں' اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ ''افلت'' اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے' اس میں ''افلت'' کی جگہ معدوم ذہلی ہیں۔ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہؓ اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہؓ ہے لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہؓ کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اے علیؓ اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافر ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباسؓ' سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد' حسن' حکم' زید اور عبدالرحمان رحمہم اللہ علیہم سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیرؒ فرماتے ہیں' ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے (سنن اور احمد)۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں اولیٰ قول انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں اس سے مراد صرف گزر جانا ہے کیونکہ جس مسافر کو جنب کی حالت میں پانی نہ ملے' اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے۔ پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر دوسرے جملہ میں

اسے لوٹانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو جب تک اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو۔ اسی طرح جنب کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو۔ ہاں صرف گزر جانا جائز ہے۔ عَابِرٌ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے ہیں۔ اس کا مصدر عَبْرًا اور عُبُوْرًا آتا ہے جب کوئی نہر سے گزرے تو عرب کہتے ہیں عَبَرًا فُلَانٌ النَّهَرَ فلاں شخص نے نہر سے عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو عَبَّرَ الْاَسْفَارَ کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ جس قول کی تائید کرتے ہیں، یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت میں آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم اسی دلیل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطا بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے۔ واللہ اعلم۔

پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے۔ جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت کے بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے، نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا، اس پر یہ حکم اترا یہ روایت مرسل ہے، دوسری حالت میں تیمم کا جواز سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ غَآئِطٌ نرم زمین کو یہاں سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے لَامَسْتُمْ کی دوسری قرات لَمَسْتُمْ ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ، یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہو اس سے آدھا دے دو، اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو، پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں یہاں بھی لفظ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سے مراد مجامعت ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ حضرت مجاہدؒ حضرت طاؤسؒ حضرت حسنؒ، حضرت عبید بن عمیرؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت شعبیؒ حضرت قتادہؒ حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا، یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا، تم کن کے ساتھ تھے، میں نے کہا موالی کے، فرمایا موالی مغلوب ہو گئے۔ لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے، بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ کو عورت کے کسی حصہ سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لمس جماع کے ہم معنی نہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں، بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا۔ فرماتے ہیں مباشرت سے، ہاتھ لگانے سے بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا۔ لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اور اسے لمس میں داخل جانتے تھے۔ عبیدہؒ ابوعثمان، ثابت، ابراہیم، زید رضوان اللہ عنہم بھی کہتے ہیں، لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے

ہیں' انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے' اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا مالک) دارقطنی میں خود حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے۔ آپ باوضو تھے۔ آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کو صحیح ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب جانتے تھے۔ واللہ اعلم۔

مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعیؒ اور ان کے ساتھی امام مالکؒ ہیں اور مشہور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراتیں ہیں لَامَسْتُمْ اور لَمَسْتُمْ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ماغر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا' وہاں بھی لفظ لَمَسْتَ ہے اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہے' اور حدیث میں ہے وَالْیَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ ہاتھ کا زنا' چھونا اور ہاتھ لگانا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں' بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں یا ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بیع ملامست سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے' ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے وَلَمَسْتُ كَفِّیْ كَفَّهٗ اَطْلُبُ الْغِنٰی میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا۔ میں تونگری چاہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمدؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضورؐ اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبیہ عورت کے ساتھ تمام وہ کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ نازل ہوتی ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں' وضو کر کے نماز ادا کر لے۔ اس پر حضرت معاذؓ پوچھتے ہیں' کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والوں کے لئے ہے' امام ترمذیؒ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں' اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا۔ جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے۔ ابن ابی لیلا اور معاذ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیقؓ والی حدیث ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے' پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ آل عمران میں آیت ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں سے اولیٰ قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی' حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' آنحضرت رسول مقبول ﷺ وضو کرتے بوسہ لیتے پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھتے۔

حضرت حبیبؒ فرماتے ہیں' مائی عائشہ نے فرمایا' حضورؐ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے' نماز کو جاتے میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں' اس کی سند میں کلام ہے لیکن دوسری سندوں سے بغیر وضو کئے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہ سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیر ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضورؐ نے میرا بوسہ لیا اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا کی' حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ بوسہ لیتے حالانکہ آپ روزے سے ہوتے۔ پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے (ابن جریر) حضرت زینب بنت خزیمہؓ فرماتی ہیں' حضورؐ بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اس سے اکثر فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے

تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ الگ تھلگ ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو آپؐ نے اس سے پوچھا' تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا' یا رسول اللہ ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپؐ نے فرمایا' پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔ تیمم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں' عرب کہتے ہیں تَيَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهٖ یعنی اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے' امراء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین میں سے اوپر کو چڑھے' پس اس میں مٹی' ریت' درخت' پتھر' گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کا قول یہی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت' ہڑتال اور چونا' یہ مذہب ابوحنیفہؒ کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہے مگر یہ قول ہے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا ہے۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلتی۔ دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں۔ ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے ترتیب دی گئیں۔ ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جبکہ ہم پانی نہ پائیں۔ اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتاتے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں یہ لفظ طیب اسی کے معنی میں آیا ہے۔ مراد حلال ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' پاک مٹی مسلمانوں کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے۔ پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے بہائے۔ یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' حافظ ابوالحسن قطانؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو' تیمم وضو کا بدل ہے۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں' تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن کیفیت تیمم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ یدین کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کہتے ہیں یہاں تیمم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم سے مشروط ہے۔ اس لئے اس مطلق کو اس مشروط پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دارقطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا' تیمم کی دو ضربیں ہیں' ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے۔

پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنے دونوں بازوؤں پر ملے۔ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں۔ انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے اور یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل بتاتے ہیں۔ امام بخاریؒ' امام ابوزرعہؒ اور امام ابن عدیؒ کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں' اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے' امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا' حضرت ابوجہیمؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپؐ نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپؐ ایک دیوار

کے پاس گئے اور آپ نے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے۔ پھر میرے سلام کا جواب دیا (ابن جریر)۔
یہ تو تھا امام شافعیؒ کا جدید مذہب۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے ان گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے اور دونوں ہاتھوں پر پہنچے تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ دربار میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ امیر المومنین آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہوئے گئے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی۔ جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کا بیان حضورؐ سے کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اتنا کافی تھا۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماردی اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت شقیق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ابویعلیٰؒ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ کیا تمہیں یاد نہیں جبکہ مجھے اور آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے بارے میں بھیجا تھا۔ وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا۔ واپس آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ہنس دیئے اور فرمایا۔ تجھے اس طرح کرنا ہی کافی تھا۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے اور ضرب ایک ہی رہی' تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا' پھر تم اس آیت کا کیا کرو گے جو سورۂ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے سکے اور فرمانے لگے سنو! اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ سورہ مائدہ میں فرمان ہے فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ اس سے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابوجہمؓ والی حدیث میں گزرا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔
پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا تا کہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے' وہ وہیں پڑھ لے۔ اس کی مسجد اور اس کا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ تمام انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا۔ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح

بنائی گئیں۔ ہمارے لیئے زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب ہمیں پانی نہ ملے' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کر' پانی نہ ملنے کے وقت' اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اس کی عفو و درگزر شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کو مشروع کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے کیونکہ اس آیہ کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشے کی حالت میں ہو یا جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو' نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے احسان پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ الحمد للہ۔

تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ ہم اس واقعہ کو سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں جو تیمم کی آیت ہے' وہ نازل ہوئی یہ اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ واضح ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ کے بعد جبکہ نبی ﷺ بنونضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے' حرام ہوئی اور سورہ مائدہ قرآن میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے بالخصوص اس سورت کا ابتدائی حصہ لہذا مناسب یہی ہے کہ تیمم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے۔ اللہ نیک توفیق دے' اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدے پر مستعار لیا تھا' وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا حضورؐ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں فوت ہو گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے' اے ام المومنین عائشہؓ اللہ آپ کو جزائے خیر دے' اللہ کی قسم جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے' اس کا انجام ہم مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔

بخاری میں ہے' حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء میں یا ذات الجیش میں' میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضورؐ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے آتے ہی مجھے کہنے لگے' تو نے حضورؐ کو اور لوگوں کو روک دیا۔ اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کے آرام میں خلل واقع ہو۔ ساری رات گزر گئی۔ صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا۔ اللہ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے' اے ابوبکر کے گھرانے والو! یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں' اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر یہ سوار تھیں تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ذات الجیش سے گزرے۔ ام المومنینؓ کا یمنی خر مہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ کے ہم سفر مسلمانوں نے اور آپؐ نے یہیں گزاری۔ صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر پاک مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمانوں نے حضورؐ کے ساتھ کھڑے ہو کر زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان سے لت پت ہوئی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے سے بغل تک مل لی۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو۔ مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی پھر مسلمانوں نے زمین پر ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ لے گئے۔ ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضورؐ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سخت سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا۔ ادھر حضورؐ نے کوچ کا ارادہ کیا۔ تو میں نے اپنی اس حالت میں حضورؐ کی اونٹنی کو چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا تو میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا' اسلع کیا بات ہے؟ اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' یہ کیوں؟ تو میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اللہ عزوجل نے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے غَفُوْرًا تک نازل فرمائی۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے' وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ ○ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے ○ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لیئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ○

یہودیوں کی ایک مذموم خصلت: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں' نبی آخر الزماںؐ پر جو کتاب نازل ہوئی' اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا علم ان کے

پاس ہے' اسے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں خود اپنی کتابوں میں نبی موعود کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی یہ چاہتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں۔ اللہ کی کتاب کے مخالف ہو جائیں۔ ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے۔ وہ تمہیں ان سے مطلع کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ۔ اللہ کی حمایت کافی ہے۔ تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے۔ وہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے' اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقے کی جس تحریف کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشائے الٰہی تفسیر کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل جان بوجھ کر ہوتا ہے۔ قصداً افتراپردازی کے مرتکب ہوتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبرؐ جو آپ نے کہا' ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں' خیال کیجئے' ان کے کفر والحاد کو دیکھئے کہ جان کر' سن کر' سمجھ کر کھلے لفظوں میں اپنے ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے' اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے' آپ کی نہ سنی جائے لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا اور اللہ انہیں لعنت کرے' علاوہ ازیں راعنا کہتے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائیے لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو۔ اس کا پورا مطلب یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا الخ[1] کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے' اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں کہتے اور حقیقی مفہوم اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل یہ لوگ حضور علیہ السلام کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے۔ پس انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا استعمال چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا' مانا' آپ ہماری عرض سنئے! آپ ہماری طرف دیکھئے! یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ ایمان' کامل طور سے ان کے دلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا' اس جملے کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے' اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ کا امر ہوا ہی ہے ○ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے' اس نے بڑا طوفان باندھا ○

قرآن حکیم کا اعجاز تاثیر: ☆☆ اللہ عزوجل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ بگاڑ دیں۔ آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں۔ آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں۔ پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے یہ عذاب ان کے بداعمال کا بدلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ انہیں احساس دلا رہے ہیں کہ اب بھی باز آ جاؤ اور اپنے سے پہلے ایسی حرکت کرنے والوں کی صورتوں کے مسخ ہونے کو یاد کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تمہارا منہ الٹ دوں۔ تا کہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے۔ تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں اور اسی جیسی تفسیر بعض نے اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ الخ' کی آیت میں بھی کی ہے' غرض یہ ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بری مثال بیان ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے ہٹا دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں۔ ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں۔ ابوزیدؒ فرماتے ہیں' لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؒ کے سامنے حضرت کعبؓ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت کعبؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعبؓ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے جواب دیا' تم تو قرآن میں پڑھ چکے ہو کہ جنہیں توراۃ کا حامل بنایا گیا' انہوں نے اسے کما حقہ قبول نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو توراۃ اٹھوائے گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے۔ وہاں سنا کہ ایک شخص جو ان کے گھرانے میں سے تھا' اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے جب اس نے آیت ختم کی' انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مسخ کر پلٹ نہ جائے' یہ جھٹ سے کہنے لگے یَارَبِّ اَسۡلَمۡتُ میرے اللہ میں ایمان لایا پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابومسلم جلیلی ان کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوشخبری اور اوصاف توراۃ میں ہیں؟ یہ آئے تو فرماتے ہیں' جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا کہ اے اہل کتاب ہماری نازل کردہ کتاب تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ بہتر ہے کہ اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ بگاڑ دیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے منع کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے ان کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ارشاد ہوتا ہے' الٰہی کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔ پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو' اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں چاہے تو بخش

دیتا ہے' اس آیۂ کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔

گناہوں کے تین دیوان: ☆☆ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں۔ ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا' دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا۔ تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں' وہ شرک ہے' اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں فرماتا۔ اور جگہ ارشاد ہے' جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرلے اللہ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اور جس دیوان میں اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں' وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اور جس کا تعلق اس سے اور اللہ کی ذات سے ہے مثلاً کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جس دیوان (اعمالنامہ) میں سے موجود کسی فرد کو اللہ نہیں چھوڑتا' وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔

دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار۔ الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا۔ دوسرا وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے میرے بندے تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا' میں بھی تیری جتنی خطائیں ہیں' انہیں معاف فرماتا رہوں گا۔ میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر کی خطائیں بھی لے کر میرے پاس آئے گا تو میں بھی زمین کی وسعتوں جتنی مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو بندہ لاالٰہ الا اللہ کہے' پھر اسی پر اس کا انتقال ہو' وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اگر اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو' آپؐ نے فرمایا' گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپؐ نے فرمایا' چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو پس حضرت ابوذرؓ وہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ اور اس کے بعد جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس میں ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں' میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جا رہا تھا' احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضورؐ نے فرمایا' اے ابوذر میں نے کہا' لبیک یارسول اللہؐ آپؐ نے فرمایا' سنو میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں۔ باقی تمام مال میں اس طرح راہ اللہ اس کے بندوں کو دے ڈالوں اور آپؐ نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے۔ پھر حضورؐ نے مجھے پکارا اور فرمایا' جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے یعنی آپؐ نے اپنے دائیں' سامنے اور بائیں لپیں (ہتھیلیاں) بھر کر دیتے ہوئے اس عمل کی وضاحت کی۔

پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا' ابوذر میں ابھی آتا ہوں' تم یہیں ٹھہرو' آپؐ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آ گیا ہو میں نے قصد کیا وہاں پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضورؐ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپؐ تشریف لے آئے تو میں نے کہا حضورؐ یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں' آپؐ نے فرمایا' میرے پاس حضرت جبرائیل آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا' ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔

یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رات کے وقت نکلا' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چاندنی میں حضور کے پیچھے ہولیا۔ آپ نے جب مڑ کر مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے میں نے کہا ابوذر' اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے تو آپ نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر ہم چلتے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا' زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ پھر وہ دائیں بائیں' آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے' فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آ رہے ہیں گو زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا۔ پوچھا کہ اے نبی اللہ' اللہ مجھے آپ پر قربان کرے' اس میدان کے کنارے آپ کس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سنا کوئی آپ کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ جبرائیل تھے۔ یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا' اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے اور اللہ کے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہوگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے پھر یہی سوال کیا۔ فرمایا ہاں اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔

چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔ ایک شخص حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ' جنت واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا' جو شخص بغیر شرک کئے مرا' اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا' اس کے لئے جہنم واجب ہے' یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہوا مرا' اس کے لئے بخشش حلال ہے' اگر اللہ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے' اللہ اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے کو نہیں بخشتا۔ اس کے سوا جسے چاہے بخش دے (ابن ابی حاتم)۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ دریافت کیا گیا کہ حضور پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے' اس کے لئے بخشش الٰہی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے پھر آپ نے آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' تلاوت فرمائی (مسند ابو یعلیٰ) ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد' جو شخص مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو' وہ جنت میں داخل ہوگا۔

آٹھویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس آئے اور فرمایا' تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کروں یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کی بابت پوشیدہ محفوظ ہے' اسے قبول کرلوں تو بعض صحابہؓ نے کہا' کیا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے یہ محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا؟ آپ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے' پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے' میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کو جنت عطا کرنا مزید عطا فرمایا اور وہ پوشیدہ حصہ بھی' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابورہم نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ چیز کیا ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضور کے لئے اختیار کردہ چیز؟ حضرت ایوبؓ نے فرمایا' سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم - ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یارسول اللہؐ میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا - آپؐ نے فرمایا' اس کی دینداری کیسی ہے' کہا نمازی ہے اور توحید والا ہے - آپؐ نے فرمایا' جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو' اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا - اس نے آ کر حضورؐ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا' میں نے اسے اپنے دین پر چمٹا ہوا پایا - اس پر یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' نازل ہوئی -

دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابویعلیٰ - ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا یعنی زندگی میں سب کچھ کر چکا - آپؐ نے فرمایا - کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' تین مرتبہ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' یہ ان سب پر غالب آ جائے گا - گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضمضم بن جوش یمامیؒ سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا - یمامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا' حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں - آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا - سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے - آپؐ نے فرمایا' بنی اسرائیل میں دو شخص تھے - ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا - عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا' اے شخص باز رہ - وہ جواب دیتا' تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے' کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے؟ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے' جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا' افسوس تجھ پر' باز آ - اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا -

اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں - جب دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا اور میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد سے فرمایا' کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ' حضورؐ نے یہ بیان فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے' اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دنیا اور آخرت برباد کر دی -

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی - جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے - تیرہویں حدیث بحوالہ بزار' ابویعلیٰ - جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے' اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے' وہ اس کے اختیار میں ہے بخش دے یا سزا دے - حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں' ہم صحابہ قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' اتری اور اصحابؓ رسول گواہی سے رک گئے (ابن ابی حاتم)

ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے' اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری - جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت کے لئے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیئے - بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں

کے لئے موخر کر رکھا ہے۔

ابو جعفر رازی کی روایت میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ' نازل ہوئی یعنی اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا' حضورؐ شرک کرنے والا بھی؟ آپ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا۔ پھر آپؐ نے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الخ' پڑھ کر سنائی۔ سورۂ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ۔ پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے' اللہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے۔ پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں شرک بھی آ جائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں ہے ہاں اس کے سوا جسے چاہے یعنی اگر اس نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے اللہ کے ساتھ جو شرک کرے' اس نے بڑے گناہ کا افترا باندھا۔ جیسے اور آیت میں ہے' شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا۔ پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ' میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا شکریہ کر۔ میری طرف لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ؕ ﴿۵۲﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں' بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے۔ کسی پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا O دیکھو تو یہ لوگ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے O کیا تو نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے۔ جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں O یہی ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی اور جسے اللہ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا O

منہ پر تعریف و توصیف کی ممانعت: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) یہود و نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور

کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی - ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت اَلَمْ تَرَ الخ' نازل ہوئی اور یہ قول حضرت مجاہد ؒ کے خیال کے مطابق اس آیت کا شان نزول ہی ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں - یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں' وہ ہمارے لئے قربت الٰہ کا ذریعہ ہیں - ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ بچا لیں گے - پس یہ آیت اتری - حضرت ابن عباسؓ یہودیوں کا اپنے بچوں کا آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں - اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا' یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں' ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح وثناء بیان کرنے کے رد میں اتری ہے - صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں -

بخاری ومسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح وستائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا' افسوس تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی - پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ فلاں شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے - اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل یہی ہے کہ کسی کی منہ پر تعریف نہ کی جائے -

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جو کہے میں مومن ہوں' وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں' وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں جہنمی ہے - ابن مردویہ میں آپؐ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے - مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے' اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے' اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا - اسے اس میں برکت دی جائے گی' تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدح وستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ دوسرے پر چھری پھیرنا ہے' یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں مروی ہے - حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس ایک صبح کو اپنے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (اس کی وجہ یہ ہوتی ہے) کہ وہ صبح کسی سے اپنا کام نکالنے کے لئے ملا - اس کی تعریف شروع کر دی اور اس کی مدح سرائی شروع کی اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا' آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریف کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ کو ناخوش کر دیا - پھر آپ نے آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ - پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے - پھر فرمایا کہ اللہ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی نہ چھوڑے گا' فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے -

پھر فرماتا ہے' ان کی افترا پردازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ عزوجل کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں؟ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہوگا - کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں؟ حالانکہ ایک کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا جیسے ارشاد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ' یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا - ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ - پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب وافترا ہی ان کے لئے کافی ہے - جِبْت کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جِبْت حبش کا لفظ ہے اس کے معنی شیطان کے ہیں - شرک' بت

اور کاہن کے معنی بھی بتائے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد حی بن اخطب ہے' بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے' فال اور پرندوں کو ڈانٹنا یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا' یہ جبت ہے' حسن کہتے ہیں جبت شیطان کی غنغناہٹ ہے۔ طاغوت کی نسبت پہلے سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر گذر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابرؓ سے جب طاغوت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے' مجاہدؒ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔ پھر فرمایا کہ ان کی جہالت' بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا' تم اہل کتاب اور صاحب علم ہو' بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد (ﷺ) انہوں نے کہا تم کیا ہو؟ اور وہ کیا ہیں؟ تو اہل مکہ نے کہا' ہم صلہ رحمی کرتے ہیں' تیار اونٹنیاں ذبح کر کے دوسروں کو کھلاتے ہیں' لسی پلاتے ہیں' غلاموں کو آزاد کرتے ہیں' حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد (ﷺ) تو صنبور ہیں' ہمارے رشتے ناطے تڑوا دیئے' ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں۔ اب بتاؤ ہم اچھے یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا' تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اتری ہے۔

بنو وائل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضورؐ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ عظیم کی تیاری میں تھے' اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمدؐ کا؟ تو ان لوگوں نے کہا' تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں۔ اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے چنانچہ یہی ہوا۔ زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنے ساتھ ملا کر تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی لیکن بالاخر دنیا نے دیکھ لیا' ان کی ساری سازشیں ناکام ہوئیں یہ خائب و خاسر رہے' نامراد و ناکام پلٹے' دامن مراد خالی رہا بلکہ نامرادی' مایوسی اور نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد آپ کی اور اپنی قوت و عزت سے (کافروں کو) اوندھے منہ گرا دیا۔ فالحمد للہ الکبیر المتعال

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف برابر بھی کچھ نہ دیں گے ○ یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے ○ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم کا جلانا ○

یہودیوں کی دشمنی کی انتہا اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت:۵۳-۵۵) یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان کی جاتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے خصوصاً اللہ کے اس آخری پیغمبر کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے جیسے اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ الخ یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم تو خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے تھے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرما دیا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔

ان کے ان بخیلانہ مزاج کے بعد ان کا حسد واضح کیا جا رہا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو نبوت کا عظیم تر منصب بخشا ہے چونکہ وہ عرب میں سے ہیں بنی اسرائیل سے نہیں اس لئے ان سے حسد کی آگ میں جل رہے ہیں اور لوگوں کو آپؐ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اَلنَّاس سے مراد ہم ہیں کوئی اور نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے آل ابراہیمؑ کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم سے ہیں نبوۃ دی کتاب نازل فرمائی جینے مرنے کے آداب سکھائے بادشاہت بھی دی اس کے باوجود ان میں سے بعض تو مومن ہوئے۔ اس انعام واکرام کو مانا لیکن بعض نے خود بھی کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جبکہ یہ اپنے والوں سے بھی منکر ہو چکے ہیں تو پھر اے نبی آخر الزماں آپؐ کا انکار ان سے کیا دور ہے؟ جبکہ آپ ان میں سے بھی نہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے ان کے کفر وعناد کی ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے ہم انہیں عنقریب ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے ○

عذاب کی تفصیل اور نیک لوگوں کا انجام بالخیر: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہوا۔ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے

روم روم کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ایسا ہوگا کہ ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل جائے گا جو سفید کاغذ کی مثال ہوگا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے' ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی۔ یعنی کہہ دیا جائے گا کہ جلد لوٹ آئے۔ وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی تو آپ پڑھنے والے سے اسے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں۔ ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے (ابن مردویہ وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے۔ میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا' اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے تو آپؑ نے فرمایا' ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نے اسی طرح حضورؐ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں' پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (۷۶) ہاتھ ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھا لے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سو سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی [1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔ اس کے مقابلے میں نیک لوگوں کے انجام کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جنت میں عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی۔ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں۔ اپنے محلات میں' باغات میں' راستوں میں غرض جہاں ان کے جی چاہیں' وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے گا نہ ان میں کمی ہوگی نہ وہ واپس لے لی جائیں گی نہ فنا ہوں گی نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض و نفاس سے' گندگی اور پلیدی سے' میل کچیل اور بوباس سے' رذیل صفتوں اور بے ہودہ اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت بخش' بہت ہی سرور انگیز' راحت افزا' دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ یہ شجرۃ الخلد ہے (ابن جریر)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو' یقیناً وہ بہتر چیز ہے' جس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے ○

امانت اور عدل و انصاف: ☆☆ (آیت: ۵۸) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت

ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس سے خیانت مت کر (مسند احمد وسنن) آیت کے الفاظ وسیع المعنی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ عزوجل کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے جیسے روزہ' نماز' زکوٰۃ' کفارہ' نذر وغیرہ' اور بندوں کے آپس کے کل حقوق بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ۔ پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی' صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹنے لگی۔ کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوا تو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کر۔ وہ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں۔ میں کہاں سے ادا کروں؟ فرماتے ہیں۔ پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ جا اسے لے آ۔ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا لیکن وہ گر پڑے گی۔ وہ پھر اسے لینے جائے گا بس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا۔ حضرت زاذان اس روایت کو سن کر حضرت براءؓ کے پاس آ کر بیان فرماتے ہیں' وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا۔ پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' ہر نیک و بد کے لئے یہی حکم ہے' ابوالعالیہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا' وہ سب امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں عورت اپنی شرم گاہ کی امانت دار ہے' ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں' جو جو معاملات تیرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں' وہ سب اسی میں شامل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے۔

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا' حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینا چاہی اتنے میں حضرت عباسؓ نے کہا' یا رسول اللہ اب یہ مجھے سونپئے تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا حضورؐ نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا آپ نے سہ بارہ طلب کی حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں۔ حضورؐ کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر گئے' وہاں جتنے بت اور تصویریں تھیں' سب توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ فال کے تیر تھے۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ کو ان تیروں سے کیا سروکار؟ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر ان کے نام ونشان مٹا کر آپ باہر آئے' کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے کہا' کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے' وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔ پھر آپؐ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی ہوں۔ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا۔ اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر کہا' حضورؐ چابی مجھے عنایت فرمائی جائے تا کہ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپؐ نے انہیں نہ دی۔ مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپؐ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے۔ پھر آپؐ طواف میں مشغول ہو گئے' ابھی وہ چند پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں۔ میں نے تو اس سے پہلے آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا۔ اب آپؐ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا کا' نیکی اور سلوک کا دن ہے۔ یہ عثمان بن طلحہؓ ہیں جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ

کی کنجی چلی آتی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے۔ جب ہی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کا جھنڈا بردار تھا اور وہیں بہ حالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اسی بارے میں اتری ہے۔ اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہرصورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو۔ حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے اللہ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے' ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت اور عدل وانصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور تمام ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار نے تمہیں دیا ہے (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھنا' کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتا کر) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابوزکریاؒ فرماتے ہیں ہمارے استاد مقریؒ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا۔ اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم) یہ حدیث اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبانؒ نے بھی اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے۔ اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابویونس ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ کے مولی ہیں اور ان کا نام سلیم بن جبیرؒ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ ع ۹

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسولؐ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی' پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسولؐ کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے' یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے ○

مشروط اطاعت امیر: ☆☆ (آیت:۵۹) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ کو بھیجا تھا۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے' بخاری ومسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے' اچھا لکڑیاں جمع کرو' پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں۔ پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا' لوگو سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم نے دامن رسولؐ میں پناہ لی ہے۔ تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضورؐ سے ملاقات نہ ہو جائے' پھر اگر آپؐ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا چنانچہ یہ لوگ واپس حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا' آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں جلتے رہتے۔ سنو

فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ابوداؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے۔ جی چاہے یا طبیعت رو کے لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ اور رسول کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے' جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔

بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی۔ سننے اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو۔ ہمارے لئے سختی ہو یا آسانی ہو' چاہے ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جارہی ہو۔ ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے کام کو نہ چھینیں لیکن جب تم ان کا کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح الٰہی دلیل بھی ہو۔ بخاری شریف میں ہے' سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو چاہے اس کا سر کشمش ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآبؐ) نے سننے کی اور ماننے کی وصیت کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہی ہو' مسلم کی ہی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا' چاہے تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تم سے کتاب اللہ کے مطابق تمہارا ساتھ چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ ابن جریر میں ہے نیکوں اور بدوں سے بدتم ہر ایک اس امر میں جو مطابق ہو ان کی سنو اور مانو کہ میرے بعد نیک سے نیک اور بد سے بد۔ تم کو ملیں گے۔ تم پر ایک میں سے جو حق پر ہو اس کا سننا اور ماننا تم سے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی اور اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر گناہوں کا بوجھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بنو اسرائیل میں مسلسل لگاتار رسول آیا کرتے تھے ایک کے بعد ایک اور۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفا بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا پھر حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی۔ ان کا حق انہیں دے دو' اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں' جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے' اسے صبر کرنا چاہئے' جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا پھر وہ جاہلیت کی موت مرے گا (بخاری و مسلم) ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے' وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل کے بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو' وہ جاہلیت کی موت مرے گا (مسلم)

حضرت عبدالرحمانؒ فرماتے ہیں' میں بیت اللہ شریف میں گیا' دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے۔ میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی۔ فرمایا ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک منزل میں اترے' کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا' کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی والا ندا دے رہا ہے' ہم ہمہ تن گوش ہو گئے اور سنا کہ رسول کریم ﷺ فرما رہے ہیں' ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے' ان کی تربیت انہیں دے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں' انہیں آگاہ کر دے۔ سنو میری امت کی عافیت کا زمانہ اول کا زمانہ ہے۔ آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند کریں گے اور ایک پر ایک فتنہ برپا ہو گا۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا' اسی میں میری ہلاکت ہے' پھر وہ ہٹے گا تو دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گا بس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی۔ پس جو شخص بات کو پسند کرے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت کا مستحق ہو' اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ سنو جس نے امام سے بیعت کر لی'

اس نے اپنا ہاتھ اس کے قبضہ میں اور دل کی تمنائیں اسے دے دیں۔ اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا۔ اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے۔ اگر کوئی دوسرا اس سے خلافت چھیننا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو۔

عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں' کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا' میں نے حضورؐ سے اپنے ان دو کانوں سے سنا اور میں نے اسے اپنے اس دل میں محفوظ رکھا ہے مگر آپ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ ہمیں ہمارے اپنے مال بطریق باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں سے ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ الخ' اسے سن کر حضرت عبداللہؓ ذرا سی دیر خاموش رہے' پھر فرمایا اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اسے نہ مانو۔ اس بارے میں حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت سدیؒ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا' چلا۔ رات کے وقت اس کی بستی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور چھپ چھپ کر سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا اس نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ انہوں نے اس کا سب اسباب جلا دیا۔ یہ شخص رات کے اندھیرے میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں آیا اور حضرت عمار سے ملا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میری ساری قوم تمہارا آنا سن کر بھاگ گئی ہے۔ صرف میں باقی رہ گیا ہوں تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا؟ اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا' یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا۔ تم نہ بھاگو۔ ٹھہرے رہو۔ صبح کے وقت جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا۔ اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جب حضرت عمارؓ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالد کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے' یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا۔ تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو؟ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہوگئی اور قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپؐ نے حضرت عمار کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا پھر دونوں میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی اس پر حضرت خالدؓ نے حضورؐ سے کہا' اس ناک کٹے غلام کو آپؐ کچھ نہیں کہتے؟ دیکھئے تو یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا' خالد عمار کو برا نہ کہو۔ عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ گالیاں دے گا۔ عمار سے دشمنی کرنے والے سے اللہ دشمنی رکھے گا۔ عمارؓ پر جو لعنت بھیجے گا' اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوگی۔ اب تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حضرت عمارؓ غصہ میں چلا رہے تھے۔ آپ دوڑ کر ان کے پاس گئے۔ دامن تھام لیا۔ معذرت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی۔ تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار راضی نہ ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (امر امارت وخلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء کی۔ ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے۔ آگے حقیقی علم اللہ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں۔ امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا' قرآن فرماتا ہے' لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ الخ' یعنی ان کے علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا؟ اور جگہ ہے

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ الخ' حدیث کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو۔ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ کی اطاعت ہو۔ اللہ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی ماننا حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی فرمان اللہ و فرمان رسولؐ کے دائرے میں' مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے' کسی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف جائز نہیں۔ آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف جیسے کہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے' پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین سے متعلق ہو خواہ فروع دین سے متعلق' اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب و سنت کو حکم مان لیا جائے۔ جو اس میں ہو' وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ یعنی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے' اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے' پس کتاب و سنت جو حکم دے اور جس مسئلہ کی صحت کی شہادت دے' وہی حق ہے۔ باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت و گمراہی ہے اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو' یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو یعنی جس مسئلہ میں اختلاف ہو' جس امر میں جدا جدا آراء ہوں' ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ سے کیا کرو' جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو' پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب و سنت کی طرف نہ لے جائے' وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے' بہت اچھی جزا اسی کا ثمر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے' اس پر ایمان ہے (لیکن) اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں' شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے ○ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں ○

حسن سلوک اور دوغلے لوگ: ☆☆ (آیت:۶۰-۶۳) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو' جب کبھی کسی اختلاف کو سمیٹنا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف لے جاتے ہیں چنانچہ یہ آیت ان دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی جن میں کچھ اختلاف تھا۔ ایک تو یہودی تھا' دوسرا انصاری۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرالیں اور انصاری کہتا تھا کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے' بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام سے عام ہے۔ ان تمام واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب و سنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن و حدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدور سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی پر ہی اڑے رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی ایمان والوں کو جب اللہ رسول کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا یہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' انہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو ○

(آیت:۶۲-۶۳) پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تمہیں خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود

صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھا جائے آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں جیسے اور آیت میں فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ سے نٰدِمِيْنَ تک بیان ہوا ہے یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود ونصاریٰ کی باہم دوستی کی تمام تر کوششیں کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے اختلاف کی وجہ سے آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے۔ بہت ممکن ہے ان سے دوستی کے بعد اللہ تعالیٰ فتح دیں یا اپنا کوئی حکم نازل فرمائیں اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا' یہود اپنے بعض فیصلے اس سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے۔ اس میں یہ آیتیں اَلَمْ تَرَ سے تَوْفِيْقًا تک نازل ہوئیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقین کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے۔ اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں۔ ان کے ظاہر باطن کا اسے علم ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر' ہاں انہیں نفاق اور دوسروں سے شر و فساد میں وابستہ رہنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں اترنے والی باتیں ان سے کہہ بلکہ ان کے لئے دعا بھی کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے ○ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام آپس کے اختلافات میں تجھ ہی کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر تو جو فیصلے ان میں کر دے' ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ○

اطاعت رسول اللہ ﷺ ہی ضامن نجات ہے: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۵) مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے۔ منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے سبھی احکامات کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' بِاِذْنِ اللّٰهِ سے یہ مراد ہے کہ اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ عاصی اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ ان کی طرف رجوع کرے گا۔ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں' لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے' میں حضور کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا اسلام علیکم یا رسول اللہ میں نے قرآن کریم

کی اس آیت کو سنا اور آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ۔

يَاخَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں' اے ان تمام میں سے بہترین ہستی' میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے۔ جس میں پارسائی' سخاوت اور کرم ہے' پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں حضور ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا' اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضور کی زندگی میں ہی تھا۔ وصال کے بعد نہیں جیسے کہ جَآءُوْكَ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ کے اس آخر الزماں افضل تر رسول کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپ کے ہر حکم ہر فیصلے ہر سنت اور ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے۔ دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول نہ بنا دے۔ غرض جو بھی ظاہر و باطن' چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول کو اصل اصول سمجھے' وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو یہ کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں اپنے دل میں ناپسندیدگی نہ لائیں۔ تسلیم کلی تمام احادیث کے ساتھ رہے۔ نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں نہ انہیں بے اثر کرنے کے اسباب ڈھونڈیں نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے' تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا تابع نہ بنا دے جسے میں لایا ہوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور نے فرمایا' زبیر تم پانی پلا لو۔ اس کے بعد پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔ اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر تم پانی پلا لو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو حضور نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کو کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دلوایا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں' جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت فَلَا وَرَبِّكَ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر اس انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر اور حضرت حاطب بن ابوبلتہ تھے۔ آپ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدی میں آئے۔ آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا' اس نے کہا حضور آپ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے

فرمایا بہت اچھا' ان کے پاس چلے جاؤ' جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا ہی واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا' کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ آپؓ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں' تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ حضرت ہمیں عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے' گردن اڑا دی' دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضورؐ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا میں عمرؓ کو ایسا نہیں جانتا تھا کہ وہ اس جرات کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری وَلَوْاَنَّا كَتَبْنَا جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔ ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب اور مرسل ہے اور ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپؐ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی لیکن جس کے خلاف ہوا تھا' اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں' آپؐ نے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابوبکر کے پاس چلیں' دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیق نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور نے کیا وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہاں گئے۔ پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابواسحاق)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع ۱۱

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے' اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو ○ اور تب تو ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں ○ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں ○ جو بھی اللہ کی اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرے وہ ان کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بس ہے جاننے والا ○

عادت جب فطرت ثانیہ بن جائے اور صاحب ایمان کو بشارت رفاقت: ☆☆ (آیت: ۶۶-۷۰) اللہ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کی

ذلیل طبیعتیں حکم الٰہ کی مخالفت پر ہی استوار ہوئی ہیں- پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی خبر دی ہے جو ظاہر نہیں ہوئی لیکن ہوتی تو کس طرح ہوتی؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گزرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا- جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا' بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط اور ثابت ہے- (ابن ابی حاتم)

اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کسی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ فرمایا تھا- سعدی کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ سے فخریہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل بھی فرض کیا تو بھی ہم کر گزریں گے- اس پر حضرت ثابت نے فرمایا' واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے' اس پر یہ آیت اتری- اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں ایک ابن ام عبد بھی ہوتے (ابن ابی حاتم) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں-

ارشاد الٰہی ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے احکام بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ مخالفت کریں اور ممانعت میں مشغول ہوں- یہی عمل صحیح اور حق والا ہے اس کے نتیجہ میں ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا اور آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے- پھر فرماتا ہے' جو شخص اللہ اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے' اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا- نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کو جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں' ان کا مصاحب بنائے گا- شہیدوں' مومنوں اور صالحین جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے' ان کا ہم جنس بنائے گا' خیال تو کرو' یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں- صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' میں نے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانے میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے' جب حضورؐ بیمار ہوئے تو شدت نقاہت سے اٹھ نہیں سکتے تھے- آواز بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپؐ فرما رہے ہیں' ان کا ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا' جو نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور نیکوکار ہیں- یہ سن کر مجھے معلوم ہو گیا کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہے- یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپؐ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اے اللہ میں بلند و بالا رفیق کی رفاقت کا طالب ہوں- یہ کلمہ آپؐ نے تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے نکالا- پھر فوت ہو گئے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم-

اس آیت کے شان نزول کا بیان: ☆☆ ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضورؐ کے پاس آئے- آپ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں- سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضورؐ یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں آ بیٹھتے ہیں- دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے- ہم تو آپ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے- حضورؐ نے کچھ جواب نہ دیا- اس پر حضرت جبرائیلؑ یہ آیت لائے- آنحضرتؐ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی' یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے-

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے- پس جبکہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں

گے اور کیسے ملیں گے؟ پس یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور پر بہار باغوں میں سب جمع ہوں گے اور اللہ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے۔ ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔

ابن مردویہ میں ہے' ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں آپ کو اپنی جان سے' اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے' صبر نہیں کر سکتا' دوڑتا بھاگتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں نبیوں کے سب سے بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضورؐ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں۔

صحیح مسلمؒ شریف میں ہے' ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضورؐ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپؐ نے مجھ سے فرمایا' کچھ مانگ لے' میں نے کہا جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں۔ فرمایا۔ اس کے سوا اور کچھ؟ میں نے کہا۔ وہ بھی یہی فرمایا میری رفاقت کے لئے میری مدد کر بکثرت سجدے کیا کر۔ مسند احمد میں ہے' ایک شخص نے آنحضرت سے کہا' میں اللہ کے لاشریک ہونے کی اور آپؐ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا' جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا' وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہو گا۔ پھر آپؐ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتایا لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ ان شاء اللہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔ ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت سے بہ تواتر مروی ہے کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے ملا نہیں تو آپؐ نے فرمایا' اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر انسان اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے حضرت ابوبکر سے ہے اور حضرت عمر سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں (یا اللہ تو ہمارے دل بھی اپنے نبی ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ کر دے۔ آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ستارے کو مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہو' ان میں بہت کچھ فاصلہ ہو گا' صحابہ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی؟ کوئی اور وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا' کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کو سچا جانا اور مانا (بخاری و مسلم)۔

ایک حبشی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے' آپ فرماتے ہیں جو پوچھنا ہو پوچھو اور سمجھو وہ کہتا ہے یارسول اللہ آپ کو صورت میں رنگ میں نبوت میں اللہ عزوجل نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ بجالا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ کا ساتھ ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا' ہاں اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈا ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے سے اللہ کا وعدہ ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک اور صاحب نے کہا' حضورؐ جب یہ حقائق ہیں تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا' اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن ایک ہی نعمت جو اس کے مقابل کھڑی ہوگی جو صرف اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا نتیجہ ہوگی' اس کے سامنے مذکورہ اعمال کم نظر آئیں گے محض اس کا شکریہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے اور یہ آیتیں اتریں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ سے مُلْكًا كَبِيْرًا تک تو حبشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ کی آنکھیں دیکھیں گی میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر وہ حبشی فرط شوق میں روئے اور اس قدر روئے کہ اسی حالت میں فوت ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ ان کی لاش مبارک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اتار رہے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں اصولی خامیاں بھی ہیں۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے' یہ خاص اللہ کی عنایت اور اس کا فضل ہے۔ اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے' اللہ خوب جاننے والا ہے' اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ
اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ
لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ
مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

اے مسلمانو اپنے ہتھیار لئے رہو۔ پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو ○ یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں' پھر اگر

تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا O اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں کوئی دوستی تھی ہی نہیں۔ کہتے ہیں کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا O پس جو لوگ دنیا کی زندگانی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے۔ جو شخص راہ اللہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا بدلہ عنایت فرمائیں گے O

طاقتور اور متحد ہو کر زندہ رہو: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۴) اللہ رب العزت مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں۔ ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں۔ اپنی تعداد بڑھاتے رہیں۔ قوت مضبوط کرتے رہیں۔ باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا متحدہ فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز آتے ہی کوچ کریں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ خدا سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار منافقین کا فعل تھا' اللہ اسے رسوا کرے' ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت الٰہی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوتی' دشمن ان پر چھا جاتا انہیں نقصان پہنچتا ان کے آدمی شہید ہوتے تو یہ گھر بیٹھا خوشیاں مناتا اور اپنی دانائی پر اکڑتا اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ کا انعام قرار دیتا ہے لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا' اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا' اگر یہ بھی ان میں شامل ہوتا تو یا تو غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا یا شہادت کے بلند مرتبے تک پہنچ جاتا' اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ گئے ان کی فتح ہوئی' دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت' ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو یہ اب انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ دین تمہارا ہی نہیں اس کا دین ہے۔ کہتا ہے افسوس میں ان کے ساتھ نہ ہوا ورنہ مجھے بھی حصہ ملتا اور میں بھی لونڈی' غلام والا' مال و متاع والا بن جاتا الغرض دنیا پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہیے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں' اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود' غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ ہے' یا تو اسے شہید کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے' وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔ فالحمدللہ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ

ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ ع

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے ○

شیطان کے دوستوں سے جنگ لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی راہ کے جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور و بے بس لوگ جو مکہ میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں جن پر کفار نت نئی مصیبتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں انہیں آزاد کراؤ جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اسی بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکلنا ممکن ہو مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ یعنی بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت و قوت والی تھیں جس بستی نے یعنی بستی والوں نے تجھے نکالا۔ اسی مکہ کے رہنے والے کافروں کے ظلم کی شکایت بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں کہ اے رب ہمارا ولی اور مددگار اپنے پاس سے مقرر کر۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہی کمزوروں میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ پھر فرماتا ہے ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضاجوئی کے لیئے جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے اور اس کے مکر و فریب سب نقش بر آب ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگی اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دیا۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا ○

اولین درس صبر وضبط: ☆☆ (آیت:۷۷) واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمان مکہ شریف میں تھے' کمزور تھے' حرمت والے شہر میں تھے' کفار کا غلبہ تھا' یہ انہی کے شہر میں تھے' وہ بکثرت تھے' جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں۔ ان کی مخالفت برداشت کریں۔ ان کے ظلم وستم سہہ لیا کریں' جو احکام الٰہی نازل ہو چکے ہیں' ان پر عامل رہیں۔ نمازیں ادا کرتے رہیں۔ زکوٰۃ دیتے رہا کریں' گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں' ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے' مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس لئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ اس روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے لیکن اب تک حکم نہ ہوا' جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر' رشتہ' کنبہ اللہ کے نام پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے' یہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی سہولت دی۔ امن کی جگہ دی۔ امداد کے لئے انصار مدینہ دیئے' تعداد میں کثرت ہوگئی۔ قوت وطاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اپنے لڑنے والوں سے لڑو' جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹپٹائے' خوف زدہ ہوئے۔ جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا تصور' عورتوں کے رنڈاپے کا خیال' بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ الٰہی ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَۃٌ الخ' مختصر مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں' کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہ ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے۔ آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ کی فرماں برداری ضروری ہے اور آپ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟) لیکن آپ نے جواب دیا' مجھے اللہ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگذر کریں' کافروں سے جنگ نہ کریں۔ پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ ہچکچانے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری (نسائی' حاکم' ابن مردویہ)۔

سدیؒ فرماتے ہیں' صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو۔ جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں ہمیں اپنی ہاں موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور بہت ہی کم ہے' ہاں متقیوں کے لئے آخرت دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا ہے کہ پرہیز گاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے' کامل اجر ملے گا' ایک بھی نیک عمل غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جا رہی ہے

اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے۔ ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ حضرت ابو مصہر کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ　　مِنَ اللّٰهِ فِيْ دَارِ الْمَقَامِ نَصِيْبٌ

فَاِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَاِنَّهَا　　مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيْبٌ

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا۔

پھر ارشاد باری ہے کہ آخرش موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے۔ کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا' جیسے فرمان ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر ہر جاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے ہمیشہ کی زندگی مقرر نہیں کی۔ مقصد یہ ہے کہ خواہ جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا ہی پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت جبکہ آپ بستر مرگ پر ہیں' فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں گیا۔ ثابت قدمی' پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نہ کوئی نشان نیزے یا برچھے یا تیر یا بھالے کا' تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی' اب دیکھو اپنے بستر پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' میری ذات سے سبق سیکھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ
مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

تم جہاں کہیں بھی ہو' موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو' انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں' یہ تیری طرف سے ہے' انہیں خبر کر دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں؟ ○

موت سے فرار ممکن نہیں: ☆☆ (آیت:۷۸) پھر فرماتا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا' مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا' مراد اس سے آسمان کے برج ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کر لے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے مُشَیَّدَۃَ بہ تشدید اور مَشِیْد بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں' کہتے ہیں کہ اول کا معنی مطول' دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بہ زبان حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی۔ جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ۔ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے۔ پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے۔ کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی۔ پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے' اسی سے اس کا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا' اب ایک زمانہ گذر گیا۔ ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی' بدچلنی میں پڑ گئی۔ ادھر ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا۔ کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی۔ کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو' اس سے میرا نکاح کرا دو' یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی' یہیں پیغام بھیجا' منظور ہو گیا' نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے ہاں آ بھی گئی' دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔ ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا' آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ۔ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا اور وہاں سے اس کی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا۔ اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے' میں وہی ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا۔ تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے' وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے۔ وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی۔ خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے' میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں۔ اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا' دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی' عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ تو میں اس کی جان لوں گی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ نوکر پکڑ کر لے آئے۔ اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا۔ اس کی جان نکل گئی لیکن اس میں سے پیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر چپک گیا۔ اس کا زہر چڑھا' پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمدؐ کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ' کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں۔ حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ شاپور ذوالاکتاف نے جو قتل کیا' وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے' جب شاہ پور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی۔ اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا۔ دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر شاہ پور پر پڑ گئی یہ اس وقت شاہانہ پرتکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا۔ نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو؟ چنانچہ اس نے خفیہ

پیغام بھیجنے شروع کیے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر شاہ پور کا قبضہ کرا دے تو شاہ پور اس سے نکاح کر لے گا- اس کا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا- اس کی ساری رات نشہ میں کٹتی تھی' اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک بھروسے دار غلام کے ہاتھ ساطرون تک پہنچا دیں جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا- جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے' قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا- اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا گر اسے بتلا دیا کہ ایک چت کبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو- پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو- وہ جا کر قلعہ کی دیوار پر بیٹھے تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا-

چنانچہ شاہ پور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا- تمام لوگوں کو تہہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا- ایک رات جبکہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی' اسے نیند نہ آ رہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو شاہ پور نے پوچھا کیا بات ہے' اس نے کہا شاید میرے بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آ رہی' شمع جلائی گئی' بستر ٹٹولا گیا تو گل آس کی ایک پتی نکلی' شاہ پور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بنا پر اسے نیند نہیں آئی؟ پوچھا تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نرم ریشم کا بستر تھا' صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا- صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی' یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا' تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا- ان باتوں نے شاہ پور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا' اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا- اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہیے؟ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے؟ اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے' چنانچہ یہی ہوا- گھوڑا بدکا' بھاگا' اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا- چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے-

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

تجھے جو بھلائی ملتی ہے' وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے' وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے- ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا ○

ہر بھلائی کی اللہ کی طرف سے ہے: ☆☆ (آیت:۷۹) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اگر انہیں خوش حالی' پھلواری' اولاد وکھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے' تنگ روزی ہو' موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا- یہ فائدہ ہے مسلمان ہونے کا' یہ پھل ہے دیندار بننے کا' فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کی طرف سے بدشگونی لیا کرتے تھے جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے' ایک آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ الخ' یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت اللہ کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں

کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں پلٹ جاتے ہیں۔ یہ ہیں جو دونوں جہان میں برباد ہوں گے پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور دل کے کھوٹے ہیں' برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا' بہک گئے کہ یہ تو اسلام لانے کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ حَسَنَہ سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا' جانوروں میں زیادتی ہونا' بال بچے بہ کثرت ہونا' خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے' اگر یہ ہوا تو تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبیؑ کی تابعداری اختیار کی' اس لیئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگاران کے اس ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی قضا وقدر ہر بھلے برے' فاسق فاجر' نیک بد' مومن کافر پر جاری ہے' بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔ پھر ان کے اس قول کی جو محض شک وشبہ' کم علمی' بے وقوفی' جہالت اور ظلم کی بنا پر ہے' تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں کیا ہو گیا؟ جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے' بزار میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے' ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور حضورؐ کے قریب آ کر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی؟

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ تو کہہ رہے تھے' نیکیاں اور بھلائیاں اللہ کی طرف سے ہیں' اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا' تم کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت عمرؓ نے کہا' میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں' آپ نے فرمایا یہی بحث اول اول حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ میں ہوئی تھی' میکائیل وہی کہتے تھے جو ابو بکرؓ کہہ رہے ہیں اور جبرائیل وہ کہہ رہے تھے جو اے عمرؓ تم کہہ رہے ہو۔ پس آسمان والوں میں جب اختلاف ہوا تو زمین والوں میں تو ہونا لازمی تھا۔ آخر حضرت اسرافیلؑ کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیات دونوں اللہ مختار کل کی طرف سے ہیں' پھر آپ نے دونوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو' اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے عمل کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس حضرت ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں' اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے خطاب فرماتا ہے جس سے مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے' وہ اللہ کا فضل' لطف' رحمت اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے' جیسے اور آیت میں ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے' وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ تو بہت سی بداعمالیوں سے درگذر فرماتا رہتا ہے۔ فَمِنْ نَّفْسِكَ سے مراد بہ سبب گناہ ہے یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے چھل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جس سے پسینہ آ جائے تو وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے' جنہیں معاف کر دیتا ہے' وہ بہت سارے ہیں' اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل حدیث میں بھی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایماندار کو غم ورنج یا جو بھی تکلیف ومشقت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں' مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے' اس کا باعث تیرا گناہ ہے۔ ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ

ہے' حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں' تم تقدیر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں' پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں اللہ کی قسم لوگ اللہ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔ قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے' تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی شریعت کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو' اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے' اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی۔ تیرے ان کے درمیان جو ہو رہا ہے' اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے' یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں' اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اس رسول کی اطاعت جو کرے' اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی' اور جو منہ پھیرے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے۔ پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو کہی گئی ہے' اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے' ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے' تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ' اللہ کافی کارساز ہے ○

ظاہر و باطن کو نبی اکرم ﷺ کا مطیع بنالو: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کا اطاعت گذار صحیح معنی میں میرا اطاعت گذار ہے۔ آپ کا نافرمان میرا نافرمان ہے اس لئے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ جو فرماتے ہیں' وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے' حضورؐ فرماتے ہیں میری ماننے والا اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی' اس نے اللہ کی بات نہ مانی' جس نے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی' یہ حدیث صحیحین میں ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے' جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبی آپ پر نہیں۔ آپ کا ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ نیک نصیب ہوں گے تو مان لیں گے۔ نجات اور اجر حاصل کر لیں گے۔ ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ہوگا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر' اس نیکی کے معلم آپ ہی ہیں' اور جو نہ مانے نہ عمل کرے تو نقصان اٹھائے گا' بدنصیب ہوگا' اپنے بوجھ سے آپ مرے گا۔ اس کا گناہ آپ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے سمجھانے بجھانے اور راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا ارشد و ہدایت والا ہے اور اللہ اور رسول کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار ہے' موافقت کا اظہار ہے لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے' یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ یہ پہنچے تو ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چھپ چھپ کر سازشیں کرنے بیٹھ گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدہ چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان کی

سب کرتوتوں اور ان تمام باتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں' پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بےہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے جو تم ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے' ظاہر و باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا' اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا الخ' پھر اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے درگذر کیجئے' بردباری برتئے' ان کی خطا معاف کیجئے' ان کا حال ان کے نام سے دوسروں سے نہ کہئے' ان سے بالکل بےخوف رہئے' اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ جو اس پر بھروسہ کرے' جو اس کی طرف رجوع کرے اسے وہ کافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ○ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی کہ انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا' اگر یہ لوگ اسے رسولؐ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں' اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ○

کتاب اللہ میں اختلاف نہیں: ☆☆ (آیت:۸۲-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور و فکر' تامل و تدبر سے پڑھیں۔ اس سے اعراض نہ کریں' بےپرواہی نہ کریں۔ اس کے مستحکم مضامین' اس کے حکمت بھرے احکام' اس کے فصیح و بلیغ الفاظ پر غور کریں' ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف' اضطراب' تعارض اور تضاد سے پاک ہے' اس لئے کہ حکیم و حمید اللہ کا کلام ہے۔ وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے' چنانچہ اور جگہ فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یہ لوگ کیوں قرآن میں غور و خوض نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین اور منافقین کا زعم ہے یا اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑ لیا ہوا ہوتا' کوئی اور اس کا کہنے والا ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا یعنی ناممکن ہے کہ انسانی اضطراب و تضاد سے مبرا ہو۔ لازماً یہ ہوتا کہ کہیں کچھ کہا جاتا اور کہیں کچھ۔ اور یہاں ایک بات کہی۔ آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق کا کلام ہے۔ اور جگہ ہے پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے۔ اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پا لیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے' وہ محکم متشابہ کی طرف موڑ توڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے صحیح مزاج والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان فرمائی۔ عمرو بن شعیبؒ سے مروی ہے عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ والی

حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں شامل ہوئے کہ اس کے مقابلہ میں سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ برابر بھی قیمت نہیں رکھتا۔ ہم دونوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے دروازے پر چند بزرگ صحابہؓ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا اور کچھ اختلاف تھا۔ آخر بات بڑھ گئی اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی، رسول اللہ ﷺ اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ ان پر مٹی ڈالتے ہوئے فرمانے لگے بس خاموش رہو تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہوگئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری کے خلاف سمجھا۔ یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ تم جسے جان لو عمل کرو، جسے نہ معلوم کر سکو اسے اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہ تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے، راوی کہتے ہیں کہ کاش کہ میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں، میں دوپہر کے وقت حاضر حضورؐ ہوا، میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا اور ان کی آوازیں اونچی ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا، تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا (مسند احمد)۔ پھر ان جلد باز لوگوں کو روکا جا رہا ہے جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو۔ صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے، اسی کو بیان کرنے لگ جائے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گپ بازی سے منع فرمایا یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے، لوگوں نے یہ خیال کیا، یہ کہا۔ اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے، وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ یہاں پر ہم حضرت عمرؓ والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تو آپ اپنے گھر سے چلے، مسجد میں آئے۔ یہاں بھی لوگوں کو یہی کہتے سنا تو بذات خود رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور خود آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا غلط ہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپؓ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا۔ لوگو! رسول مقبول ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضرت عمرؓ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔ استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو، جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ۔ پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب سوائے چند کامل ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر محاورۃً معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل شامل ہو چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَاۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

مِّنۡهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾

تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہ' تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے اور ان ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ' بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا' اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

حکم جہاد امتحان ایمان ہے! ☆☆ (آیت: ۸۴-۸۵) رسول اللہ ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کریں چاہے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہ دے۔ ابو اسحاقؒ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اکیلا تنہا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو تو حضرت براءؓ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے اللہ کی راہ میں لڑ۔ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ (ابن ابی حاتم) مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا' مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے' پس تم بھی جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے مومنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا' چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا' اٹھ کھڑے ہو اور بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے' جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

بخاری میں ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے' نماز قائم کرے زکوٰۃ دیتا رہے' رمضان کے روزے رکھے اللہ پر اس کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے' اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو' لوگوں نے کہا حضورؐ کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا' سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں اور یہ درجے اللہ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں۔ پس جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے' حضورؐ دوبارہ ارشاد ہو' آپ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا' ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں ہے' پوچھا وہ عمل کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ کا جہاد۔ پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے' مسلمان آپؐ کی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کفر کی کمر توڑ دے گا۔ کفار کی ہمت پست کر دے گا۔ ان کے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں' اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں۔ وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے۔ اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے' جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نْتَصَرَ مِنْهُمْ الخ' اگر اللہ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے' لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے۔ جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے

بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا' اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بدنتیجہ برآمد کرے' اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی ویسا ہی بوجھ ہو گا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں' سفارش کرو' اجر پاؤ گے اور اللہ اپنے نبیؐ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس مہربانی کو دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے' یا نہ بنے۔ اللہ ہر چیز کا حافظ ہے' ہر چیز پر حاضر ہے' ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز پر ہمیشگی کرنے والا ہے' ہر ایک کو روزی دینے والا ہے' ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

ع ۱۱

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو' بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟ ○

سلام کہنے والے کو اس سے بہتر جواب دو: ☆☆ (آیت:۸۶-۸۷) مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو' یا کم سے کم انہی الفاظ کو دہرا دو' پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے' ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ آپؐ نے فرمایا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پھر دوسرا آیا اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ آپؐ نے جواب دیا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ پھر ایک اور صاحب آئے' انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ آپؐ نے جواب میں فرمایا وَعَلَيْكَ تو اس نے کہا اے اللہ کے نبیؐ فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب کچھ زیادہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا آپؐ نے فرمایا' تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا' فرمان الٰہی ہے' جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لئے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ اسے ابوبکر مردویہ نے بھی روایت کیا ہے مگر میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں سے زیادتی نہیں' اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور السلام علیکم یا رسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں' دوسرے آئے اور السلام علیکم و رحمتہ اللہ یارسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے آپؐ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں' پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپؐ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔

امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے' اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لئے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا اختلاف ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گذر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام

سے اچھا جواب دیں اور اگر مسلمان سلام کے بھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے' ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے' صحیحین میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو' یہ کہہ دیتے ہیں اَلسَّامُ عَلَیْکَ تو تم کہہ دو وَعَلَیْکَ۔ صحیح مسلم میں ہے' یہود و نصاری کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطر کر۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے اور علماء کرام کا فرمان بھی یہی ہے' پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہو گا اس لئے کہ جواب سلام کا اللہ کا حکم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت اور اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمنی مضامین بھی ہیں۔ اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے۔ تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام مقدم و موخر کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس سمیع و بصیر سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے' اس کے سوا کوئی مربی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے' اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو' جسے اللہ راہ بھلا دے تو تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ۔ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں' ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ' پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا ○

منافقوں سے ہوشیار رہو: ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ شہر طیبہ ہے جو خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے۔ (صحیحین) ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا۔ عبداللہ بن ابی سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضورؐ کے ساتھ پھر سات سو

ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے' انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسولؐ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے۔ ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو۔ یہ ہمارے دشمنوں کے طرفدار ہیں اور بعض نے کہا سبحان اللہ جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں' تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے۔ ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال اپنے اوپر حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا۔ آپؐ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے لڑکے فرماتے ہیں' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا' کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے۔ اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے' لیکن یہ قول غریب ہے' ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں۔ اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں' انہیں اپنا نہ سمجھو' یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے' پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی ○

(آیت:۹۰) پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان' صلح وسلوک ہو تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مدلجی فرماتے ہیں' جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا' میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں' لوگوں نے مجھ سے کہا۔ خاموش رہ لیکن حضورؐ نے فرمایا۔ اسے کہنے دو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا' مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم

کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے صلح کرلیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہوجائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑھائی نہ کریں' حضورؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا' ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کرآؤ' پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہوجائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں۔ پھر تم اور وہ برابر ہوجاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو' یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور ان میں ہی آیت اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ الخ' نازل ہوئی۔ پس جو بھی ان سے مل جاتا' وہ انہی کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔ صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا ہے کہ کفار کی جماعت میں داخل ہوجاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہوجاتا حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کردیا کہ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ الخ' یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾ ع

تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں' (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں' پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کا سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پالو یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے ○

(آیت:۹۱) پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن یہ بچارے بے بس ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ کے لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جاسکتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یکسو ہوجائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں' اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے' جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ' یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کرلیا جائے۔

پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت کھوٹ ہے' یہ لوگ منافق ہیں۔ حضورؐ کے پاس آکر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان و مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں' ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں

سے ہونا ظاہر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہاتھوں بھی امن میں رہیں' دراصل یہ لوگ کافر ہیں' جیسے اور جگہ ہے' اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں' ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو جی کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ ''فتنہ'' سے مراد یہاں شرک ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی دوغلی روش سے باز نہ آئیں' ایذا رسانی سے الگ نہ ہوں' صلح نہ کریں تو انہیں امن امان نہ دو۔ ان سے بھی جہاد کرو' انہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ﴿۹۲﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے)' جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصد مار ڈالے' اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ کے معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی' پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں۔ اللہ سے بخشوانے کے لئے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ○

قتل مسلم' قصاص و دیت کے مسائل اور قتل خطا: ☆☆ (آیت:۹۲) ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ صحیح میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کسی مسلمان کا جو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو' خون بہانا حلال نہیں۔ مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو' دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو' تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا' جماعت سے فرقت کرنے والا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں۔ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے۔ عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے' اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے

وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی' ان کا نام حارث بن زید عامری تھا' حضرت عیاش کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش کو یہ معلوم نہ تھا' فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے۔ یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں' ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا۔ تلوار تولی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب حضورؐ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداءؓ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا' آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابیؓ کا ہے۔

پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں۔ ایک تو غلام آزاد کرنا' دوسرے دیت دینا' اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو' کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا۔ چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے۔ چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔ ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضورؐ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں' میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں آپؐ نے اس لونڈی سے پوچھا' کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے اس سے پوچھا' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں' دریافت کیا' میں کون ہوں؟ جواب دیا' آپ رسول اللہ ہیں ﷺ' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار ہے' پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے' دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا' یہ عوض ہے ان کے مقتول کا' یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے' بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بہ روایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے' حضرت علیؓ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے' یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے' اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں اس امر میں کسی کو مخالف نہیں جانتا کہ حضورؐ نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے' امام صاحب جن حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں' وہ بہت سی ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں۔ ایک نے دوسرے کو پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو' وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے' یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم

ثلث پر ہوگی۔ تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' بنو جذیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورؐ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا۔ انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے اسلمنا یعنی ہم مسلمان ہوئے کے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہوئے' حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی' یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور برات تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جوان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔ پھر فرمایا ہے کہ خوں بہا جو واجب ہے' اگر اولیاء مقتول ازخود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے۔ وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔

پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اس کے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں' قاتل پر اس صورت میں صرف آزاد غلام کی گردن ہے۔ اگر اس کے ولی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی۔ اگر مقتول مومن تھا تو کامل خوں بہا اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے' بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی' تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اس کے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگاتار پے درپے رکھنے ہوں گے۔ اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے' دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔

پھر فرماتا ہے' قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو' وہ مسکینوں کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے' وہاں صاف بیان فرما دیا۔ یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے۔ آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت وعظمت اتنی باقی نہ رہتی' دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں' اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا' حاجت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (بہ ظاہر قول ثانی ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ مترجم) اللہ علیم وحکیم ہے' اس کی تفسیر کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔

قتل عمداً اور قتل مسلم: ☆☆ قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے' اس کی سختی' برائی اور نہایت تاکید والی ڈراؤنی وعید فرمائی جا رہی ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے۔ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ' یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں' دوسری جگہ فرمان ہے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ' یہاں بھی اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیث بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ بخاری ومسلم میں ہے' سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ابوداؤد میں ہے' ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے۔ اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے۔ اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ اور حدیث میں ہے' جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمے سے بھی

اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

(آیت:۹۳) حضرت ابن عباسؓ کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا' اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیرؒ' ابن عباسؓ کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں' یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ جس میں توبہ ذکر ہے کہ وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے پس جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا' اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' حضرت مجاہدؒ سے جب یہ قول ابن عباسؓ بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو' سالم بن ابو الجعدؒ فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ جب نابینا ہو گئے تھے' ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں' جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا' آپ نے فرمایا' اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا اس پر غضب ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے' اس نے پھر پوچھا' اگر وہ توبہ کرے' نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے' اس کی ماں اسے روئے' اسے توبہ اور ہدایت کہاں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے' میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے' اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے' وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا' اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہوگا اور اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ کی جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری' اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضورؐ کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ' عبید بن عمیرؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ بھی حضرت ابن عباسؓ کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے لائے گا۔ دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا اور کہے گا' میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا' پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو' اللہ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا' اور یہی کہے گا' قاتل جواباً کہے گا' اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو' اللہ فرمائے گا' قاتل کا گناہ اس نے اپنے سر لے لیا' پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔

مسند احمد میں ہے' ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا' دوسرا وہ جو کسی مومن کا قصداً قاتل بنا۔ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے' محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ مسند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں' میرے پاس ابو العالیہ آئے' میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے' تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ یادداشت والے ہو۔

آ ؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو- جب وہاں پہنچے تو حضرت بشرؓ سے فرمایا' انہیں بھی وہ حدیث سنا دو- انہوں نے سنانی شروع کی کہ عتبہ بن مالک لیثیؓ نے کہا' رسول اللہ علیہ السلام نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا- اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا- اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا- جب اس کے قریب ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں- اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی اس واقعہ کی خبر حضور کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی- ایک روز رسول اکرم علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا' حضورؐ اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی- آپؐ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے' اس نے دوبارہ کہا' آپؐ نے پھر منہ موڑ لیا' اس سے صبر نہ ہو سکا- تیسری بار کہا تو آپؐ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپؐ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی- فرمانے لگے قاتل مومن کی کوئی بھی معذرت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں' تین بار یہی فرمایا- یہ روایت نسائی میں بھی ہے- پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے' جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی' اللہ کی طرف رجوع کیا' خشوع و خضوع میں لگا رہا' نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا- اللہ فرماتا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ الخ' یہ خبر اور خبر میں نسخ کا احتمال نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مومنوں کے بارے میں خاص کرنا بہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے- واللہ اعلم-

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ' اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو- یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر و شرک ہو' خواہ شک و نفاق ہو' خواہ قتل و فسق ہو' خواہ کچھ ہی ہو' جو اللہ کی طرف رجوع کرے' اللہ اس کی طرف مائل ہو گا' جو توبہ کرے' اللہ اسے معاف فرمائے گا- فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الخ' اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں اس کے سوا کے تمام گناہ جسے چاہے بخش دے- اللہ کی اس کریمی کے صدقے جایئے کہ اس نے اسی سورت میں اس آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں' اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسے دہرا دیا دیا اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تا کہ بندوں کو اس کی کامل فطرت سے کامل امید بندھ جائے- واللہ اعلم-

بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کئے تھے- پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے- وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ جاؤ اس بد بستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بسو- چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے میں ہی فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں- یہ حدیث پوری پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ کے لیے قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوں؟ ہم پر تو پہلے بہت زیادہ پابندیاں تھیں جن سب سے خدا نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمتہ للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا' سیدھا' صاف اور سہل ہے- لیکن یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے' اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے سزا ضرور دی جائے- چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اور سلف کی ایک جماعت بھی یہی فرماتی ہے بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے لیکن سنداً وہ صحیح نہیں اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں واضح بیان ہوا ہے- اور یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور

احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی خواہ وہ بقول ابن عباسؓ وغیرہ توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول جمہور دوسرا ایک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مومن کے معاف فرما دے۔ اس میں ''عسی'' ترجی کا مسئلہ ہے ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید گو اٹھ جائے پھر بھی وقوع پزیر ہونا یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں اور وہ قتل ہے کیونکہ شرک وکفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا اور جو حدیثیں گذریں جن میں ہے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا' یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے' وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے' اسی طرح چوری ہے' غصب ہے' تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور وقصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگذر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ بخش دے وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔

فرماتا ہے وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا الخ' جو ظلم سے قتل کیا جائے' ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے۔ انہیں اختیار ہے کہ یا تو وہ بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے جو تین قسموں پر مشتمل ہے۔ تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔ اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمداً میں بطور اولی ہونا چاہئے اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کو قضا قرار دیا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے۔ خطا میں امام احمد کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں' قتل عمداً نا قابل کفارہ ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوٹی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں اس لئے کہ یہ عمداً چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگلی جماعتوں کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پس آئے اور کہا' کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو سنی ہو' کہا ہم حضور ﷺ کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے آپ کو جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا' اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کر دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو جب تم راہ اللہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں' تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں' پہلے تم بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا' لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو' بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے O

مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل ناقابل معافی جرم ہے: ☆☆ (آیت:۹۴) ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ بنوسلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا اصحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اور سلام کیا تو صحابہؓ آپس میں کہنے لگے' یہ مسلمان تو ہے نہیں۔ صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن بعض نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی کے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے کے قائل ہے' اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں' محکم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے۔

بعض کہتے ہیں' اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں' لیکن میں کہتا ہوں یہ سب ناقابل تسلیم ہے' سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے' عکرمہ سے صحیح دلیل لی گئی ہے' یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے' سعید بن منصور میں یہی مروی ہے' ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا' راستے میں اسے حضورؐ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ آپؐ نے انہیں ایک ہزار دینار دیئے اور دیت دی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

محکم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے۔ پاس پہنچ کر سلام کیا۔ سب تو رک گئے لیکن محکم بن جثامہ نے آپس کی پرانی عداوت کی بنا پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا' انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت اتری ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محکم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے محکم بن جثامہ نے مصالحانہ گفتگو کی لیکن عینیہ نے کہا' نہیں نہیں' اللہ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محکم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ

گئے اس امید پر کہ حضورؐ ان کے لئے استغفار کریں لیکن آپؐ نے فرمایا' اللہ تجھے نہ بخشے' یہ یہاں سے سخت نادم وشرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے سات روز بھی نہ گذرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔ حضورؐ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضورؐ نے مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جبکہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان والا تھا' اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ بزار میں یہ واقعہ پورا اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا ہے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا' وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا' مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضورؐ سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپؐ نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کی لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک وشبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو' سنو یہ غنیمت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی لاچار تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے لگے پھرتے تھے۔ آج اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں' تمہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔ اور آیت میں ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ الخ یاد کرو جبکہ تم کم تھے' کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' اسی طرح اس سے پہلے جبکہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے' ایمان چھپائے پھرتے تھے' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے' اللہ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو' وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ

وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ

الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

اپنی جانوں اور مالوں سے راہ اللہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں' اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے ○ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی' اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

مجاہد اور عوام میں فرق: ☆☆ (آیت: ۹۵-۹۶) صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں' تو آپ حضرت زیدؓ کو بلوا کر اسے لکھوا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا آئے اور کہنے لگے 'حضورؐ میں تو نابینا ہوں' معذور ہوں۔ اس پر الفاظ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ام مکتومؓ نے فرمایا تھا' یا رسول اللہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضورؐ کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر تھی۔ اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا' ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور اس کے بعد آپ پر نازل ہوئی' میں آپ کے پہلو میں تھا' اللہ کی قسم وہ بوجھ جو مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ نے عَظِيْمًا تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتومؓ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی' حضرت زیدؓ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقعہ پہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آ کر حضورؐ سے کہنے لگے' ہم دونوں نابینا ہیں۔ کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے' وہ وہ ہیں جو صحت و تندرستی والے ہوں۔ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اسی وحی کے ساتھ جو الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر لیا جیسے اندھے' لنگڑے' لولے اور بیمار' یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔

پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے' وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوئے ہوں' جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر گذری اور یہی ہونا بھی چاہئے بخاری میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو' وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہؓ نے کہا باوجودیکہ وہ مدینے میں مقیم ہیں' آپؐ نے فرمایا' ہاں اس لئے کہ انہیں

عذر نے روک رکھا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے۔

یَا رَاحِلِیْنَ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ لَقَدْ سِرْتُمْ جُسُوْمًا وَّسِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحَا

اِنَّا اَقَمْنَا عَلٰی عُذْرٍ وَّعَنْ قَدَرٍ وَمَنْ اَقَامَ عَلٰی عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

''یعنی اے اللہ کے گھر کے حج کو جانے والو! اگر تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو ہماری جسمانی کمزوری اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں''

پھر فرماتا ہے' ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات' ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے' اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے' جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں۔ اور حدیث میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے' اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں' پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے' یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے O پہنچنے کی۔ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں' جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم O

بے معنی عذر مسترد ہوں گے۔ ہجرت اور نیت: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۸) محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود فرماتے ہیں' اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملا اور اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو حضرت ابن عباسؓ سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضورؐ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے

ہاں قبول نہیں ہوتا۔

اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جبکہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے ان کے لئے استغفار کرنے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہ تھا کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اتری وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکے میں ہی۔ ان میں علی ابن امیہ بن خلف اور ابو قیس بن ولید بن مغیرہ اور ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں' ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکے میں رہ گئے۔ پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے۔ ان میں سے بعض میدان جنگ میں کام بھی آ گئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے' وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے' ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے' جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابو داؤد میں ہے' جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے' انہی کے ساتھ رہے سہے' وہ بھی انہی جیسا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباسؓ عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی' حضرت عباسؓ نے کہا' یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا' عباس تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے' سنو اللہ فرماتا ہے' پھر آپؐ نے یہی تلاوت فرمائی یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہو گی' ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور اگر کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگذر فرما لے گا۔ "عسیٰ" کا کلمہ اللہ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ درگذر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ عیاش ابو ربیعہ کو' سلمہ بن ہشام کو' ولید بن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسی حضرت یوسفؑ کے زمانے میں آئی تھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی' اے اللہ ولید بن ولید کو' عیاش بن ابو ربیعہ کو' سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی' کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔ ابن جریر میں ہے' حضورؐ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں میں بھی ہیں جیسے کہ پہلے گذرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ہمیں اللہ نے معذور رکھا۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگذر کرے' اللہ درگذر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے ○ جو کوئی راہ اللہ میں وطن کو چھوڑے گا' وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا' پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

(آیت:۹۹-۱۰۰) ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ راہ اللہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو۔ وہ جہاں جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ بہ آرام وہاں اقامت کر سکے گا' مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں' مجاہدؒ فرماتے ہیں' وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا۔ امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے' دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا' گمراہی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تونگری سے بدل جائے گی۔ پھر فرماتا ہے' جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا' پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی' اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا' حضورؐ فرماتے ہیں ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف ہو' اس کی ہجرت اللہ کی رضامندی اور رسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی۔ یہ حدیث عام ہے۔ ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کئے تھے' پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے۔ پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا' راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو' اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے' پھر زمین کو اللہ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے' جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ کی ہجرت کی نیت سے نکلا' پھر آپؐ نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی'

بیچ کی انگلی اور انگھوٹھے کو ملا کر کہا۔ پھر فرمایا' کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ لیا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ حضورؐ نے استعمال کیا' واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ سے پہلے کسی عربی کی زبانی نہیں سنا اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا' وہ جگہ کا مستحق ہو گیا' حضرت خالد بن خرامؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کی بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں' میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا میں ان کا یعنی حضرت خالدؓ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکے کا ہے اور آیت مدینے میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی ضمرہ جن کی آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا' جب وہ آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ الخ' سنتے ہیں تو کہتے ہیں' میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں' مجھے ہجرت کرنی چاہئے چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضورؐ کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آ گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا' صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر' پس وہ اللہ کی ضمانت میں ہے۔ یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا۔ اجر و غنیمت اور اللہ کا فضل لے کر اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے' وہ شہید ہے۔ ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔

ابو یعلی میں ہے' جو شخص حج کے لئے نکلا' پھر مر گیا' قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں' اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے' البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

صلوٰۃ قصر؟ ☆☆ (آیت: ۱۰۱) فرمان الٰہی ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو۔ یہی الفاظ سفر کے لئے سورۂ مزمل میں بھی آئے ہیں۔ تو تم

پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں' یہ کمی یا تو کمیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت جیسے کہ جمہور نے اس آیت سے سمجھا ہے' گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج وعمرے کے لئے یا طلب وزیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمرؓ عطاؒ یحییٰؒ اور ایک روایت کی رو سے امام مالکؒ کا یہی قول ہے کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لئے ہے جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز ہے سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا ہے' اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ابو حنیفہؒ ثوریؒ اور داؤدؒ کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے۔ آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا' اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ ہجرت کے بعد سفر مسلمانوں کے سب کے سب خوف والے ہی ہوتے تھے۔ قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق بہ اعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے' اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کرنا چاہیں اور جیسے فرمایا' ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں' جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی حکم وہی ہے یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں یہ قید موجود ہے۔ پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے' اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہو تاہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' بالکل صحیح روایت ہے۔ ابو حنظلہ حذاء نے حضرت عمرؓ سے سفر کی نماز کا پوچھا تو آپ نے فرمایا' دو رکعتیں ہیں' انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعتیں ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی (ابن ابی شیبہ)۔

ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا' آسمان سے تو یہ رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں (نسائی وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ مدینہ سے مکے کی طرف چلے بجز اللہ کے خوف کے سوا کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ برابر دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی

حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دو رکعتیں آپ پڑھتے رہے اور مکے میں اس سفر میں آپ نے دس روز قیام کیا تھا۔ مسند احمد میں حضرت حارثہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعتیں پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پرامن تھے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا' تو آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ الخ' پڑھ کر فرمایا' میں نے تو حضورؐ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی اور عمر فاروقؓ کے ساتھ بھی۔ کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعات آئیں' پس یہ حدیثیں کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعتوں کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن واطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرأت' رکوع سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاکؒ مجاہدؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے' اس کی ایک دلیل امام مالکؒ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز دو دو رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں رہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں' پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعتیں تھی تو پھر اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعتوں کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتاً اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی روایت سے ہے کہ بہ زبان نبی ﷺ سفر کی دو رکعتیں ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ یہی پوری نماز ہے۔ قصر والی نہیں۔ یہ حدیث نسائی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔ اس کی سند بہ شرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمرؓ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحتاً موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے ان شاءاللہ۔ گو بعض محدثین سننے پر فیصلہ دینے کے قائل نہیں لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک ثقہ سے اور ان کا حضرت عمرؓ سے سننا مروی ہے' اور ابن ماجہ میں ان کا کعب ابن عجرہ سے روایت کرنا اور ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا بھی مروی ہے فاللہ اعلم۔

مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ قیام میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی' اسی طرح سفر میں بھی اور اس روایت میں اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں جو اوپر گذری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں ہی فرض کی تھیں گویا مسافات سے مشروط ہیں۔ اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں اور یہی حضرت عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھو تو بھی۔ پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی۔ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سے مُّهِيْنًا تک لکھ کر شروع کیا

ہے۔ضحاکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کے وقت ہے۔انسان اپنی سواری پر نماز دو تکبیریں پڑھ لے۔اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف صحیح ہے۔سدیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعتیں پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے البتہ یہ کسی سنگین خوف کے بغیر حلال نہیں۔مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس آیت سے مراد وہ دن ہے جبکہ حضورؐ مع اپنے صحابہ کرام کے عسفان میں تھے اور مشرک ضجنان میں تھے۔ایک دوسرے سے برسر پیکار بالکل تیار' ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔حضورؐ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔پھر مشرکین نے سامان واسباب کو لوٹ لینے کا اردہ کیا' ابن جریرؒ اسے مجاہدؒ اور سدیؒ اور جابرؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔

حضرت خالد بن اسید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں' صلوٰۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں' ہم نے اپنے نبی ﷺ کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔

خیال فرمایئے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا۔اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے فعل رسولؐ کو سند بتایا۔اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماک آپ سے صلوٰۃ پوچھتے ہیں' آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے۔قصر نہیں' قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھاتا ہے۔دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔پھر یہ چلے گئے۔وہ آ گئے۔ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعتیں ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو۔پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی' وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافر چاہتے ہیں

کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں' ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بہ سبب بیمار ہو جانے کے' اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○

صلوٰۃ خوف کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱۰۲) نماز خوف کی کئی قسمیں' مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے' نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب اور فجر کی دو' صلوٰۃ سفر' کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے۔ کبھی لشکر اس طرح باہم گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز با جماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلے کی طرف اور غیر قبلہ کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں ان پر برابر حملے کرتے جائیں اور نماز بھی ادا کرتے جائیں' ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز کا علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطا' جابر' حسن' مجاہد' حکم' قتادہ' حماد' طاؤس' ضحاک' محمد بن نصر' مروزی' ابن حزم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی فتویٰ ہے' صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحٰق بن راہویہؒ فرماتے ہیں۔ ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے۔ ارشاد ہے ادا کر لے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے' یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ' عبداللہ بن عمرؓ' کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سدیؒ بھی فرماتے ہیں لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے' اس کے بیان کرنے والے اسے پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہویہؒ کا مذہب ہے۔ امیر عبدالوہابؒ بن بخت مکی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی کر لے۔ واللہ اعلم۔ (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نظر سے نہیں گذری۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر' عصر کی نماز پڑھی تھی۔ پھر مغرب عشاء' پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا' انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو کہا حضورؐ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضورؐ سے ہوا تو آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی۔ گو دوسری جماعت بھی معذور تھی' مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقعہ پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو موخر کر دیا' دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کے خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں' صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت'

نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔

ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی نے مروی کیا ہے لیکن صحیح بخاری کے باب اَلصَّلٰوۃُ عِنْدَ مُنَا ھَضَةِ الْحُصُوْنِ الخ' میں ہے کہ اوزاعی فرماتے ہیں' اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز باجماعت کا امکان نہ ہو تو ہر ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے۔ یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن ہو جائے اس وقت دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جبکہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحولؒ کا فرمان بھی یہی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت گھمسان کا رن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا' اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی' اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰؓ تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں' اس نماز کے متبادل ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاریؒ اس کے بعد جنگ خندق میں حضورؐ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضورؐ کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔[1] گویا امام ہمام حضرت امام بخاریؒ اسی سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قرب فتح کے موقع پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ والا فتح ستر کا واقعہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کا ہے اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابیؓ نے اس پر اعتراض کیا ہو اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں اس لئے کہ یہ آیتیں غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علماء سیر و مغازی کا اتفاق ہے۔ محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ واقدی' محمد بن سعد' کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ رحمہم اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔

ہاں امام بخاریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بہ سبب حدیث ابو موسیٰ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے۔ واللہ اعلم لیکن سب سے زیادہ تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابو یوسف مزنی ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوہ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے اس لئے کہ غزوہ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی حدیثیں ثابت ہیں۔ اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ خوف کے باوجود تاخیر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں حکم ہوتا ہے کہ جب تو انہیں باجماعت نماز پڑھائے۔ یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت ہے اور وہ بھی الگ الگ' پیدل' سوار' قبلے کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے جس طرح ممکن ہو جیسے کہ حدیث گذر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو صرف ایک رکعت جائز نہ کی جاتی۔ بعض نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الخ یعنی تو ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر- تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے- تو ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے- لیکن یہ استدلال ان کا بے معنی تھا- اسی لئے صحابہؓ نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی- آیئے ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا نشان نزول بیان کر دیں-

ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں' ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ پھر سال بھر تک کوئی حکم نہ آیا- پھر جبکہ آپؐ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا- کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک حملہ ان پر کر دیتے- اس پر بعض مشرکین نے کہا' یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا' اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد اِنْ خِفْتُمْ والی پوری دو آیتوں تک نازل فرما دیں اور کافر نا کام رہے' خود اللہ تعالیٰ وقدوس نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی- گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے' خالد بن ولید اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے- یہ لوگ ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے تھے- جب ہم نے قبلہ رخ ظہر کی نماز ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے' افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا- وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے' ادھر ہم ان پر دفعتاً دھاوا بول دیتے- پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا' خیر کوئی بات نہیں- اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے- اس وقت سہی- پس ظہر' عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ اتاری چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا' ہم نے ہتھیار سجا لئے اور اپنی دو صفیں کر کے حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے- قیام میں' رکوع میں' قومہ میں' سب کے سب ساتھ رہے- جب آپؐ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپؐ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے- پھر قیام' رکوع اور قومہ سب نے حضور کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا اور جب آپ سجدے میں گئے تو صف اول آپ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے- جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا- صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپؐ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں- یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے- اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں- بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے- ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری نے

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا' نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا' قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا' ہم اس کی طرف چلے۔ وادی نخل میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا' کیا آپ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں' اس نے کہا' آپ کو مجھ سے اس وقت کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ مجھے تجھ سے بچا لے گا' پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا۔ جو آپ کے متصل تھے' وہ دو رکعتیں آپ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضورؐ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضورؐ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔

مسند احمد میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا' یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا۔ اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ جب آپؐ نے اللہ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ رحم کیجئے آپؐ نے فرمایا' کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسولؐ ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں۔ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپؐ سے برسر پیکار ہوں' آپؐ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضورؐ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعتیں ہیں کیا یہ قصر کی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا' یہ پوری نماز ہے' قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے' پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے سلام کے ساتھ آپ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضورؐ کی دو رکعتیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک جماعت آپؐ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپؐ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بہ روایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہؓ نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا اور اسی طرح ابن جریر نے بھی' ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں ان شاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں' اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلف و بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے ○ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے ○

صلوٰۃ خوف کے بعد کثرت ذکر: ☆☆ (آیت:۱۰۳-۱۰۴) جناب باری غز اسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو' گو ذکر اللہ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے۔ نماز میں تخفیف کر دی' پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا' جانا اور آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا' جیسے حرمت مہینوں کے متعلق فرمایا' ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو' گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع وخضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرعی بجا لاؤ' نماز پڑھنا وقت مقررہ میں منجانب اللہ فرض عین ہے جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا' پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے' دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو' چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو' اگر قتل وزخم ونقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ الخ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہیں لیکن بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات الٰہی سے وہ امیدیں اور وہ آسرے ہیں جو انہیں نہیں' تمہیں اجر وثواب بھی ملے گا۔ تمہاری نصرت وتائید بھی ہوگی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے' نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلنے والا' پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ و دو چاہئے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہئے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہئے تمہارے دلوں میں اللہ کے کلمے کو قائم کرنے' مضبوط کرنے' پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقرر کرتا ہے' جو فیصلہ کرتا ہے' جو جاری کرتا ہے' جو شرع مقرر کرتا ہے' جو کام کرتا ہے' سب میں پوری خبر کا مالک صحیح اور سچے علم والا اور ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے' ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف وحمد وہی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے' خیانت کرنے

والوں کا حمایتی نہ بن ○ اللہ سے بخشش مانگتا رہ بیشک اللہ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا ○

حقیقت چھپ نہیں سکتی: ☆☆ (آیت:۱۰۵-۱۰۷) اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم جو آپ پر اللہ نے اتارا ہے وہ سراسر اور ابتداء تا انتہا حق ہے۔ اس کی خبریں بھی برحق اس کے فرمان بھی حق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے۔ بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار تھا اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ باہر آئے اور فرمانے لگے سنو میں ایک انسان ہوں۔ جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس جس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور فی الواقع وہ حقدار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے۔ اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضورؐ کے پاس اپنا قضیہ لائے واقعہ کو زمانہ گذر چکا تھا۔ شاہد گواہ کوئی نہ تھا تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا۔ اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں حضورؐ نے فرمایا اب تم جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو۔ پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دو۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی مجھ پر نازل شدہ نہیں ہوتی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ وہاں ایک شخص کی ایک چادر کسی نے چرا لی اور اس چوری کا گمان طعمہ بن ابیرق کی طرف تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا۔ چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بےخبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے۔ تم رات کو حضورؐ کے پاس جاؤ اور آپ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں۔ چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے۔ پس آپؐ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے آپؐ نے ایسا ہی کیا اس پر یہ آیتیں اتریں اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضورؐ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں یَسْتَخْفُوْنَ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا جو برائی اور بدی کا کام کرے اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں اور چور کے اور اس کے حمایتیوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور ناکردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے لیکن یہ سیاق غریب ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنوابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے' وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں' اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے' ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ○

(آیت:۱۰۸-۱۰۹) یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس میں بشر' بشیر' اور مبشر تھے۔ بشیر ایک منافق شخص تھا۔ اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے کر پڑھا کرتا تھا۔ اصحاب رسولؐ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں' ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے' باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے' میرے چچا رفاعہ یزید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بورا میدہ کا خریدا اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا جہاں ہتھیار' زرہیں' تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں۔ رات کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی چرا لے گئے' صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا' اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں' اس سے پہلے جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے' ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں۔ وہ ایک دیانتدار سچا مسلمان شخص تھا' حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے' یا تو تم میری چوری ثابت کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ان لوگوں نے ان کی برأت کی اور معافی چاہ لی۔ وہ چلے گئے' ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے' میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر تو کرو' میں نے جا کر حضورؐ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے۔ غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں' حضورؐ نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا' یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپؐ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہؓ تھا۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو ظلم ہو رہا ہے' بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں۔ انہیں قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا چور کہتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ' پھر جب میں خدمت نبویؐ میں پہنچا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا' یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمے چوری چپکاتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپؐ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا جسے سن کر انہوں نے کہا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں' ان کا جانا تھا جو حضورؐ پر وحی میں یہ آیتیں اتریں۔ پس خائنین سے مراد بنو ابیرق ہیں' آپؐ کو استغفار کا حکم ہوا۔ یہی آپؐ نے حضرت قتادہؓ کو فرمایا تھا۔ پھر ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ انہیں بخش دے گا۔

پھر فرمایا ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے' اَجْرًا عَظِيمًا تک۔ یعنی انہوں نے جو حضرت لبیدؓ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں' جب یہ آیتیں اتریں تو حضورؐ نے بنو ابریق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا یہ بیچارے بوڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے' بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ کے نام خیرات کر دو' میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے بَعِيدًا تک نازل ہوئیں اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی' ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا' تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے۔ میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی' یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔ ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ جو اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں' بھلا ان سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے' پھر انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔

پھر فرماتا ہے' مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں' جو ظاہر داری پر فیصلے کرتے ہیں' تم نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے' تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلنے کی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا' مہربانی کرنے والا پائے گا ○ جو گناہ کرتا ہے' اس کا بوجھ اسی پر ہے' اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے ○ جو شخص کوئی خطا یا گناہ کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے' اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا ○

سچی توبہ کبھی مسترد نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۲) اللہ تعالیٰ اپنا کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے' اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے' رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے' چاہے وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتروا ڈالیں۔ اللہ نے اس امت پر آسانی کر دی۔ پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی

پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی رکھی۔

ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپؓ نے اسے بلایا اور آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی' حضورؐ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے' پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے پھر آپؐ نے یہ آیت اور آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً الخ' کی تلاوت کی۔ اس حدیث کا پورا بیان ہم نے مسند ابوبکرؓ میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورہ آل عمران کی تفسیر میں بھی گذرا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے' ایک مرتبہ آپؐ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے اٹھے۔ ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ آپؐ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا' پھر آپ نے آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَبِہٖ الخ'[2] یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے گا اتر چکی تھی اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہ پریشان تھے' میں نے کہا رسول اللہ گو کسی نے زنا کیا ہو؟ چوری کی ہو؟ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں' میں نے دوبارہ پوچھا آپ نے کہا ہاں' میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں گو ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرمایا' گناہ کرنے والا اپنا ہی برا کرتا ہے' جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ بٹائے' اللہ کا علم' اللہ کی حکمت اللہ کا عدل رحمت کے خلاف ہے کہ ایک گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود برا کام کر کے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جیسے بنوابیرق نے لبید کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ شخص کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے' آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے' جو بھی ایسا کرے وہ اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ

تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے ○

(آیت:۱۱۳) اس کے بعد کی آیت وَلَوْ لَا الخ' کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضورؐ کے سامنے برات اور ان کی پاکدامنی کا اظہار کر کے حضورؐ کو اصلیت سے دور رکھنے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرف داری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکم سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے' ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے پوری سورت تک۔ اور آیت میں ہے وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ الخ' اسی لئے یہاں بھی فرمایا' یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے' جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے ○ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے' ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی ○

اچھے کاموں کی دعوت اور برے کاموں سے روکنے کے علاوہ تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں! ☆☆ (آیت:۱۱۴-۱۱۵) لوگوں کے اکثر کلام بے معنی ہوتے ہیں سوائے ان کے جن کی باتیں خیرات کرنے کی' اچھائی کی اور لوگوں میں میل ملاپ کی ہوں' حضرت سفیان ثوریؒ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں۔ ان میں سعید بن حسانؒ بھی ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں سعیدؒ تم نے ام صالحؒ کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی' آج اسے پھر سناؤ' آپ سند بیان کر کے فرماتے ہیں' حضورؐ نے فرمایا' انسان کی تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے' حضرت سفیان نے کہا' یہی مضمون اس آیت میں ہے' یہی مضمون آیت يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ الخ' میں ہے۔ یہی مضمون سورۂ والعصر میں ہے۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھی بات کہے یا ادھر سے ادھر کہے یا قسم وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں' میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے' جہاد کی ترغیب میں' لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور میاں بیوی کو ملانے کی صورت میں' یہ مائی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے' کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزہ نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے' لوگوں نے خواہش کی تو آپؐ نے

فرمایا' وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے' فرماتے ہیں' اور آپس کا فساد نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (ابوداؤد وغیرہ) بزار میں ہے' حضورؐ نے حضرت ابو ایوبؓ سے فرمایا آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں' لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرا دے' جب ایک دوسرے سے رنجیدہ ہوں تو انہیں ملا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے' وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے' شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو' فرمان رسولؐ کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو۔ حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو' دلیل دیکھ لی ہو' پھر بھی مخالفت رسولؐ کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے وہی غلط راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنا دراصل رسول سے مخالفت کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے' کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہے جس میں انہیں اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث اصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے' بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دور از آیت بھی بتلایا ہے۔ غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ میاں بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ اور فَلَمَّا زَاغُوْٓا اور نذرھم یعنی ہم ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں' ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں' بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے' جیسے فرمان ہے' ظالموں کو مع ان کے ساتھیوں کے قبروں سے اٹھائیں گے' اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لے گا کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اسے تو اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے۔ ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ○ یہ تو اللہ کو چھوڑ صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں ○ جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا ○

مشرک کی پہچان اور ان کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۸) اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں' حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے' قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی دور ہو جاتی ہے اور وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ

عورت ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اِنثًا سے مراد بت ہیں- یہ قول اور بھی مفسرین کا ہے- ضحاکؒ کا قول ہے کہ مشرک فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے- پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ کی لڑکیاں ہیں-

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں- سنو جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا ○ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا' شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں' وہ سراسر فریب کاریاں ہیں ○ یہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا ○ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں' ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے- یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے- کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟ ○

یہ تفسیر آیت اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ الخ' کے مضمون سے خوب ملتی ہے جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری؟ اور آیت میں ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا الخ' [3] ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں نسب نکالے ہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد مردے ہیں- حسنؒ فرماتے ہیں' ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو لیکن یہ قول غریب ہے-

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ سجھاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں' جیسے فرمان ہے اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ الخ' اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے' شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور اپنی بارگاہ سے نکال باہر کر دیا ہے' اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکائے گا' قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا- ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہوگا' شیطان نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے

بہکاؤں گا اور انہیں امید دلاتا رہوں گا کہ یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے' خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ موت کو بھول بیٹھیں گے' نفس پروری اور آخرت سے غافل پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر یا سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا' جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت وارد ہوئی ہے' ابن مسعود سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں اور دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر جو حسن وخوبصورتی کے لئے اللہ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں' اللہ کی لعنت ہے' میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھی' بعض اور مفسرین کرامؒ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے جیسے اور آیت میں ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یکطرفہ دین کا رخ اختیار کرنا' یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں' اس سے پچھلے (آخری) جملے کو جب گرامر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے' اسی پر رہنے دو۔

صحیحین میں ہے' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے' جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیونکہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے' چنانچہ شیطان قیامت کے دن صاف کہے گا اللہ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے؟ اب مجھے کیوں کوستے ہو؟ اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخرش جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہے۔

ان بدبختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے میری تابعداری کرنے والے ہیں' میرے احکام پر عمل کرتے ہیں' میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں' میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا' انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جس میں زوال' کمی یا نقصان بھی نہیں ہے' اللہ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو گی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے' سب سے زیادہ سچی بات اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے۔ جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے ○ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا ○ باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کر رہا ہو ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے ○

مصائب گناہوں کا کفارہ : ☆☆ (آیت:۱۲۳-۱۲۶) حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا' اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبیؑ تمہارے نبیؑ سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے' اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم ہی جنتی ہیں' یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت و حقانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو۔ نہ تمہاری خواہشیں اور نرے دعوے کوئی وقعت رکھیں نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں نجات کا مدار ہیں بلکہ وقار و نجات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسولوں کی تابعداری میں ہے' برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے خمیازے سے چھوٹ جائیں بلکہ رتی رتی بھلائی اور برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔ یہ آیت صحابہؓ پر بہت گراں گذری تھی اور حضرت صدیقؓ نے کہا تھا کہ حضورؐ اب نجات کیسے ہوگی؟ جبکہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ ابوبکر یہ سزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے' کبھی تکلیف کی صورت میں' کبھی صدمے اور غم و رنج کی صورت میں اور کبھی بلا و مصیبت کی شکل میں (مسند احمد) اور روایت میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' ہر برائی کرنے والا دنیا

میں بدلہ پالے گا- ابن مردویہ میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام' سے فرمایا دیکھو' جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دی گئی ہے' وہاں تم نہ چلنا' غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہؓ کی نظر ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں' میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا- مجھے اللہ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہو گئیں' ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا- اب تجھے اللہ کوئی عذاب نہ کرے گا- پھر حضرت مجاہدؒ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے' میں نے حضرت ابو بکرؓ سے سنا ہے' وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' جو شخص برائی کرتا ہے' اس کا بدلہ دنیا میں ہی پالیتا ہے- دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن زبیر کو سولی پر دیکھ کر فرمایا' اے ابو حبیب اللہ تجھ پر رحم کرے' میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے' ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری- جب حضورؐ نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیقؓ غم ناک ہو گئے- انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی- آپؐ نے فرمایا' سنو صدیق تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دیئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے- قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے- ہاں اور لوگوں کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی- یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے- اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے-

ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عائشہؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے تو آپؐ نے فرمایا' مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے- اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے' پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے' تھوڑی دیر نہ ملے' پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے- یونہی مصائب دنیا اسے کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے' اس طرح یہ دنیا میں پاک صاف ہو کر اللہ کے پاس جاتا ہے- ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی- مسند احمد میں ہے' جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے' جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں- سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہؓ پر اس آیت کا مضمون گراں گذرا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا' ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو' مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی اور اس سے کم تکلیف بھی- اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ رو رہے تھے اور رنج میں تھے جو حضورؐ نے ان سے یہ فرمایا' ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں- اسے سن کر حضرت کعب بن عجزہؓ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج وعمرہ' جہاد اور نماز باجماعت سے محروم نہ ہوں- ان کی یہ دعا قبول ہوئی- جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا تو بخار چڑھا رہتا- رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد) حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں اسی جیسا اور اسی جتنا لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)-

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد کافر ہیں جیسے اور آیت میں ہے وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یہاں برائی سے مراد شرک ہے۔ یہ شخص اللہ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گذر چکیں۔ واللہ اعلم۔

بدعملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے یا آخرت میں ہوتی ہے' اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگذر کرے اور اپنی پکڑ و ناراضگی سے بچالے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحم سے انہیں قبول کرتا ہے۔ کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایماندار' ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا' اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو' مگر یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند' دین حق اور ہدایت پر چلنے والا' رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا' خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ کی رضامندی مطلوب ہو اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث کے موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے۔ اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے۔ لوگوں کی رضاجوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا' سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری اور شریعت کی مخالفت سے بچا ہوا ہوتا ہے' اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

اعزاز خلیل کیوں اور کیسے ملا: ☆☆ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو یعنی آنحضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کی جو بھی قیامت تک ہوں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ الخ' یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے اور نبی ہوئے۔ اور آیت میں فرمایا ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ' پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرک نہ تھے' حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بیزار اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

پھر حضرت خلیل اللہؑ کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے' اس تک وہ پہنچ گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں۔ محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیمؑ عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے' جیسے فرمان ہے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى یعنی ابراہیم کو جو حکم ملا' وہ اسے بخوشی بجالائے' کبھی اللہ کی مرضی سے منہ نہ موڑا۔ کبھی عبادت سے نہ اکتائے۔ کوئی چیز انہیں اللہ کی عبادت سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ الخ' جب جب جس جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی وہ پورے اترے۔ جو جو اللہ نے

فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذؓ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا لَقَدْ قَرَّتَ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا۔ خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تا کہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کے لے چلے اللہ کی قدرت سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے۔ تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا' آٹا گوندھا' روٹیاں پکائیں' جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے آٹا کہاں سے آیا جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا' آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت حد درجہ کی تھی۔ کامل اطاعت شعاری اور فرمانبرداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا' نبی ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا' لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر بن ابوقحافہ کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی اللہ کے خلیل ہیں' (بخاری و مسلم) اور روایت میں ہے اللہ نے جس طرح ابراہیمؑ کو خلیل بنا لیا تھا' اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ اصحابؓ رسول آپؐ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر تذکرے کر رہے تھے' ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا' اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰؑ سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ تو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ ایک نے کہا آدم صفی اللہ اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ حضورؐ جب باہر تشریف لائے۔ سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بے شک تمہارا قول صحیح ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد ﷺ ہیں' سنو میں حقیقت بیان کرتا ہوں۔ کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ حبیب اللہ ہوں میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا ہوں۔ اللہ میرے لئے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے۔ قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام و عزت والا ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور سچائی کے معلوم کرانے کے لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں' یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض کے شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمدؐ کے لئے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین (مستدرک حاکم) اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ' تابعینؒ اور سلف و خلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے' گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے' پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں۔ مجھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتائیے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں۔ میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گذاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا۔ وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا' کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا' ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا' اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔

اور روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ نے ملقب کیا تب سے تو ان کے دل میں اس قدر اللہ کا خوف اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کے پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان ﷺ کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت اللہ کا خوف آپ پر غالب آ جاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے' اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کے کھولنے کی آواز ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کے شرک اور مدد کے کر گذرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے' وہ عظمتوں اور قدرتوں والا' وہ عدل و حکمت والا' وہ لطف و رحم والا' واحد و صمد اللہ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے' مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں' ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگذاری انصاف کے ساتھ کرو' تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے ○

یتیموں کے مربیوں کی گوشمالی اور منصفانہ احکام: ☆☆ (آیت:۱۲۷) صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی وارث وہی ہو' مال میں شریک ہو گیا ہو' اب چاہتا یہ ہو کہ اس

یتیم سے میں نکاح کرلوں' اس بنا پر اور جگہ کی شادی روکتا ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضورؐ سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَيَسْتَفْتُوْنَكَ الخ' نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اس سے مراد پہلی آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى الخ ہے۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا' ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے' اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے' اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے' اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ جب یہ دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے' وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا' اس کا نکاح روکتا ہے تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا والی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کرے۔ اگر وہ خوش شکل اور مالدار ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا۔ وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضہ میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے ختم کر دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے' حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تو تمہیں چاہئے کہ خیر کے کام کرو۔ حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ
تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں' صلح بہت بہتر چیز ہے' طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے' اگر تم اچھا سلوک اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے ○ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرو۔ پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے ○

میاں بیوی میں صلح وخیر کا اصول: ☆☆ (آیت: ۱۲۸-۱۳۰) اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے۔ کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضورؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں' وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں' حضورؐ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور حضرت عائشہؓ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضورؐ انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہؓ سے پوری محبت ہے۔ اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب کہ حضورؐ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی' ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گذارتے۔ پھر حضرت سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گذرا (ابوداؤد) معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت سودہؓ کو طلاق کی خبر بھجوائی۔ یہ حضرت عائشہؓ کے ہاں جا بیٹھیں' جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں' آپ کو اس اللہ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا' آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے۔ میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپؐ نے یہ منظور فرما لیا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر' تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے

ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں' اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے' اولاد نہیں ہوتی' اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں' جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ نہ دے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے۔ میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں' بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا' آپ مجھے طلاق تو نہ دیجئے ہاں جو آپ چاہیں فیصلہ کریں' مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو' اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے' اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آ کر طلاق طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے دوبارہ طلاق دے دی۔ پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح منظور ہے چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔

اس جملے کا کہ صلح خیر ہے' ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے' یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے جیسے کہ خود نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ آپؐ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ خدا کے نزدیک صلح' افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرما دیا کہ صلح خیر ہے۔ بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے' تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا' باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت' چاہت' شہوت' جماع وغیرہ میں برابری

کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ملیکہؒ فرماتے ہیں' یہ بات حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' حضورؐ انہیں بہت چاہتے تھے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے' الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو' وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں' نہ تو اسے طلاق ہی دو' جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا[1] (احمد وغیرہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کی درمیان عدل وانصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ گو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے۔ وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔ تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۸

زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے ○ اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے' اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ○ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے' اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ○

مانگو تو صرف اللہ اعلیٰ واکبر سے مانگو: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۴) اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ زمین وآسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔

فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو۔ اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے اور اگر تم کفر کرو (تو خدا کا کیا بگاڑو گے؟) وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور لائق ستائش ہے۔ اور جگہ فرمایا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا۔ اللہ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ کے نزدیک کس قدر رذیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ کے قبضے میں ہیں۔ تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور تجھے بے پرواہ کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا۔ اور جگہ فرمایا بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ ہے جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ الخ جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں جتنا چاہیں دنیا میں دے دیں۔

امام ابن جریر نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا انہیں دنیا چاہے مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں سے حصہ مل گیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ کے پاس جو تیاری ہے وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گونا گوں عذاب۔ تو امام صاحبؒ مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا الخ کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ العالمین کے ہاتھ ہے۔ تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو تمہیں دنیا دیتا ہے وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہو گی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بناؤ عالی ہمتی اور بلند پروازی سے وسعت نظری کو کام میں لا کر عیش جاودانی کی کوشش و سعی کرو یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے۔ ہر ہر نفع اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو۔ سعادت و شقاوت اس نے تقسیم کی ہے۔ خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں۔ وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اسے وہی پہچانتا ہے بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے' وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا' اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلوتہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے O

انصاف اور سچی گواہی تقویٰ کی روح ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۵) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں' ایسا نہ ہو کہ ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی سفارش سے عدل وانصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور اللہ کی مخلوق میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ کے لئے گواہ بن جائیں جیسے اور جگہ ہے وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ الخ' یعنی گواہیاں اللہ کی رضا جوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح' صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ انہیں بدلو نہیں' چھپاؤ نہیں' چبا کر نہ بولو' صاف صاف سچی شہادت دو گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گذار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہو گا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو' گو اس شہادت سے رشتے داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ گواہی سچی دے دو اس لئے کہ حق ہر ایک پر غالب ہے' گواہی کے وقت نہ تو نگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔

ان کی مصلحتوں کو اللہ تم سے بہت بہتر جانتا ہے' تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو' دیکھو کسی کے برے میں آ کر خود اپنا برا نہ کر لو' کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل وانصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال' ہر آن عدل کا' انصاف کا مجسمہ بنے رہو' جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کی کھیتیوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا' سنو اللہ کی قسم نبی ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو لیکن باوجود اس کے حضورؐ کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر نا ممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورہ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی یعنی بدل دی' غلط گوئی سے کام لیا' واقعہ کے خلاف گواہی دی' دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے واقعات غلط پیش کر دیئے یا کچھ چھپا لیا' کچھ بیان کیا تو یاد رکھو اللہ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی۔

وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے، حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے، بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ، جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے، وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ○

ایمان کی تکمیل مکمل اطاعت میں مضمر ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۶) ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں تمام احکام کو، کل شریعت کو، ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں، یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو۔ اللہ کو مانا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ، مدام رکھ، اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھاتا رہ، اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسولؐ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں، سب ہیں۔ قرآن کے لئے لفظ ''نَزَّلَ'' بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے اَنْزَلَ اس لئے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور باقی کتابیں پوری پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ، اس کے فرشتوں کے ساتھ، اس کی کتابوں کے ساتھ، اس کے رسولوں کے ساتھ، آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے، وہ راہ ہدایت سے بہک گیا اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا، گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا' پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا' پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے' اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سجھائے گا○ منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے○ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے○

صحبت بد سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۳۷-۱۳۹) ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے' پھر وہ مومن ہو کر کافر بن جائے' پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے' نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا امکان نہ اس کا چھٹکارا' نہ فلاح' نہ اللہ اسے بخشے' نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے' مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔

پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں' ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں اور کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں' ہم تو انہیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصود اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو ان کے پاس تمہاری عزت ہو' یہ تمہیں دھوکا ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ بگوش ہوش سنو۔ عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ الخ' اور فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الخ' یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کا حق ہے لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو خدا کے نیک بندوں کے ساتھ مل جاؤ۔ اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری سے عزت کے خواہاں بنو' دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزیز بنا دے گا۔

مسند احمد میں امام حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے جوڑے اور نو تک پہنچ جائے' وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝

اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے' مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے○

کفر کی مجالس میں بیٹھنا نہیں چاہیے: ☆☆ (آیت:۱۴۰) پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور انہیں مذاق میں اڑایا جا رہا ہو' اس میں نہ بیٹھو پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی

ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔

ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دسترخوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہئے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ الخ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو تو ان سے منہ موڑ لے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ○ سے منسوخ ہو گیا ہے یعنی متقیوں پر ان کے احسان کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے وہاں کے سخت تر دل ہلا دینے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں، وہاں کی قید و بند میں، طوق و زنجیر میں، گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ کے لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

اِلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ۖ وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۭ فَاللہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۧ﴿۱۴۱﴾

ع ۷ / ۱۷

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟ اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا، پس قیامت کے دن خود اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا○

عمل میں صفر، دعویٰ میں اصلی مسلمان: ☆☆ (آیت:۱۴۱) منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی، ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، ٹوہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے، اللہ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں، کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے۔ یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پالی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں ''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا'' گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک رہتا ہے؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟

وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے' اپنی بیوقوفی پر ہاتھ ملیں گے' اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے' اللہ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے' بھرم کھل جائے گا' چھپا کھلا ہو جائے گا' راز فاش ہو جائے گا' اندر کا باہر آ جائے گا' یہ پالیسی اور حکمت عملی' یہ مصلحت وقت اور مقتضائے موقعہ نہایت ڈراونی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے' ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان خداوندی ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا الخ ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں مسلمانوں کو ذلت اور بربادی کا شکار دیکھنے کا جو انتظار تھا' مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کر دے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے' اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔ اسی مطلب کی وضاحت آیت فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ الخ' میں کر دی ہے۔ اس آیہ کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔ جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے' ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملک سے اس کو اسی وقت آزاد کر دے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾

بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں' وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں' صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں ○ اور یاد اللہ تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○

دو ریوڑ کے درمیان کی بکری: ☆☆ (آیت:۱۴۳) سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ الخ' اسی مضمون کی گذر چکی ہے' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس اللہ کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں

کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہوسکتیں۔ اللہ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے' وہ ڈھیل دیتا ہے' بڑھوتری دیتا ہے' یہ پھولے نہیں سماتے' خوش ہوتے ہیں اور اپنے لئے اسے اچھائی سمجھتے ہیں' قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے۔ وہ آگے نکل جائیں گے' یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں' جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ' اور روشنی تلاش کر لاؤ' یہ مڑیں گے' ادھر حجاب حائل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کے لئے زحمت' حدیث شریف میں ہے جو سنائے گا اللہ بھی اسے سنائے گا اور جو ریا کاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ' فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے' اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں نماز جیسی بہترین عبادت میں بھی یکسوئی اور خشوع وخضوع نہیں نصیب ہوتا کیونکہ نیک نیتی' حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے نمازی کو چاہئے کہ ذوق وشوق سے' راضی خوشی' پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ کے کان ہیں اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تیار ہے' یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگ دلی کے ساتھ بطور بیگار ٹالنے کے نماز کے لئے آئے۔ پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں' رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نمازی مشہور ہونے کے لئے' لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نماز پڑھ رہے ہیں' بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز۔

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے' اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آنا پڑتا یہ ضرور آ جاتے۔ میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے اردگرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو۔ ایک روایت میں ہے اللہ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں۔ اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں' مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔

ابو یعلی میں ہے' حضور فرماتے ہیں' جو شخص لوگوں کی موجودگی میں نماز کو سنوار کر ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی۔ پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا' یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' یہ نماز منافق کی ہے' یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے اردگرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھ لیں جن میں اللہ کا ذکر برائے نام ہی کیا (مسلم وغیرہ)۔

یہ منافق متحیر اور ششدر و پریشاں حال ہیں' ایمان اور کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے' نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ' کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے۔ کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان

سے الگ تھلگ ہو گئے، نہ تو حضورؐ کے صحابہ کی طرف ہیں نہ یہودیوں کی جانب۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسی دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کہ کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ ان میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی معنی کی حدیث حضرت عبید بن عمیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے جس پر حضرت عبیدؓ ناراض ہوئے (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں، دوسرے نے دوسری قسم کے)۔

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے۔ ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا، دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا، تیسرا اترا چلا، جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا ادھر آ، واپس چلا آ، ادھر والے نے آواز دی، آ جاؤ نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرف پہنچ جاؤ۔ آدھا راستہ طے کر چکے ہو اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے، کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں، کدھر نہ جاؤں؟ اتنے میں ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی، غوطے کھا کھا کر مر گیا، پس پار جانے والا مسلمان ہے کنارے کھڑا بلانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے، اور حدیث میں ہے، منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی، پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔ پھر فرمایا جسے اللہ ہی راہ حق سے پھیر دے، اس کا ولی و مرشد کون ہے؟ اس کے گمراہ کردہ کو کون راہ دکھا سکے؟ اللہ نے منافقوں کو ان کی بدترین بدعملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے، اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے، اللہ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے۔ وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو؟ ○ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔ ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے ○ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ○ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذاری کرتے رہو اور باایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے ○
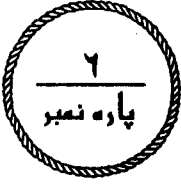
کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۴-۱۴۷) کافروں سے دوستیاں کرنے سے، ان سے دلی محبت

رکھنے سے' ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے' مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ' مومنوں کو چاہئے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہوگا اور پوری دلیل ہوگا اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے' کئی ایک سلف مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے دَرْکَ درجہ کے مقابل کا مظہر ہے' بہشت میں درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند اور دوزخ میں درک ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھنتے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے بالکل بند ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے' جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کم کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں' نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں' پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں' صرف اللہ کی خوشنودی اللہ اور مرضی مولیٰ کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں' ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں' اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بیشک اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر دے گا اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی تمہیں کافی ہو جائے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ غنی ہے' بے نیاز ہے' بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا' ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضروری ہے' پس فرمایا۔ اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدر دانی کرنے والا ہے' جو اس کا شکر کرے' وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے' وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے' اور کونسا دل ایمان سے خالی ہے' جو اخلاص اور ایمان والے ہیں' انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا (اللہ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر و ثواب سے نہال کرے۔ آمین)

الحمد للہ! تفسیر محمدی ابن کثیر کا پانچواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے کلام کے سمجھنے سمجھانے کی اور اس پر عامل بن جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! الٰہ تو اس پاک تفسیر کو میرے ہاتھوں ختم کرا اور پوری کتاب چھپی ہوئی مجھے دکھا۔ میرے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا کر نیکیاں ثابت کرا اور اپنے نیک بندوں میں شمار کر' آمین!!!

پارہ نمبر ۶ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِـيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگذر کرو پس یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

مظلوم کو فریاد کا حق ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بددعا کرنی جائز نہیں' ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم پر بددعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر و ضبط کر لے تو افضلیت اسی میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی چیز چور چرا لے گئے تو آپ ان پر بددعا کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟'' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس پر بددعا نہ کرنی چاہئے بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّي مِنْهُ یا اللہ اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے' آپ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ رخصت ہے مظلوم ظالم کو کوسے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزری رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ اور آیت میں ہے وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے جس نے گالیاں دینا شروع کیا۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔ ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے'' صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمانداری نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا'' سنو اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر' ورنہ تم ان سے خود لوازمات میزبانی لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسولؐ ہے کہ'' جو مسلمان کسی اہل قبلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے' ساری رات گذر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس کی نصرت ضروری ہے تاکہ اس میزبان کے مال سے' اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلائیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے'' ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے' اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے' خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے۔'' ان احادیث کی وجہ سے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔ ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے'' ایک شخص سرکار رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہؐ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذا پہنچاتا ہے' آپ نے فرمایا' ایک کام کرو' اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا' اب جو گذرتا وہ پوچھتا' کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں' وہ اسے برا بھلا کہتا' کوئی کہتا رب کی مار اس پڑوسی پر' کوئی کہتا اللہ اسے غارت کرے' جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا۔ منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو۔ اللہ کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یہ ہیں جنہیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا' اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو' تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب' پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ خود وہ بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے' وہ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں'' بعض تو کہتے ہیں'' سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یا اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے قدرت کے باوجود درگذر کرنے والے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کو سزاوار ہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے' صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں' عفو و درگذر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع' فروتنی اور عاجزی اختیار کرے' اللہ اس کا مرتبہ اور توقیر اور بڑھا دیتا ہے۔''

کسی ایک بھی نبی کو نہ ماننا کفر ہے! ☆☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۲) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو ایک نبی کو بھی نہ مانے کافر ہے' یہودی سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے' نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے' سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے' مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زرتشت کو مانتے تھے لیکن ان کی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھا لی۔ واللہ اعلم۔

پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا' کسی سے انکار کر دیا۔ کسی الٰہی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش' جوش' تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کو ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا' جب وہ ایک کو نہیں مانتا تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے' انہیں بھی کسی دنیوی غرض اور ہوا و ہوس کی وجہ سے مانتا ہے۔ پس ان کی شریعت ماننے نہ ماننے کے

درمیان کی ہے۔ یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں' کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں' پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لا کر ان کی توہین کرتے تھے۔ اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور و فکر نہ کر کے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو' خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کر جانا ہو' جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضورؐ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے اور آپ کی مخالفت و عداوت میں آ کر مقابلے پر تل گئے۔ پس اللہ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لئے تیار کر رکھی۔ پھر امت محمدؐ کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی خدائی کتابیں تسلیم کرتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔ پھر ان کے لئے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اس نے تیار کر رکھا ہے' اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گے۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لا دے۔ حضرت موسیٰ سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی' کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی' پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں' انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا' اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی ○

محسوس معجزہ کی مانگ اور بنی اسرائیل کی حجت بازیاں : ☆☆ (آیت:۱۵۳) یہودیوں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے تورات ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے' آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا۔ جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا' جس طرح سورۂ سبحان میں مذکورہ ہے کہ ''جب تک عرب کی سرزمین میں دریاؤں کی ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے' ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے''۔ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے' ان کی اس سرکشی اور بے جا سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کی یہ بدعادت پرانی ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خود دکھائے' اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی۔ جیسے سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ملاحظہ ہو آیت وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً الخ' یعنی ''جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم

صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے' پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا کہ تم شکر کرو۔''

پھر فرماتا ہے کہ ''بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔'' مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام لشکروں کا نامرادی کی موت مرنا' ان کا اس دریا سے بچ کر پار نکل آنا' ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبرؑ سے کہتے ہیں ''ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو۔'' جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طٰہٰ میں بھی' پھر حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں' ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے' اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے' ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰؑ کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾

اور ان کا قول لینے کے لئے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں جاؤ اور یہ بھی فرما دیا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول قرار لئے O

بنی اسرائیل پر عائد پابندیاں: ☆☆ (آیت: ١٥٤) اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو! پہاڑ گرا کر دبا دوں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجا لانے کا مضبوط عہد و پیان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی اور سجدے میں کنکھیوں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں' پھر پہاڑ ہٹایا گیا۔

ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا' حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حطۃ کہیں ''یعنی اے اللہ ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان تیہہ میں سرگشتہ و حیران و پریشان رہے'' لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جانے لگے اور حِنْطَةٌ فِىْ شَعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنئے۔ ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیان ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی' نافرمانی پر کمربستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ الخ' ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصۃ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ!

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' پس یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○ اور ان کے کفر کے باعث اور مریمؑ پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○

اہل کتاب' قاتلان انبیاء عیسیٰ علیہ السلام کی روداد اور مراحل قیامت: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۶) اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون وجلاوطن کر دیئے گئے۔ اولاً تو ان کی عہد شکنی یہ تھی کہ جو وعدے اللہ سے انہوں نے کئے ان پر قائم نہ رہے' دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر' تیسری بے وجہ ناحق انبیاء کرام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں' جیسے مشرکین نے کہا تھا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ یعنی ''اے نبیؐ تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ''ہمارے دل علم کے ظروف ہیں۔ وہ علم وعرفان سے پر ہیں۔'' سورۂ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل وتشریح گذر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمادیا کہ اب ان کے دل کفر وسرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زنا کاری جیسی بدترین شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا شدہ بتلایا' بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریمؑ کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنادی گئی تھی' یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں' بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے ○

بنی اسرائیل کا تمسخر اور بڑ بازی: ☆☆ (آیت:۱۵۷) پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ "ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو مار ڈالا" - جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضورؐ سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے' تو' تو مجنون ہے- پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ' تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی' کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری' پھر بھی انہیں سکھ نہ آیا' اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے- یہ ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے- لوگوں کو بہکا رہا ہے' روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے' امن میں خلل ڈالتا ہے' لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ- بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا' ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے- اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہؑ تھے' آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے' جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا-

جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا' تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں" - اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا' تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی' بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰؑ کی اونگھ کی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے-

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝۱۵۹

کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا- بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے' اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ○

(آیت:۱۵۹) جیسے قرآن کریم میں ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ الخ' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ''اے عیسیٰؑ میں تم سے مکمل تعاون کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔'' حضرت روح اللہؑ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی، عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لئے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا سا راگ الاپنے لگے یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ والدہ عیسیٰؑ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں، واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے، پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسولؐ اور بڑے مرتبے والے پیغمبرؐ کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ ''حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا، نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہہ جس پر ڈالی گئی تھی، اسے عیسیٰؑ ہی سمجھ بیٹھے، جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے، وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے، صرف اٹکل پچو سنی سنائی باتوں کی تقلیدی چال کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں''۔ اسی لئے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ ''یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہؑ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عز اسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آ سکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جس کے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا، اپنے پاس اٹھا لیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا، آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے، آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا ''تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے''۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعض نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے۔ یعقوبیہ، نسطوریہ اور مسلمان، یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا، جب تک چاہا رہا، پھر آسمان پر چڑھ گیا، نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا، جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنے پاس چڑھا لیا اور مسلمان کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسولؑ ہم میں تھا۔ جب تک اللہ نے چاہا، وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا، چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے، حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰؑ پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے، اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں، ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہؑ نے فرمایا ''کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر

چڑھنا منظور کرے‘‘ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے‘ عیسیٰؑ میں تیار ہوں‘ چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا۔ قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا‘ حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسولؑ کو اسی وقت اپنے پاس چڑھا لیا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرا دیا کہ وہ دنیا سے خارج ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی‘ کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا‘ مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا۔ سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے‘ جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے۔ یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا ’’سنو اس رات میں جو کر رہا ہوں‘ اگر تم میں کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا‘‘۔ چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا‘ دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے کا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے‘ یہ اس لئے کہ تم میری اس سنت پر عامل بن جاؤ۔ خبردار تم میں سے کوئی اپنے تئیں اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے‘ بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے۔ جس طرح خود میں نے تمہاری کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ ’’تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ میرا اللہ میری اجل کو موخر کر دے‘‘ چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع و خضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا‘ آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہنے لگے‘ تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا‘ اے رسول اللہؑ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے‘ جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے۔ دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے‘ تو آپ نے فرمایا۔ اچھا پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی‘ غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے پھر فرمایا ’’دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا‘‘ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے۔ ادھر ادھر چلے گئے‘ یہود جو اپنی جستجو میں تھے‘ انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا‘ یہ بھی اس کا ساتھی ہے‘ مگر شمعون نے کہا ’’غلط ہے۔ میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا‘ وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑوایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی۔ اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتلا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم‘ چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتلا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے۔ اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ جنات کو بھگا دیا کرتے تھے‘ مجنوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے‘ اب کیا بات ہے کہ خود اپنے تئیں نہیں بچا سکتے۔ ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے‘ تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں‘ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا‘ سولی پر چڑھا دیا۔‘‘ پھر سات دن کے بعد حضرت مریمؑ اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰؑ نے جن سے نجات دلوائی

تھی وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰؑ آئے اور ان سے کہا کہ "کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی ازیتیں نہیں پہنچیں ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں" چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے جس حواری نے آپ کو بیچا تھا اسے انہوں نے وہاں نہ پایا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا "اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا"۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے اس کا نام یحییٰ ہے اب یہ تمہارا ساتھی ہے۔ سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا تو اسے چاہئے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان حواس باختہ اور اس قدر رو اویلا کرنے والا نہ ہوگا جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا اے اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے جن کے نام یہ ہیں فرطوس یعقوبس ربدا بجس (یعقوب کا بھائی) اندارابلیس فیلبس ابن یلما منتا طوماس یعقوب بن حلقایا نداوسیس قتابیا لیودس وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنا آپ سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو لیودس وکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں۔ جسے میں جا کر بوسہ دوں تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے جب یہ اندر پہنچتے ہیں اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لئے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یودس زکریا یوطا تھا یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰؑ کی پہچان کرانے کے لئے اس گھر میں داخل ہوا حضرت عیسیٰ تو اٹھا لئے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں میں تو تمہارا ساتھی ہوں میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنے؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا یا وہ تھا جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔" اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ عیسیٰؑ موت سے پہلے یعنی جب آپ قتل دجال کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیمؑ حنیف کی ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں موتہ سے مراد موت عیسیٰ ہے۔[1] ابو مالک

" فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے' اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے - ابن عباسؓ سے اور روایت میں ہے' خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا - حسن بصریؒ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی - آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں - جب آپ زمین پر نازل ہوں گے' اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان لائے - آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا - حضرت قتادہ' حضرت عبدالرحمٰن وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے' ان شاء اللہ العظیم - اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسی کو بادلائل ثابت کریں گے -

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے - اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰؑ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہؑ پر ایمان نہ لائے - حضرت مجاہدؒ کا یہی قول ہے - بلکہ ابن عباسؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں - حضرت ابی کی تو قرات میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ ہے - ابن عباسؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا' پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے - عکرمہؒ' محمد بن سیرینؒ' محمد ضحاکؒ' سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے - ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے -

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرت ﷺ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا - عکرمہؒ یہی فرماتے ہیں - امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اب سب اقوال میں زیادہ ترصحیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے' اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا - فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے - اس لئے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی - اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی کہا ہے' ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے' تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے' نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا - اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھالیا - وہ زندہ ہیں' اب تک باقی ہیں - قیامت کے قریب اتریں گے' جیسے صحیح متواتر حدیثوں میں ہے' مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے - خنزیروں کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے' اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو - پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے - پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں' یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے' یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گذاریں گے' اس میں ان کے سامنے جو کام انہوں نے کئے' وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور اللہ کے سامنے انہیں پیش

کریں گے۔

ہاں ان کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ فرشتہ موت کے آ جانے کے بعد احوال آخرت' سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں' اسی سورت کے شروع میں ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ الخ' اور جگہ فرمان ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ' یعنی جو لوگ موت کے آ جانے تک برائیوں میں مشغول رہے' ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب اللہ دیکھ کر ایمان لائیں' انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے' یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں' اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ پر اور حضرت محمدؐ پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں' اور مسلمان کا وارث کافر ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو' نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے' درندے کے جبڑوں میں' تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں' قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط و تفریط انہوں نے کی ہے' اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا۔ اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے' اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمتہ والرضوان کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں گے' عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا' ایک سجدہ کر لینا' دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت و ان من کی آخر تک تلاوت کی۔

صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہو گا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موتہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ قبل موت عیسی بن مریم پھر اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا تین مرتبہ دوہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضرت عیسیٰ حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں

گے' میدان حج میں' روحاء میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹائیں گے' نماز باجماعت ہو گی اور مال راہ اللہ میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے' روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے"۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہو گا جب تم میں مسیح بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔ ابو داؤد' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں' مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں' یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیانہ قد ہے' سرخ و سفید رنگ ہے' وہ دو گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے' بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہ کریں گے' لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے' ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی' صرف اسلام ہی اسلام رہے گا' ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امانت واقع ہو گی یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ' چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے' انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے' چالیس برس تک ٹھہریں گے' پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے"۔ ابن جریر کی اسی روایت میں ہے' آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے' اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے۔ اور روایت میں ہے "سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں"۔

صحیح مسلم میں ہے "قیامت قائم نہ ہو گی' جب تک رومی اعماق یا والق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا' جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے' جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے' ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے' ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں۔ تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو گی۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہو گا' ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا' جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا' پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے' قسطنطنیہ کو فتح کریں گے' ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر ہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا' اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے' شام میں پہنچیں گے' دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہو گی اور حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ان گے' ان کی امامت کرائیں گے' جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں' جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے"۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں "معراج والی رات میں نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی' آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی' لیکن حضرت عیسیٰ نے

فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے' وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا' اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی' مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے' یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر لے اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے' اب یاجوج ماجوج نکلیں گے' اور ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے' تمام شہروں کو روندیں گے' جس جس چیز پر گذر ہو گا' اسے ہلاک کر دیں گے' جس پانی کے پاس سے گذریں گے' پی جائیں گے' لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی' بدبو پھیل جائے گی' پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو ہو جائے۔ رات کو پیدا ہو یا دن کو؟۔''

مسند احمد میں ہے حضرت ابونضرہؒ فرماتے ہیں' ہم حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہمارا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں' جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا ''غسل کر لو'' پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی' پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ آئے' ہم کھڑے ہو گئے' پھر سب بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے' ایک دونوں سمندر کو ملنے کی جگہ پر' ایک خیرہ میں اور ایک شام میں' پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی' پھر دجال نکلے گا' یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا' وہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے' ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہو گا' دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے' جن کے سروں پر تاج ہوں گے' ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہو گی' یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے' اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا' یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھا لیں گے' جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی۔ اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے' کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے' عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض بعض کے امیر ہیں' چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے' دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا' آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

''ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ کا کم وبیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا' جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں' میں سب سے آخری نبیؐ ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو' وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا' اگر میری موجودگی میں آ گیا تو تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام وعراق کے

درمیان نکلے گا' دائیں بائیں خوب گھومے گا' لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا' سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ بار ہو سکتا ہے۔ اور سنو وہ کانا ہو گا اور تمہارا رب کانا نہیں' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہو گا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہو گی اور باغ ہو گا۔ اس کی آگ دراصل جنت ہو گی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہو گا' سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے' وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہو گی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں تو تو مجھے رب مان لے گا۔ وہ اقرار کرے گا' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے' بیٹے یہی تیرا رب ہے۔ تو اسے مان لے' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا۔ اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا' پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا' اب میں اسے زندہ کر دوں گا' لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے' چنانچہ یہ اسے اٹھا بٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا' میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ''یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہو گا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے۔ آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا' حضورؐ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہو گی' وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا' وہ اسے نہ مانیں گے' اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی' اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے اللہ مان لے گا' اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی' ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا' جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا' پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے' اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی' سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے' اس دن کا نام یوم الخلاص ہو گا''۔

ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا' اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہو گی' ان کا امام ایک صالح شخص ہو گا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہو گا' جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تاکہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ' اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا' فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے' دروازہ کھول دو' پس کھول دیا جائے گا' ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہو گا' جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہو گا' دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے' اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا۔ تو اسے ٹال نہیں سکتا چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے' اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی' ہر پتھر' ہر درخت' ہر دیوار اور

ہر جانور بولتا ہو گا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے' آ اسے مار ڈال' ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے۔ یہ نہیں بولے گا"۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اس کا رہنا چالیس تک ہو گا' سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا' ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' پس عیسیٰ بن مریم میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے' باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ہٹا دیں گے۔ صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔ شیروں سے لڑکے کھیلیں گے۔ نقصان کچھ نہ ہو گا۔ بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھیریں گے جیسے رکھوالا ہو کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی برتن پانی سے لبالب بھرا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو گی۔ لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی۔ قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے۔ زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدمؑ میں تھیں' لوٹ آئیں گی۔ ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو گا۔ ایک انار اتنا ہو گا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے۔ بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیامت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا' بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے کرنے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہو گی' پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا' پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو ہو گا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے' تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا' نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہو گی' تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے' آپ نے فرمایا "ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمد للہ کہنا ہو گا"۔

امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تاکہ انہیں بھی یاد رہے' یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں اسی حدیث جیسی ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

"صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان کیا کہ ہم سمجھے' کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے کہ سنائی تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑا خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا' میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہو گا' آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہو گی' بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہو گا' تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہئے کہ سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا' اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضورؐ وہ رہے گا کتنی مدت آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن سال کے برابر' ایک دن ایک مہینے کے برابر' ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے' پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہو گا' کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوں گی؟ آپ نے

فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کرلو اور نماز ادا کرلو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کر دے گی یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دیے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا کہ ایک تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دوری ہو پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے آپ دجال کا پیچھے کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنہیں اللہ نے اس فتنے سے بچایا ہوگا ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کے جنتی درجوں کی انہیں خبر دیں گے اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آ جائیں گے بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہوگا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی ہوگا؟ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے پھر بارش ہوگی جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا۔ پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہوگی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ الخ کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آ جائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں

گے۔ پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ وہ بھی کچھ عداوت ہوگی' پھر ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی۔ جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو' وہ بھی فوت ہو جائے گا' پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے' اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی۔ شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کر دے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہوگی' پھر صور پھونکا جائے گا' جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا' سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی' جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ غرض سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہہ برسائے گا جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہوگا' اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے' پھر کہا جائے گا' لوگو! اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا۔ پھر فرمایا جائے گا' جہنم کا حصہ نکالو' پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے' یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔

مسند احمد میں ہے' ابن مریم باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں' جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے۔ اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں' قیامت قائم نہ ہوگی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھویں کا آنا' دابتہ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا' دجال کا آنا' تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں' غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کر دے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کریں گے اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے' یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے موقوفاً یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمان بن ابو العاص' حضرت ابو امامہ' حضرت نواس بن سمعان' حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت مجمع جاریہ' حضرت ابو شریحؓ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے' ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر آپ اتریں گے۔ اس زمانہ میں یعنی سن سات سو اکتالیس میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے' اس لئے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے۔ کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے' صلیبوں کو توڑ دیں گے' جزیئے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک شبہے ہٹ جائیں گے' اور لوگ حضرت عیسیٰ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کر لیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور ایک قرات میں لعلم ہے یعنی جناب مسیح قیامت کا ایک زبردست نشان ہے یعنی قرب قیامت کا اس لئے کہ آپ دجال کے آ چکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج

نہ مہیا کیا ہو آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے فرمان ہے حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰ کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو حدیثوں میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلتہ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کی۔ وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ سے بھی ملاقات کی وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو بھی میں نے دیکھا۔ بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے ''حضرت عیسیٰ سرخ رنگ گھنگھریالے بالوں والے چوڑے چکلے سینے والے تھے حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح آپ نے دجال کی شکل و صورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور آپؐ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں مونڈھوں تک تھے صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا سخت الجھے ہوئے بال تھے وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو سرخ رنگ نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتلایا ہے پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سات سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم (ابن عساکر) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی یہ بالکل فضول سا قول ہے ہاں حافظ ابوالقاسم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

ع ۲۲ / ۱۰

جو نفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں' وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں' ان کے ظلم کے باعث اور راہ اللہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ اور سود جس سے وہ منع کئے گئے تھے' اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث' ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی وارد کیا ہے کہ آپ حضورؐ کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا' جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ سے الْحَکِیْمُ ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

یہودیوں کے خود ساختہ حلال و حرام: ☆☆ (آیت: ۱٦۰-۱٦۲) اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی مقدرات خدا میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں' اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں' صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے' دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں' تورات کی اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الخ' یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ پھر تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں' جیسے سورۂ انعام میں فرمایا وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا الخ' یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو۔ ہم نے ان پر حرام قرار دے دی' یہ اس لئے کہ یہ باغی' طاغی' اور مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے۔ پہلے یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے باعث خود راہ اللہ سے الگ ہو کر دوسروں کو اس سے بہکانے کے باعث (جو ان کی پرانی عادت تھی) رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے' انہیں قتل کر ڈالتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوری کرتے تھے جو محض حرام تھی' اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں' جرات سے انہیں کر گذرتے تھے' اس باعث ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کر دیں' ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں۔ ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں' اس جملے کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت ثعلبہ بن سعید' زید بن سعید' حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں' جو اسلام میں آ گئے تھے اور حضورؐ کی نبوت کو مان چکے تھے۔ آگے کا جملہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعبؓ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریرؒ' ابن مسعودؓ کے صحیفہ میں وَالْمُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ہے۔ صحیح قرات اگلی ہے' جن بعض لوگوں نے اسے کاتبکی غلطی بتلایا ہے' ان کا قول غلط ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے' جیسے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ الخ میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم' اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی' یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ۚ وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا‌ ۚ﴿۱٦۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا‌ ۚ﴿۱٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا‏ ﴿۱٦۵﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور اسماعیلؑ کی طرف' اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی ○ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے' اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا ○ ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے' اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ○

نزول انبیاء' تعداد انبیاء' صحائف اور ان کے مرکزی مضامین: ☆☆ (آیت:۱٦۳-۱٦۵) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا "اے محمد (ﷺ) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو" اس پر یہ آیتیں اتریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں جب آیت یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے عَظِیْمًا تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل ہی نہیں فرمایا' نہ موسیٰ پر' نہ عیسیٰ پر' نہ کسی اور نبی پر' آپ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے' اسے آپ نے کھول دی اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ' نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کی تردید میں ہے' جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں واضح کر دیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی' ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء کرام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں' وہ یہ ہیں۔ آدم' ادریس' نوح' ہود' صالح' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داؤد' سلیمان' یوشع' زکریا' عیسیٰ' یحییٰ' (اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس) اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا' اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا' یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا' سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا "آدمؑ" میں نے کہا' کیا وہ بھی رسول

تھے؟" فرمایا "ہاں۔ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' پھر ان میں اپنی روح پھونکی' پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا" پھر فرمایا' اے ابوذر چار سریانی ہیں۔ آدمؑ شیثؑ' نوحؑ' خنوخ جن کا مشہور نام ادریس ہے' انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں۔ ہودؑ' صالحؑ' شعیبؑ اور تمہارے نبیؐ اے ابوذر بنو اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰؑ ہیں اور آخری حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبیؐ ہیں۔" اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے' حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے' جس پر صحت کا نشان دیا ہے' لیکن ان کے برخلاف امام ابوالفرج بن جوزی رحمتہ اللہ علیہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں' اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں۔ ایک اور حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف' یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس میں زیدی اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ ابویعلی کی اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے' میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی کمی یا اختلاف نہیں بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی علالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم۔ ابوذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء کی گنتی کے بارے میں ہے' اسے بھی سن لیجئے' آپ فرماتے ہیں' میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضورؐ تنہا تشریف فرما تھے' میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا' آپ نے نماز کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا "ہاں وہ بہتر چیز ہے' چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی" میں نے کہا "حضورؐ کون سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا "اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا" میں نے کہا "حضورؐ کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟" فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں' میں نے پوچھا "کون سی ہجرت افضل ہے؟" فرمایا "برائیوں کو چھوڑ دینا" میں نے پوچھا' کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا "لمبے قنوت والی" میں نے کہا کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا' فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے "میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟" فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔" میں نے کہا' آزادگی گردن میں افضل کیا ہے؟" فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو۔" میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا "کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا۔" میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا "آیت الکرسی" پھر آپ نے فرمایا "اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر" میں نے کہا حضورؐ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا "ایک لاکھ چوبیس ہزار" میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا "تین سو تیرہ کی بہت بڑی پاک جماعت" میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا "آدمؑ" میں نے کہا' کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا "ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔"

پھر آپ نے فرمایا' سنو چار تو سریانی ہیں' آدمؑ شیثؑ' خنوخ اور یہی ادریس ہیں جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں۔ ہود' شعیب' صالح اور تمہارے نبیؐ سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات' انجیل' زبور اور

فرقان' میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا' بادشاہ مسلط کیا ہوا اور مغرور کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا کہ میں نے تجھے دنیا جمع کرنے اور ملا ملا کر رکھنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے۔ اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو اور ان میں نصائح بھی تھیں مثلاً یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے۔ ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے' ایک وقت اللہ کی صفت میں غور کرے' ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے۔ عاقل کو تین چیزوں کے سوا کسی میں اپنے تئیں منہمک نہ کرنا چاہئے۔ ایک تو توشہ آخرت' دوسرے سامان زیست اور تیسرے فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور و لذت' عاقل کو چاہئے کہ اپنے وقت کو غنیمت سمجھ کر اپنے کام میں لگا رہے' اپنی زبان کی نگہداشت کرے جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے' گا وہ بہت کم گو ہوگا' کلام وہی کرو جو تمہیں نفع دے' میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سراسر عبرتیں' مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے۔ پھر مست ہے' تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے' دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے' قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے' پھر بے عمل ہے' میں نے کہا حضور اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں پڑھو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى آخر سورت تک' میں نے کہا حضورؐ مجھے وصیت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' یہی تیرے اعمال کی روح ہے' میں نے کہا یا رسول اللہؐ کچھ اور بھی' آپؐ نے فرمایا' تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہ' وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کے حصول کا باعث ہوگا۔ میں نے پھر کہا حضورؐ اور زیادہ فرمائیے' فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچو۔ وہ دل کو مردہ کر دیتی ہے' اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے' میں نے کہا اور زیادہ' فرمایا' جہاد میں مشغول رہو' میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے' میں نے کہا اور وصیت کیجئے' فرمایا سوائے بھلی بات کہنے کے زبان بند رکھو' اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجئے' فرمایا' اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کر اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال' اس سے تیرے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت ہوگی' میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے' فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو' اس سے اللہ کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی' میں نے کہا اور فرمائیے' فرمایا'' قرابت داروں سے ملتے رہو' گو وہ تجھ سے نہ ملیں' میں نے کہا اور؟ فرمایا حق گوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے' میں نے اور بھی نصیحت طلب کی' فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر' میں نے کہا اور فرمائیے' فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھا کرو' دوسروں کی عیب جوئی سے باز آ جا' پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا' اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی حسب نسب نہیں۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ پوچھتے ہیں' کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔ ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے اللہ نے اس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور سے نہیں فرمائی'' سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا۔ اس کی داہنی آنکھ بھینگی کانی ہے' آنکھ کا ڈھیلا اتنا اٹھا ہوا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنگار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک جگمگاتے ستارے جیسی ہے' وہ تمام زبانیں بولے گا' اس کے ساتھ جنت کی صورت ہوگی۔ سرسبز اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہوگی سیاہ دھوئیں دار''

ایک حدیث میں ہے' میں (حضورؐ) ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا۔ پھر فرماتا ہے' موسیٰؑ سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا۔ یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے' ایک شخص حضرت ابوبکر بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص

اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی ہے' اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا' یہ کسی کافر نے پڑھا ہوگا- میں نے اعمش سے' اعمش نے یحییٰ سے' یحییٰ نے عبدالرحمٰن سے' عبدالرحمٰن نے علی سے' علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے کہ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے مگر عجب نہیں یہ کوئی معتزلی ہو' اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے- کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی موسیٰ ہمارے وعدے پر آیا اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا' مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی-

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو وہ سیاہ چیونٹی کا اندھیری رات میں کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے-'' یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہؓ ثابت ہو جائے تو بہت اچھی ہے- مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب اللہ نے کلام کیا' وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کیں جو سب وصیتیں تھیں' نتیجہ یہ کہ لوگوں کا کلام حضرت موسیٰؑ سے سنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام کی گونج رہتی تھی' اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں- پھر اس میں انقطاع بھی ہے- ایک اثر ابن مردویہ میں ہے- حضرت جابرؓ فرماتے ہیں' طور والے دن حضرت موسیٰؑ سے جو کلام اللہ تعالیٰ نے کیا' اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس انداز کلام کی صفت سے الگ تھی- تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے بلکہ ان سب سے بھی بہت زیادہ- بنو اسرائیل آپ سے صفت کلام ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا'' میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا'' انہوں نے کہا' اچھا کچھ تشبیہ تو بیان کرو' آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی' وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی' اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں- حضرت کعبؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو یہ تمام زبانوں پہ محیط تھا تو حضرت کلیم اللہ نے پوچھا'' باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے- حضرت موسیٰؑ نے دریافت کیا کہ اے رب تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے- یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں- یہ رسول ہی ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضامندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں' اور اس کے اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب اور سزا سے ڈراتے ہیں-

پھر فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول بھیجے ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کی تعلیم دلوائی' یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ الخ' یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے' اسی جیسی یہ آیت بھی ہے لَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ الخ' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو- یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے' اور کوئی ایسا نہیں جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا- دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں-

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ
يَسِيْرًا ۝۱۶۹ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا ○ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے اور حکمت والا ○

ہمارے ایمان اور کفر سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے: ☆☆ (آیت: ۱۶۶-۱۷۰) چونکہ سابقہ آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کی تردید تھی اس لئے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں، تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود تیری رسالت کا شاہد ہے وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید و فرقان حمید تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا اس میں چیزوں کا علم ہے جن پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں، ہدایت اور فرقان اور اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کے احکام اور گذشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں ہیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے جیسے ارشاد ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ اور فرمان ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ حضرت عطا بن سائبؒ جب حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم لیا ہے۔ پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں، بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے، پھر آپ نے آیت اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ تیرے پاس جو علم آیا ہے جو وحی تجھ پر اتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ پھر فرماتا ہے، جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں، ہماری کتاب کو نہیں مانتے، اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں، ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں، ہمارے احکام سے روگرداں ہیں، انہیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کو لے کر اللہ کے رسولؐ آ گئے، تم اس پر ایمان لاؤ اور

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَ لۡقٰٮهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾

اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے۔ پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو' اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ○

اس کی فرمانبرداری کرو' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے' نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے' وہ علیم ہے' جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ حکیم ہے۔ اس کے اقوال' اس کے افعال' اس کی شرع' اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔

اپنی اوقات میں رہو اور حد سے تجاوز نہ کرو! ☆☆ (آیت:۱۷۱) اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حد سے گذر گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر خدائی تک پہنچا رہے تھے' بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے' بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا۔ وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے' معصوم محض جاننے لگ گئے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمہ دین کہہ دیں' اس کا ماننا ہمارے لئے ضروری ہے۔ سچ جھوٹ' حق و باطل' ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں۔ جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مسند احمد میں ہے حضورؐ نے فرمایا ''مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو صرف ایک بندہ ہوں۔ پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا۔'' یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ اسی سند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمدؐ! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے' اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا ''لوگو اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو' تمہیں شیطان ادھر ادھر نہ کر دے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' میں اللہ کا غلام اور اس کا رسول ہوں' قسم اللہ کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو''۔

پھر فرماتا ہے اللہ پر افترا نہ باندھو' اس کی بیوی اور اولاد نہ مقرر کرو' اللہ اس سے پاک ہے' اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے۔ اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں' اس کے سوا نہ کوئی معبود نہ رب۔ مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ ہیں' وہ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں' جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرئیلؑ حضرت

مریم صدیقہ کے پاس گئے اور اللہ کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے اس لئے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی روایت میں ہے مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ الخ، یعنی مسیح بن مریم صرف رسول اللہ ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں ان کی والدہ سچی ہیں یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اور آیت میں ہے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الخ، عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الخ، جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لئے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰؑ کی بابت ایک اور آیت میں ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ الخ، وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ الٰہی عیسیٰ بن گیا بلکہ کلمہ الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریرؒ نے اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ الخ، کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرئیلؑ کی معرفت پھونکا گیا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے ''جس نے بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی، عیسیٰؑ کے عبد و رسول ہونے کی اور یہ کہ آپ اللہ کے کلمہ سے تھے جو مریمؑ کی طرف ڈالا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے'' جیسے کہ جناب عیسیٰ کو آیت و حدیث میں روح منہ کہا ہے۔ ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اس نے مسخر کیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تمام کا تمام اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے۔ پس لفظ من تبعیض (اس کا حصہ) کے لئے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ من ابتداء کے لئے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں رُوْحٌ مِّنْهُ سے مراد رَسُوْلٌ مِنْهُ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں مُحَبَّةٌ مِنْهُ لیکن زیادہ قوی پہلا قول ہے یعنی آپ پیدا کئے گئے ہیں روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے۔ پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی صرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ ''میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا۔'' پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ اللہ کا کلام اللہ کی مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو شریک اللہ نہ بناؤ اللہ کی خدائی شرکت سے مبرا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ الخ، یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہوگا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا؟ آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰؑ کو خود اللہ مانتے ہیں اور بعض شریک اللہ مانتے ہیں اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سن ۴۰۰ھ کے قریب گذرا ہے اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس وقت کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے۔ پھر اس قدر اختلاف آپس میں کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے تھے۔ دس کا ایک عقیدہ تھا۔ بیس کا ایک خیال تھا۔ چالیس اور ہی کہتے تھے۔ ساٹھ اور طرف جا رہے تھے غرض ہزارہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک

قول پر جمع ہو گئے' بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا' باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کلیساء اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے' یہیں انہوں نے امانت کبری کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے' ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔

پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا' اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے' یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں' ان میں بھی باہم دیگر اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے' اس سے باز آؤ' یہ باز رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے' اللہ تو ایک ہی ہے۔ وہ توحید والا ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو' تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں' سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں' وہ ہر چیز پر وکیل ہے۔ پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے' اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ سورہ مریم میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ سے فَرۡدًا تک بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُہُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَیَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۬ۙ وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے پس اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا ○ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں' ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا' اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا' انہیں المناک عذاب کرے گا' اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی' دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے ○

اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے! ☆☆ (آیت: ۴:۱۷۲-۱۷۳) مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور بہترین فرشتے بھی اللہ کی بندگی سے تکبر اور کشیدگی نہیں کر سکتے' نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جس قدر مرتبے میں قریب ہوتا ہے' وہ اسی قدر اللہ کی عبادت میں زیادہ پابند ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں' اس لئے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنے کے ہیں' اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا ہے اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے' اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی' جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو' وہ خود اللہ کو پوجتے ہیں' پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں بَلۡ عِبَادٌ مُّکۡرَمُوۡنَ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے' منہ موڑے اور

بغاوت کرے' وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے- جو ایمان لائیں' نیک اعمال کریں' انہیں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا' پھر رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی-

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں' انہیں بھی ان کی شفاعت نصیب ہو گی جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں' ہاں اگر ابن مسعودؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے- پھر فرمایا' جو لوگ اللہ کی عبادت و اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں' انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی و مددگار نہ پائیں گے- جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں' وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے' یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا کہ ذلیل و حقیر' خوار و بے بس ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے-

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمۡ بُرۡہَانٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۱۷۵﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ○ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا' انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا ○

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل اور حجت تمام ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۵) اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی' شک و شبہ کو الگ کرنے والی برہان (دلیل) تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور' صاف روشنی' پورا اجالا اتار دیا ہے' جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے- ابن جریجؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے- اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں' اس سے مضبوط رابطہ کر لیں' اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں' مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں' تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان اللہ پر لائیں اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں' ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا اور اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا' نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا' ان کے ثواب بڑھا دے گا' ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا' جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں'

یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا ہَلَکَ لَیۡسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗۤ اُخۡتٌ فَلَہَا نِصۡفُ مَا تَرَکَ ۚ وَ ہُوَ یَرِثُہَاۤ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ کَانَتَا اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ؕ وَ اِنۡ کَانُوۡۤا اِخۡوَۃً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

ع ۲۴ (۵)

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ اللہ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے' اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا' اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں' مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے' اللہ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو تم بہک جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے O

کہیں سے تنگ نہیں۔ گویا وہ مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا ہے اور راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت پر اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔ شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمان رسولؐ ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم ہے۔

عصبہ اور کلالہ کی وضاحت! مسائل وراثت: ☆☆ (آیت:۱۷۶) حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت یَسْتَفْتُوْنَكَ اتری ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''میں اپنی بیماری میں بیہوش پڑا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے' آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا' حضورؐ وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں' میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی (بخاری و مسلم)

اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں' اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسے کہ آیت میں ہے وَلَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو مسائل مشکل پڑے تھے' ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسول اللہ ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے۔ دادا کی میراث' کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے' آپؓ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضورؐ سے کئے' اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے' جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے' اگر میں نے حضورؐ سے مزید اطمینان کر لیا ہوتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضورؐ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی' اب فاروق اعظمؓ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ جناب فاروقؓ نے حضورؐ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا' پس فرمایا ''کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا''۔ پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں' جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد و والد کے لئے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے' وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں شمار ہوتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنی هلك کے معنی ہیں مر گیا' جیسے فرمان ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ الخ' یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات اللہ کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔

پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو' وہ کلالہ ہے' بروایت ابن جریر حضرت عمرؓ بن خطاب سے بھی یہی مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ بھی

یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد اور اس کی دلالت آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو فرمایا وَلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً نہیں ملتا' پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے۔ اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد' اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مر گئی ہے۔ اس کا خاوند ہے اور ایک سگی بہن ہے تو آپ نے فرمایا' آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو' جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا (احمد)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی' اسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا بہ سبب فرض کے اور آدھا بہن کو ملے گا بہ سبب عصبہ ہونے کے۔ ابراہیم اسود کہتے ہیں' ہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو۔ پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ۔ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابو موسیٰ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے گا۔ سنو میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابو موسیٰ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا' جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں' مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو' یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اسکی اولاد اور باپ نہ ہو' اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا اور وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہو گا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو' پھر جو باقی بچے' وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے' یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' یہی حکم عصبات کا ہے خواہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جب کہ ان میں مرد عورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی برائی کا جاننے والا' مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضور اور صحابہؓ کہیں جا رہے تھے۔ سفر میں تھے۔ حذیفہؓ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمرؓ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری۔ پس حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کو سنائی اور حضرت حذیفہؓ نے

حضرت فاروق اعظمؓ کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا' تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو' اس لئے کہ جیسے مجھے حضورؐ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی' واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا' پس حضرت فاروقؓ فرمایا کرتے تھے' الٰہی گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانے میں کیا تھا اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی' اس لئے اپنی صاحبزادی زوجہ رسولؐ حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔

چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے' جب حضورؐ نے یہ فرما دیا تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہؓ نے سوال کیا تو آپ نے ایک کنگھے پر یہ آیت لکھوا دی' پھر فرمایا' کیا عمرؓ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے' کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے' کافی نہیں؟ وہ آیت وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً ہے۔ پھر جب لوگوں نے حضورؐ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور کنگھی پھینک دی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے کنگھے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا' میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے' اسی وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے' پس آپ نے فرمایا' اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

مستدرک حاکم میں ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' کاش میں تین مسئلے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تجھے ادا نہیں کریں گے' ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' حضرت عمرؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا' فرماتے تھے' قول وہی ہے جو میں نے کہا' تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے' حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں' میرے اور حضرت صدیقؓ کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا' حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں' ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروقؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے۔ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا۔ پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا۔ پھر میرا خیال یہی ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے' میں اس بارے میں ابوبکرؓ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں اور ابوبکرؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو۔ اور اسی پر جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقہیوں کا مذہب ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی۔ جیسے کہ باری تعالٰی عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا' اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' واللہ اعلم۔ الحمد للہ سورہ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالٰی قبول فرمائے۔